خطبات اسحاق

①

مفتی مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ

-Hard Copy of Book Can be Delivered-
contact at @: molanaishaq1@gmail.com

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
کلمۃ الحرمین		امر بالمعروف اور نہی عن المنکر	
عرض مرتب		موت	
مولانا کا تعارف		تسلیم رضا	
وجود باری تعالیٰ		زمینی حقائق	
توحید		عظمت انسان	
تعلق باللہ		انسان کا مقصد تخلیق	
اسلام ایک دین		ذوی القربیٰ سے سلوک	
اسلام میں مکمل داخلہ		شریعت کے اصول اور کفار سے دوستی کا حکم	
نماز		مناجات ابراہیم علیہ السلام	
فضائل رمضان المبارک		سیرت حضرت یوسف علیہ السلام	
حج بیت اللہ		حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	
فلسفہ حج		حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	
لبیک			
جہاد			
تعلق بالقرآن			
توبہ			
تزکیہ نفس			
چہرے کا پردہ			
پردے کی اہمیت			
دین کی کچھ باتوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا			
دین ملافی سبیل اللہ فساد			
بدعت			

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر
عرض مرتب		جیش اسامہ	
مولانا مختصر کا تعارف		حدیث قرطاس	
مقام رسول ﷺ		باغ فدک	
عشق رسول ﷺ		قبر پرستی اور سماع موتی	
عشق رسول ﷺ کے تقاضے			
بشریت انبیاء علیہم السلام			
ولادت اور میلاد النبی ﷺ			
میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت ..			
واقعہ معراج النبی ﷺ (حصہ اول)			
واقعہ معراج النبی ﷺ (حصہ دوم)			
حاضر وناظر			
شان مدینہ			
رسول اللہ ﷺ پر ایک اعتراض کا جواب			
رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے واقعات			
رسول اللہ ﷺ پر جادو اور زہر دیا جانا			
رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت.			
رسول ﷺ کے آخری شب وروز.			
وفات النبی ﷺ			
رسول اللہ ﷺ کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ردعمل			
رسول اللہ ﷺ کی تجہیز وتکفین ...			
انتخاب خلافت			

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کے خطبات کا پہلا مجموعہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کی شخصیت اور پیش کردہ خطبات کے بارے میں کچھ لکھنے سے پہلے چند باتوں کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں یہ خطبات آڈیو ریکارڈر سے تحریری شکل میں لائے گئے۔ انہیں کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنا بہت مشکل کام ہے تقریر کو جب تحریری شکل دی جاتی ہے تو اس میں بعض تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ جو زبان ہمارے ہاں بول چال کیلئے مروج ہے یعنی ملی جلی اردو اور پنجابی مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ اسی زبان میں تقریر کرتے ہیں۔ اس سے ابلاغ میں سہولت رہتی ہے مگر جب اسے تحریری شکل دی جاتی ہے اس سے جملوں کی ساخت بدل جاتی ہے اس میں یہ احتمال رہتا ہے کہ صاحب کلام کی بات نقل کرنے میں غلطی ہو جائے میں نے بڑی حد تک اس بات کی کوشش کی ہے کہ محترم مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کے اسلوب کو برقرار رکھا جائے لیکن اس کا اہتمام ایک حد تک ہی ممکن ہے جہاں وعظ و نصیحت کی بات ہے میں نے وہاں مولانا رحمہ اللہ کے طرز تخاطب کو برقرار رکھا ہے کیونکہ نصیحت کی باتیں جتنا تقریر میں متاثر کرتی ہیں اتنا تحریر میں ممکن نہیں۔

مولانا رحمہ اللہ چونکہ بنیادی طور پر محقق ہیں اس لئے ان کے خطبات میں فن خطابت کی لفاظی مفقود ہوتی ہے۔ بلند آہنگ لب و لہجہ اور واقعات پیش کرنے میں خطیبانہ مبالغہ آرائی کسی سنجیدہ عالم اور محقق کے شایان شان نہیں ہوتی۔ وہ اپنی تحقیق کا نچوڑ اور حقائق بہت سادگی سے بیان کر دیتا ہے۔ میں نے بھی اسی سادگی سے مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کی تقاریر کو تحریر کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ آپ کو اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ اگر خلوص و صداقت سے کوئی چیز پیش کی جائے تو سادگی سے بیان کرنے کے باوجود وہ دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ان خطبات کو مرتب کرتے وقت جو بہت سی مشکلات مجھے پیش آئیں ان میں ایک تو یہ بات تھی کہ مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کے خطبے میں بہت سی ضمنی باتیں بھی آ جاتی ہیں جن میں سے کئی باتوں کا پیش کردہ مضمون سے تعلق ہوتا ہے مگر کچھ باتیں اس مضمون سے غیر متعلق ہوتی ہیں انہیں

کاٹنا پڑتا ہے۔ مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ اپنی تقریر کے درمیان جب کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں تو اکثر کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں بہت سی باتیں کر جاتے ہیں۔

انہیں تحریر میں شامل کرنے سے کئی دفعہ مضمون کا ربط ٹوٹ جاتا ہے بہر حال میں نے بہت کوشش کی ہے کہ کہیں تحریر کا ربط ٹوٹنے نہ پائے۔ اس میں کس حد تک کامیاب رہا ہوں اس کا اندازہ آپ کو کتاب کے مطالعہ کے بعد ہوگا۔ اگر آپ کہیں کوئی کمی محسوس کریں تو مہربانی فرما کر راقم کو ضرور اس سے آگاہ کریں۔

تقریری اور تحریری اسلوب میں فرق کی وجہ سے کئی باتوں کو آگے پیچھے کرنا پڑتا ہے فقروں کی ساخت بدلنی پڑتی ہے تا کہ مضمون کی صحیح ترتیب قائم ہو جائے میں نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کی بات میں کہیں معنوی تحریف نہ ہونے پائے ہمارے یہاں خطبات کو تحریری شکل میں لانے کی روایت ابھی عام نہیں ہوئی اس لئے ان خطبات کو مرتب کرنے میں مجھے کہیں سے کوئی مدد نہیں ملی۔ میں نے جو انداز اپنایا وہ میرا اپنا ہے۔ یہ انداز کس حد تک دلوں پہ اثر کرتا ہے اس کا اندازہ تو قارئین ہی کر سکیں گے۔

مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ نے اپنے خطبات میں احادیث شریفہ اور دیگر کتب کے جتنے بھی حوالے دیئے ہیں میں نے انہیں اصل کتابوں سے دیکھ کر نقل کیا ہے اس سلسلے میں بشری حد تک جتنی احتیاط ہو سکتی ہے اس کا اہتمام کیا ہے، لیکن اس کے باوجود غلطی کا احتمال ممکن ہے اگر آپ دوران مطالعہ کہیں ایسی لغزش دیکھیں تو ہمیں ضرور آگاہ کریں۔

ان خطبات کا مطالعہ کرنے سے پہلے چند باتیں ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے۔ مولانا محمد اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک دین کے ماٰخذ قرآن و حدیث رسول ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن و حدیث کی وہی تعبیر اور تفسیر قابل قبول ہے جو صحابہ کرام اور سلف صالحین سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی کارنامہ نہیں ہے کہ آپ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات پیش کیا اور قرآن پاک کی صورت میں ایک ایسا نور ہدایت چھوڑ گئے جو قیامت تک آنے والے لوگوں کے دلوں کو منور کرتا رہے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صورت میں ایسے روشن ستارے چھوڑ گئے جن کے کردار و عمل سے شرق و غرب میں اسلام کا نور پھیلا اور انہوں نے اپنے حسن اخلاق سے لاکھوں دلوں کو مسخر کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں شام اور عراق میں قرآن پاک کے نسخوں کے

ہیں انہوں نے ہر مرحلے پر مجھے اپنی قیمتی آراء سے نوازا ان خطبات کی ترتیب اور اسلوب کے بارے میں بہت سے مفید مشورے دیئے ان کے علاوہ حاجی فقیر محمد صاحب اور برادرم عبدالرحمٰن کا جنہوں نے بڑی عرق ریزی سے ان کی پروف ریڈنگ کی اور خامیوں کی نشان دہی کی۔ اس کیساتھ ساتھ جناب عبدالحفیظ مدنی صاحب کا بھی شکرگزار ہوں جنہوں نے ان خطبات کی کمپوزنگ کی اور ہر مرحلے پر میری رہنمائی فرمائی۔

اس کتاب کی اشاعت میں معاونت کے لئے جناب محمد ارشد شامی جناب زاہد اقبال جناب محمد اقبال صاحب اور جناب شفیق الرحمان کا شکرگزار ہوں جن کی مخلصانہ کوششوں سے یہ منصوبہ پایہ تکمیل تک پہنچا، اگر اس کتاب میں کوئی خوبی ہے تو وہ مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کی وسعت علمی کی وجہ سے ہے۔ اگر اس میں کوئی خامی رہ گئی ہے تو وہ میری کم علمی کی وجہ سے ہے۔ میں اپنی کوتاہ علمی کا اعتراف کرتا ہوں۔

محمد یٰسین 15 ستمبر 2004ء

محقق العصر مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کا مختصر تعارف

فیصل آباد کے علمی حلقوں میں جس عظیم المرتبت عالم دین کے علم و تحقیق کا شہرہ ہے اسے لوگ مفتی محمد اسحاق کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کی ذہانت و فطانت وسعت مطالعہ، تحقیق، مسائل میں ادراک، علم دوستی، اخلاص، نیکی اور اسلام کے لئے بے پناہ تڑپ کے چرچے زبان زد عام ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے اپنی تحقیق اور علم سے راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت اس دور ظلمت میں مرجع خلائق ہے۔ لوگ دقیق سے دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی علمی و عملی خوبیوں اور اوصاف و کمالات سے نوازا ہے۔ ان کے علم اور تحقیق کے اپنے پرائے سب معترف ہیں۔

مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کا اظہار لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر کر دیتے ہیں۔ میں اس نابغہ روزگار عالم دین سے چودہ پندرہ سال سے دوستانہ اور نیازمندانہ تعلق رکھتا ہوں میں نے جب بھی ان کے باب علمی پر دستک دی ان کو مطالعہ اور تحقیق میں مستغرق پایا اس نفسانفسی کے دور میں جب کہ ہر انسان دنیا کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور اس فتنہ میں علماء کی جماعت بھی مبتلاء ہے اور ان کے پاس عوام کے لئے کچھ وقت نہیں ہے مولانا اسحاق حفظہ اللہ ہی ہیں کہ جو ہمہ وقت لوگوں کو مسائل بتانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور جو جتنا مشکل سوال پوچھتا ہے اتنا ہی خوش ہوتے ہیں۔

ان کے خطبات جمعہ اور دروس کے اجتماع میں ایک جم غفیر ہوتا ہے جو ان کے ارشادات عالیہ سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں انہوں نے اپنے تبحر علمی اور اخلاق حسنہ سے لوگوں کے قلب و ذہن پر انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ آج کی مجلس میں اس یگانہ روزگار عالم دین کے زندگی کے تابناک پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لاکر لوگوں کو ان سے متعارف کروایا جائے۔

آئندہ سطور میں ہم اپنے مشاہدے سے مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کے متعلق کچھ باتیں قارئین کی نظر کریں گے۔ ہوسکتا ہے کسی دوست کی طبع نازک پر یہ گفتگو ناگوار گزرے۔ غالب کے الفاظ میں:

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے سب اچھا کہیں جسے

ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق حفظہ اللہ 15 جون 1935ء کو چک نمبر 116/ج

ب رڑانا بلی (چک جھمرہ ضلع فیصل آباد) میں پیدا ہوئے ان کے والد کا نام منشی اور دادا کا اسم گرامی رانجھا ہے۔ ارائیں برادری سے تعلق ہے۔ سکول کی ابتدائی تعلیم پرائمری تک قریبی گاؤں دیال گڑھ میں حاصل کی اور میٹرک چک جھمرہ کے ہائی اسکول سے کیا جب کہ ایف اے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے کیا۔ شروع سے ہی تعلیم میں تیز تھے ذہن اخاذ اور رسا پایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیتوں سے خوب بہرہ ور کیا تھا جو پڑھتے ذہن نشین ہو جاتا سکول کے زمانہ ہی میں انہوں نے دینی تعلیم کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور گاؤں ہی کے ایک نیک طینت انسان مولوی نور محمد ﷫ سے صرف نحو کی کتب سبقاً پڑھیں۔ پھر کچھ کتب منطق، فلسفہ اور دیگر فنون کی کتب چک جھمرہ میں قرولش مولانا امداد الحق صاحب سے پڑھیں ان اساتذہ کرام نے مولانا ﷫ کو ابتدائی گائیڈ لائن دے دی۔ اس کے بعد مولانا صاحب نے از خود اپنے طور پر عربی زبان و ادب اور فارسی میں مہارت حاصل کی اور دینی علوم کا مطالعہ شروع کر دیا۔

ان کی رسائی اصل عربی کتب اور مآخذ تک ہوئی تو یہ تحقیقی میدان میں آن وارد ہوئے وہ دن اور آج کا دن انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ مولانا صاحب مطالعہ کے اس حد تک شوقین تھے گاؤں میں اپنی زمین پر ہل چلا رہے ہیں اور ہاتھ میں کتاب بھی پکڑی ہوئی ہے اور مطالعہ بھی کیا جا رہا ہے۔

ایک عرصہ دراز تک مولانا محمد اسحاق ﷫ گاؤں کی مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے۔ انہوں نے بڑی گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کیا اسلامی علوم و فنون پر دسترس حاصل کی اور بلا تفریق تمام مسالک فقہی کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، قادیانیت وغیرہ کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے ان کے مذاہب سے متعلق معلومات حاصل کیں اور مناظرہ اور مباحثہ سے ان باطل فرقوں کا علمی طور سے محاکمہ کیا۔

1983ء تک وہ گاؤں میں ہی رہے 16 جولائی 1983ء کو فیصل آباد کے عظیم عالم دین محدث عالی قدر حضرت مولانا محمد عبداللہ ﷫ جھال خانوآنہ جدہ میں حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک وفات پا گئے وہ علم کا بحر ذخار تھے ان میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے جو ایک داعی اور عالم دین میں ہونے چاہئیں ان کی وفات کے بعد جامع مسجد کریمیہ (محلہ جیلانی پورہ ستیانہ روڈ فیصل آباد) کے متولی حاجی عبدالواحد صاحب کو کسی ایسے عالم دین کی تلاش تھی جو مولانا کی جگہ پر کر سکے اس کا علم بھی پختہ ہو۔ عمل میں بھی مثالی ہو اور جو لوگوں کو خطبہ جمعہ اور دروس میں

صحیح اسلامی مسائل بتائے۔ اب نظر انتخاب پڑی تو انہوں نے مولانا اسحاق صاحب کو مسجد کریمیہ کے منبر پر لا بٹھایا۔

مسجد کریمیہ حاجی عبدالواحد پاور لوم والے اور ان کے بڑے بھائی حاجی محمد یوسف مرحوم نے 1962ء کے لگ بھگ تعمیر کی تھی اور انہوں نے اس وقت مولانا عبداللہ محدث ﷫ جھال خانوآنہ کو اس مسجد کا خطیب مقرر کیا تھا۔ مولانا ﷫ جس پائے کے عالم تھے احباب جانتے ہی ہیں انہوں نے اس مسجد کی آبادکاری خون جگر سے کی۔

مسجد کریمیہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار کا آغاز مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے رفیق خاص مولانا اسحاق چیمہ مرحوم ﷫ کے ساتھ مل کر اسی مسجد کے حجرے میں کیا تھا اور مسجد کریمیہ میں اس دور میں بڑے بڑے شیوخ اور علمی شخصیات جلوہ افروز ہوتی تھیں۔ ان حضرات علماء کرام کے نام مندرجہ ذیل ہیں حضرت الامام عبدالستار محدث دہلوی کراچی امام جماعت غرباء اہل حدیث متوفی 1966ء مولانا عبدالجلیل جھنگوی متوفی جون 1976ء میاں محمد باقر، پروفیسر سید ابوبکر غزنوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد اسحاق بھٹی ﷫ حضرت مولانا صوفی عبداللہ ماموں کانجن والے، مفتی عبدالقہار سلفی کراچی، مولانا عبدالغفار سلفی کراچی مولانا عبدالرحمٰن سلفی امیر جماعت غرباء اہل حدیث کراچی۔

مولانا اسحاق ﷫ جب گاؤں سے نکل کر فیصل آباد آ گئے اور مسجد کریمیہ کے منبر پر انہوں نے دعوت و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو ان کی شہرت دور تک پھیل گئی۔ لوگ ان کے مواعظ عالیہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے مولانا کے خطبات جمعہ اور دروس القرآن میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ مولانا صاحب 1983ء کے آخر میں جامع مسجد کریمیہ میں آئے تھے۔ آج 8 ستمبر 2004ء یہ سطور لکھی جا رہی ہیں 21 سال کا طویل عرصہ انہیں یہاں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے گزر چکا ہے۔ ان کی تبلیغی مساعی کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق ﷫ بہت پیارے اسلوب میں اپنی بات کو سامعین کے گوش گزار کرتے ہیں۔ خوش گفتار اور نرم مزاج خطیب ہیں دعوت و تبلیغ کے اصول و ضوابط سے پوری طرح آگاہ ہیں۔ حکمت سے گفتگو کرتے اور سلیقے سے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ ان کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے بڑے بڑے اسکالر پروفیسر اور پڑھے لکھے لوگ آتے ہیں۔

بہت سے لوگوں نے ان کے خطبات جمعہ سے متاثر ہو کر اپنے عقائد کی اصلاح کی اور وہ

نمازی روزہ دار اور سنت کے پابند ہوئے۔ان کے وعظ کی اثر آفرینی کا عالم یہ ہے کہ مسجد کریمیہ خطبہ جمعہ شروع ہوتے ہی تنگی دامن کا شکوہ کرتی ہے۔3 ستمبر 2004ء کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے میں صرف دس منٹ لیٹ ہوا اور مجھے وضو خانہ جو کہ مسجد میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف ہے اس کے قریب بمشکل جگہ مل سکی۔ یہ تو دس منٹ لیٹ ہونے کا معاملہ ہے جو دیر سے آئے ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

مولانا اسحاق حفظہ اللہ میں بہت سی خوبیاں ہیں ایک خوبی جو ہزار خوبیوں سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ مطالعہ کے از حد رسیا ہیں۔ بڑی سے بڑی کتاب بھی بالاستیعاب چند روز میں پڑھ لیتے تھے۔ ان کی لائبریری قرآنی تفاسیر، حدیث، رجال، فقہ، فتاوٰی، سیرۃ الانبیاء علیہم السلام اور مختلف مسائل پر ہزاروں تحقیقی کتابوں سے آراستہ ہے اور ان سب کتب پر انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے نشان لگا رکھے ہیں۔سریع الحفظ ہیں کوئی مسئلہ پوچھ لیں فوراً کتاب نکال کر حوالہ دکھا دیں گے۔

ان کی لائبریری میں زیادہ کتب عربی ہیں اردو کتب نہ ہونے کے برابر ہیں۔علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اور کتابوں کے بڑے شائق ہیں۔ان کا اوڑھنا بچھونا علم ہے۔اہل علم اور طلبہ سے بڑی شفقت فرماتے ہیں کتابیں ہمیشہ خرید کر پڑھتے ہیں اور دوسروں کو مطالعہ کی توجہ دلاتے ہیں۔ان کی محفل خالص علمی ہوتی ہے۔اس سے علم کے طالب حظ وافر اٹھاتے ہیں۔

ہمارے دوست حافظ سلیمان بن مولانا عطاء اللہ شہید فرماتے ہیں کہ فیصل آباد میں تین (3) شخصیتیں ایسی ہیں کہ ان کے علم و دانش اور تحقیق کی داد دی جا سکتی ہے۔وہ فرماتے ہیں: کہ فیصل آباد میں کوئی محقق ہے تو وہ مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ ہیں۔ عالم ہیں تو وہ آغا سلیم صاحب (گورنمنٹ کالج والے) اور کوئی دانشور ہے تو وہ چوہدری صفدر علی ایڈووکیٹ صاحب ہیں

مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ جہاں بلند پایہ محقق اور فصیح اللسان خطیب ہیں وہیں وہ اچھے مناظر اور متکلم بھی ہیں۔ گفتگو کا سلیقہ خوب جانتے ہیں۔حدیث اور رجال پر نظر گہری ہے۔مخالف کی دلیل کا جواب حاضر جوابی سے دے کر اسے خاموش کرانا جانتے ہیں۔اب تک وہ کئی مناظرین سے اچھی اور کامیاب گفتگو کر چکے ہیں۔ختم نبوت کے متعلق بڑے حساس ہیں۔ قادیانیوں کو آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔

ایک بار محلّہ مصطفیٰ آباد میں مرزائیوں کے مربی سے حیات مسیح پر گفتگو ہوئی مربی نے کتاب البریہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں۔مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ نے اصل کتاب کا حوالہ دکھا کر فوراً ثابت کیا کہ مرزائی مربی نے جھوٹ بولا ہے اور اس کی یہ بات بالکل غلط ہے۔امام صاحب اور ان کے شاگرد نے کہیں بھی ایسا نہیں کہا۔مولانا نے مرزائی مربی کی ایسی گرفت کی کہ اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ایک بار مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ ربوہ چلے گئے اور مرزائیوں کے مربی مبشر احمد کاہلوں سے حیات مسیح پر کامیاب گفتگو کی اور ایسے دلائل دیئے کہ وہ لاجواب ہوگیا۔

بلاشبہ مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔انہوں نے ہر مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے۔میرے ایک دوست ہیں پروفیسر ساجد اسد اللہ سمندری کالج میں پڑھاتے ہیں۔ وہ مولانا عطاء اللہ شہید (متوفی 1947ء) کے پوتے مولانا داؤد صاحب سمندری والے کے بیٹے حافظ سلیمان صاحب کے بھتیجے اور ڈاکٹر خالد ظفر اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔عیسائیت کے موضوع پر وہ اکثر پڑھتے رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے انہیں عیسائیت کے متعلق ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہوا۔ بڑے بڑے اہل علم کی طرف رجوع کیا لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔آخر وہ مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے سوال سنتے ہی اپنے وسعت مطالعہ سے فوراً مسئلہ کا شافی جواب دے کر ساجد صاحب کو مطمئن کر دیا۔

مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کا جس قدر علم اور مطالعہ وسیع ہے اتنا ہی ان کا ظرف بھی وسیع ہے وہ نہایت خلیق ملنسار مہمان نواز اور عجز وانکساری کا پیکر ہیں۔گزشتہ دنوں ایک مولوی صاحب کو علم کا ہیضہ ہوگیا تو وہ اپنے شاگردوں کے سروں پر کتابیں رکھوا کر مسجد کریمیہ میں پہنچ گیا اور مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ سے مناظرہ کرنے لگا۔مولانا نے متانت اور سنجیدگی سے اس کے ساتھ ایسی گفتگو کی کہ اس کی ساری علمیت دھری کی دھری رہ گئی اس پر بس نہیں ہوئی مولانا نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی مسجد میں اس سے ظہر کی نماز کی امامت کروائی اور پھر خاطر تواضع کے بعد اچھے طریقے سے رخصت کیا۔یہ ہے ایک عالم دین کی عظمت اور شان۔

مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ بڑے عاجز اور صابر عالم دین ہیں دوسروں کی ستم ظریفیوں کے باوجود ان سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔اپنے سے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت فرماتے ہیں۔ ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں رقیق القلب ہیں ضرورت مندوں کی مدد اپنا فرض سمجھتے ہیں وحدت امت کے داعی ہیں اہلبیت اطہار علیہم السلام سے بے پناہ محبت ہے میری خوش بختی کہ اس عاجز کے مشفق و مہربان ہیں۔

میں دو بار اپنے مرشد عالی قدر ذہبی دوراں حضرت مولانا اسحاق بھٹی صاحب (مصنف نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروان سلف، قافلہ حدیث) کے ہمراہ ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو ان سے دیر تک مجلس رہی۔ ان کے بیٹے جعفر صاحب نے جو کہ میرے دوست بھی ہیں اور پیر بھائی بھی جس طرح انواع واقسام کے کھانوں سے ہماری مہمان نوازی کی اور عزت افزائی فرمائی وہ اب تک یاد ہے۔ اس موقع پر ہمارے دوست چوہدری علی ارشد اور شاہد حسین صاحب بھی ساتھ تھے۔ مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ خالص علمی وتحقیقی آدمی ہیں ہمہ وقت پڑھتے رہتے ہیں۔ تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے البتہ ان کے بعض علمی خطبات جو زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

1. ''وحدت امت'' مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کا یہ رسالہ اتحاد واتفاق کے مسائل پر مشتمل ہے اس میں انہوں نے امت مسلمہ کے افراد کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے ناطے بھائی بھائی بن کر رہیں اور خوامخواہ ایک دوسرے کی تکفیر نہ کریں۔ اپنے مؤقف کی تائید میں انہوں نے ہر مسلک کی کتابوں سے دلائل دیئے ہیں
2. لبیک یہ کتابچہ مولانا کے خطبہ جمعہ پر مشتمل ہے۔ اس میں لفظ لبیک کی تشریح وتوضیح کی گی ہے۔
3. صداقت قرآن اس رسالہ میں غیر مسلموں کے قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں اور قرآن کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

مولانا اسحاق حفظہ اللہ بڑے ذی علم اور نکتہ دان عالم دین ہیں۔ ان کے خطبات میں علمی شان اور مستند مواد پایا جاتا ہے۔ خواندگان ذی احترام کی خدمت میں مولانا صاحب کے خطبات کا مجموعہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس میں سیرت الانبیا پر مشتمل خطبات احاطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ یہ خطبات مستند معلومات اور صحیح روایات کے تناظر میں پیش کئے گئے ہیں۔

ان کا مطالعہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی سیرت کو سمجھنے کے لئے ایک مشعل راہ ہے۔ خطبات کا دوسرا مجموعہ مختلف خطبات پر مشتمل ہے اس میں معاشرتی اخلاقی فضائل اہل بیت وغیرہ کے علاوہ انسانی زندگی میں پیش آمدہ روزمرہ کے مسائل پر خطبات شامل ہیں۔ ہر خطبہ اپنے دامن میں علم وتحقیق کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ یہ خطبات فکر انگیز اور معلومات افزاء ہیں امید ہے کہ علمی حلقوں میں ان کے خطبات کی پزیرائی ہوگی اور انہیں شوق سے مطالعہ کیا جائے گا۔

مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب آخر میں ایک

خط ملاحظہ فرمالیجئے! یہ خط لاہور سے مجھے میرے بزرگ دوست مولانا کے ہم نام عظیم مصنف اور شخصی خاکہ نویس مولانا اسحاق بھٹی حفظہ اللہ نے لکھا ہے وہ رقم طراز ہیں۔

برادر عزیز محمد رمضان یوسف سلفی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ............آپ کے دونوں مکتوبات یکے بعد دیگرے ملے۔ حالات کچھ ایسے رہے کہ فوری طور پر جواب نہ دے سکا۔

مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ اور جعفر صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے خطبات سے متعلق خدمت سرانجام دینے کے لئے اس فقیر کو یاد فرمایا! بات یہ ہے کہ میں نے مولانا ممدوح کے مطبوعہ رسائل کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے مندرجات سے مستفید ہوا ہوں ان کی زبان اور اسلوب تحریر سے اس درجہ متاثر ہوا تھا۔ حیران تھا کہ فیصل آباد میں میرے یہ کون ہم نام ہیں جو اس خوبصورتی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں یہ میرے لئے مسرت انگیز تعجب کی بات تھی۔ پھر ان سے ملاقات ہوئی تو مزید خوشی ہوئی۔ جعفر صاحب اور ان کے بھائی صاحب سے مل کر بھی جی بہت خوش ہوا تھا۔

مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کے خطبات بے شک معلومات افزا ہوں گے آپ نے یہ خوش کن خبر سنائی ہے کہ وہ اسے شائع کر رہے ہیں۔ یہ خطبات پہلے سے مطبوعہ خطبات میں بہترین اضافہ ثابت ہوں گے۔ میں اپنے علم ومعلومات سے خوب آگاہ ہوں اور جانتا ہوں کہ اس میدان میں میری کیا ''اوقات'' ہے۔ میں ان خطبات میں کوئی اضافہ نہیں کرسکوں گا۔ مولانا حفظہ اللہ کو اور جعفر صاحب کو میری طرف سے نیاز مندانہ سلام پہنچایئے اور ان سے کہیے! کہ وہ مجھے یا کسی اور کو دکھائے بغیر خطبات چھاپ دیں۔ وہ خطیب ہیں اور لوگوں کی نفسیات سے آگاہ ہیں۔ قارئین ان کے افکار عالیہ سے مستفید ہوں گے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

اخلاص کیش محمد اسحاق بھٹی

24/8/2004

حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق حفظہ اللہ کی خدمات گونا گوں کا یہ مختصر سا تذکرہ ہے۔ وہ جس اعلیٰ پائے کے مدبر محقق اور اسکالر ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ان کی تحقیق اور علم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ افسوس کہ مولانا حفظہ اللہ کو علمی اعتبار سے جو مقام اور مرتبہ ملنا چاہئے تھا وہ نہیں مل سکا۔

مولانا آزاد نے فرمایا تھا...... کہ افسوس ہے کہ زمانہ میرے دماغ سے کام لینے کا کوئی سامان نہ کر سکا۔ غالب کو تو صرف اپنی ایک شاعری کا رونا تھا معلوم نہیں میرے ساتھ قبر میں کیا کیا چیزیں جائیں گی۔

اگر چہ مولانا کے کچھ تفردات ہیں میں اس سے متفق نہیں لیکن اس سے قطع نظر بہر حال اب بھی وقت ہے تحقیقی ذوق رکھنے والے علماء آگے بڑھیں۔ مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کا باب علمی ان کے لئے کھلا ہے۔ جس خلوص محنت محبت اور شفقت سے لوگوں کو وہ مسائل سمجھاتے ہیں اس کی مثال لانا محال ہے۔ اس وقت وہ عالم پیری میں ہیں۔ عمر عزیز کی 69 بہاریں دیکھ چکے ہیں جوانوں سے بڑھ کر عزم وہمت سے کام کرتے ہیں اور تعصب سے بالاتر ہو کر اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وسلامتی سے رکھے اور وہ دعوت دین اور وحدت امت کا کام اسی طرح کرتے رہیں۔ میں شکر گزار ہوں برادرم مکرم محترم محمد یٰسین صاحب کا کہ انہوں نے مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کے خطبات کے سلسلے میں مولانا حفظہ اللہ کا تعارف لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔ اسی طرح شفیق صاحب اور مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کے صاحب زادہ گرامی قدر میاں محمد جعفر صاحب کا کہ انہوں نے حوصلہ افزائی کی اور نیک دعاؤں سے نواز! اللہ ہم سب کا حامی ناصر ہو۔

والسلام محمد رمضان یوسف سلفی

10-9-2004

وجود باری تعالیٰ

اس دنیا میں انسان کے لئے سوچنے اور غور وفکر کے لئے بہت سے مسائل ہیں مگر ان میں سب سے اہم مسئلہ جس کو حل کئے بغیر زندگی کی گاڑی درست سمت کی طرف نہیں چل سکتی وہ وجود باری تعالیٰ کے بارے میں فیصلہ ہے (اللہ تعالیٰ ہے یا نہیں ہے؟)

اس کا فیصلہ ہر شخص کو کرنا پڑتا ہے خواہ وہ دہریہ ہے یا کسی مذہب کو ماننے والا ہے۔ جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں ان کا طرز عمل اللہ کو نہ ماننے والے لوگوں سے بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں وہ حدود وقیود کے پابند ہوتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کے منکر ہیں وہ مطلق العنانی کی زندگی گزارتے ہیں۔ پچھلے زمانے میں لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختلف لوگوں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ وہ دیوی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا مقرب جان کر انہیں خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے۔ مگر الحاد ان لوگوں کے ذہنوں میں نہیں آیا تھا۔ الحاد اور دہریت موجودہ دور کی ایجاد ہے۔ یہ باقاعدہ دین بن گیا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں آ گئی تھی۔ نہ اس کا کوئی خالق ہے اور نہ ہی مالک۔ مرنے کے بعد انسان ختم ہو جاتا ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سب سے افضل عبادت اللہ تعالیٰ کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے۔ جس میں تفکر نہیں وہ انسان کہلانے کا حق دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے ثبوت دینا ایسے ہی ہے جیسے سورج نصف النہار پر ہو اور کسی کو دلائل سے قائل کرنا پڑے کہ سورج ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

خضر کیوں کر بتائے کیا بتائے
اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے

یہ کتنی احمقانہ بات ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اتنی بڑی کائنات اتفاق سے وجود میں آ گئی ہے۔ اب اس کا انتظام بھی خود بخود ہی چل رہا ہے۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ صفحے پر سیاہی گرائی گئی تھی اس سے خود ہی لفظ اور سطریں بن گئیں۔ خود بخود کسی خاص مضمون میں ڈھل کر معنویت پیدا ہو گئی ہے اور کتاب کی شکل میں ڈھل گئی ہے۔ اس کا کوئی مصنف نہیں۔ کیا ایسا شخص اس لائق ہے کہ اس سے گفتگو کی جائے مولانا غلام رسول اس بارے میں لکھتے ہیں:

جے تجھ صفحہ نظر وچ دسے تے کاتب قلم وگائی

سوہنے حرف کداں بن کاتب دین ضرور صفائی
ہر نقطہ وچ خاص ٹھکانے جڑ گیا کتے ناہیں
جے تجھ خطا نظر وچ ڈسے ضعف تیری بینائی
آپ کراہے پوے نابینا راہے عیب نہ کائی

انسان کو ارد گرد دیکھنے سے پہلے ذرا اپنے اندر جھانک کر دیکھنا چاہئے۔ اسے اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہئے۔ اللہ نے سورۂ انفطار میں انسان کو اسی طرف توجہ دلائی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ○ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ○ فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾

[82/الانفطار:6,8]

''اے انسان تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا جس نے تجھے پیدا کیا۔ تجھے نک سک سے درست کیا۔ تجھے متناسب بنایا اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا۔''

انسان اپنے جسم کے بارے میں غور کرے کہ کیسے نظم سے یہ کام کرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: ''انسانی جسم بذات خود اللہ کی طرف سے ساری مخلوق کے لئے اتمام حجت ہے کہ ایسی پیچیدہ اور اعلیٰ ترین مشینری پیدا کی اور ہر عضو کو اسی جگہ لگایا جہاں اسے ہونا چاہئے تھا۔ دماغ سردار ہے اسے سب سے بلند جگہ پر رکھا۔ اسے خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے دو آنکھیں عطا کیں اور دو کان عطا کئے۔ اس میں ایسے نازک اور پیچیدہ پردے لگائے تاکہ آواز کی شدت سے وہ متاثر نہ ہوں۔ دل کو درمیان میں رکھا تاکہ وہ تمام جسم کو خون سپلائی کر سکے انسانی جسم ایسی کتاب ہے جسے اللہ نے اپنے دست قدرت سے لکھا ہے۔ اس کی بناوٹ خود یہ اعلان کر رہی ہے کہ یہ سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو الل ٹپ بن گئی ہے۔''

اللہ نے سورۃ الذاریات میں فرمایا:

﴿وَفِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [79/الذاریات:21]

تم زمین و آسمان سورج چاند ستاروں کو اگر نہیں دیکھتے اپنے آپ کو دیکھ لو کہ خود تمہارے اندر کتنی نشانیاں ہیں۔ اگر تم دیکھ سکتے ہو کہ تم ماں کے رحم میں ایک قطرہ پانی کی صورت میں گیا تھا مگر جب نکلے تو کیسی صورت میں نکلے۔ پانی کی بوند سے کیسی کیسی حسین صورتیں تخلیق کی ہیں۔

اللہ نے قرآن پاک میں انسان سے چار سوال کئے ہیں:

﴿اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ○ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِىْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ﴾

[56/واقعة:58,62]

''کیا تم نے کبھی غور کیا یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں۔ ہم نے تمہارے درمیان موت کو تقسیم کیا ہے۔ ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور کسی ایسی شکل میں تمہیں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے ہو۔ اپنی پہلی پیدائش کو تو تم جانتے ہو۔ پھر کیوں یاددہانی حاصل نہیں کرتے۔''

اگر انسان سب چیزوں کو چھوڑ کر صرف اپنی پیدائش کے بارے میں غور و فکر کرے کہ وہ کس طرح پیدا ہوا ہے یہ بڑا اہم سوال ہے۔ مرد اپنا نطفہ عورت کے رحم تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ کیڑا اتنا چھوٹا ہے کہ صرف طاقتور خوردبین سے نظر آتا ہے۔ وہ عورت کی رحم کی تاریکیوں میں ایک حقیر سے نسوانی انڈے سے مل کر ایک زندہ خلیہ بن جاتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کا نقطہ آغاز ہے۔ اس نطفہ میں بچہ بننے کی صلاحیت اللہ نے پیدا کی۔ پھر یہ فیصلہ کرنا کہ لڑکا پیدا ہوگا کہ لڑکی، خوبصورت ہوگا یا بدصورت، نیک ہوگا یا بد بیمار اور اپاہج ہوگا یا تندرست اور صحیح الاعضاء۔ اس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس معاملہ میں وہ مجبور ہے۔ اس کے بعد بھی وہ اپنے بنانے والے کے مقابلے میں آزادی اور خود مختاری کا دعویٰ کرے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرے، اس کا انسان کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ نے انسان کو جیسا چاہا پیدا کیا۔ ہر بچے کی الگ صورت بنائی مختلف ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں عطا کیں۔ اس کے بعد انہیں زندہ رکھنے کیلئے سامان پیدا کئے۔ کیا اس کے بعد یہ اللہ کے اختیار سے نکل گیا ہے؟ کہ اپنی من مرضی کرتا پھرے۔ اللہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ ہم نے تمہارے درمیان موت کو تقسیم کیا ہے۔ اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں بادشاہ اور رعایا آقا اور غلام مرد و عورت بوڑھا جوان بچہ سب اس کا ذائقہ چکھتے ہیں۔ اس بات کا علم بھی صرف اسی کو ہے کہ کس کو کتنی مدت اس دنیا میں رہنا ہے۔ کوئی چند لمحے اس دنیا میں گزارتا ہے اور کئی لوگ بڑھاپے میں اس حالت تک پہنچ جاتے ہیں کہ خود موت کی تمنا کرتے ہیں۔

اپنی خوشی آئے نہ اپنی خوشی چلے

اس کے بعد فرمایا کہ تم نے اپنی پہلی پیدائش کو تو جان لیا۔ پہلی دفعہ کسی چیز کو تیار کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ بعد میں جب اس کا نمونہ تیار ہو جائے تو اس کی نقل کرنا آسان ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے بھی یہی مثال دی حالانکہ اس کے لئے تو پہلی دفعہ پیدا کرنا بھی مشکل نہ تھا۔ ایک دفعہ وجود میں آنے کے بعد یہ تصور کرنا کہ دوسری دفعہ پیدا نہیں ہوں گے کتنی احمقانہ بات ہے۔ اللہ خالق اور قادر مطلق ہے۔ وہ ہزار دفعہ مارے پھر زندہ کر دے، اس کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں۔ منکرین قیامت کے پاس اس دلیل کا کوئی جواب نہیں۔ اللہ کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں کہ وہ دوبارہ پیدا کر دے کیونکہ اس کے دائرہ قدرت سے کوئی بھی چیز باہر نہیں ہے۔ اس کی ربوبیت اور حاکمیت کا بھی تقاضا ہے کہ وہ ایسا کرے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ دنیا پیدا کر کے اس نے ایک بالکل بے مقصد کام کیا خالق کائنات سے یہ بات بعید ہے کہ وہ کوئی بے مقصد کام کرے۔

اللہ نے پیدا تو کر دیا اب اسے زندہ رکھنے کا مسئلہ ہے اس کا سامان کہاں سے آئے گا۔

دوسرا سوال اسی بارے میں ہے:

﴿اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ○ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ﴾ [56/واقعة:63,67]

''کیا تم نے اس بات پر غور کیا، اس چیز پر، جو تم بوتے ہو، اس کو تم پروان چڑھاتے ہو یا پروان چڑھانے والے ہم ہیں۔ ہم چاہیں تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیں اور تم باتیں ہی بناتے رہ جاؤ کہ ہم تو تاوان میں پڑے بلکہ ہم بالکل محروم رہ گئے۔''

انسان کی تخلیق کی بعد اس کی بقا کا مسئلہ بہت اہم ہے کہ وہ زندہ رہنے کے لئے روزی کیسے اور کس طرح حاصل کرے۔ اللہ کا دوسرا سوال اسی بارے میں ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اس کی طرف سے ایسا کوئی مطالبہ بھی نہیں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کی وجہ سے جو اسے اپنی مخلوق سے ہے اس کی روزی کا بندوبست بھی کر دیا۔

ان آیات میں اللہ نے روزی کے بارے میں سوال اٹھایا کہ جو بیج تم بوتے ہو ان سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا اس کے اگانے والے ہم ہیں۔ انسانی تخلیق کے بعد وسائل ربوبیت کی

طرف توجہ دلائی جو رب کائنات نے اس کی پرورش کے لئے مہیا کئے، اس میں نہ تو انسانی تدبیر کا کوئی دخل ہے نہ استحقاق۔

اللہ نے قرآن پاک میں اپنی ان نعمتوں کو روز قیامت کے لئے دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان نعمتوں کا بغیر کسی استحقاق کے عطا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک دن ان نعمتوں کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔ جن لوگوں نے نعمتوں کو اپنی تدبیر کا کمال جانا یا اپنا حق سمجھا ان کے لئے وہ روز قیامت استکبار کا سبب ہوں گی۔

فصلیں اگانے میں انسان کا حصہ بس اتنا ہے کہ وہ ہل چلا کر بیج بو دیتا ہے اس کے بعد سارے مراحل قدرت خداوندی سے طے ہوتے ہیں۔ زمین میں روئیدگی کی طاقت اس نے بخشی ہے۔ بیج میں یہ صلاحیت اور طاقت اس نے رکھی کہ وہ حرارت اور رطوبت سے فیض یاب ہو کر دھرتی کا سینہ چاک کر کے باہر نکل سکے۔ وہی ان نازک پودوں کو ڈنٹھلوں کا سہارا دیتا ہے ان کے اندر برگ و بار پیدا کرتا ہے، پھل پھول اور خوشے نکالتا ہے۔

اس سارے عمل میں انسان کا ذرا بھی حصہ نہیں۔ ان فصلوں کو پروان چڑھانے کے لئے وہ آسمان سے مینہ برساتا ہے۔ سورج کے ذریعے سے حرارت بہم پہنچاتا ہے۔ اس کے بعد یہ بھی دیکھئے کہ اس رزق میں کتنا تنوع ہے۔ غلے ہیں پھل اور سبزیاں ہیں خشک میوہ جات اور مصالحے ہیں، صبح جا کر ذرا سبزی اور پھل کی دکانیں دیکھیں کتنی ورائٹی ہے۔ ان کے ذائقے جدا جدا ہیں۔ ان کی تاثیر الگ الگ ہے۔ اور ان کی پیکنگ ملاحظہ کریں۔ کیسی خوبصورت اور ان کی ضرورت کے عین مطابق ہے ناریل کی ساخت دیکھیں اس کا پھل بہت بلندی پر ہوتا ہے اسے بہت سخت چھلکے میں محفوظ کیا۔ انار میں رس ہوتا ہے اسے محفوظ رکھنے کا کیسا اعلیٰ انتظام کیا۔ پھول کو دیکھیں وہ کیسی کیسی صورتیں بدلتا ہے۔

گاہے بہ برگِ لالہ نویسد پیامِ خویش
گاہے درونِ سینۂ مرغاں بہ ہاؤ ہوست

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: پھول کی پتیوں پر مالک کائنات کا پیغام لکھا ہوا ہے کہ میں ہوں پرندے کی چہچہاہٹ! سنو: ان کے سینے میں وہی نغمہ سنج ہے۔

بیج بویا کھیتی پک کر تیار ہو گئی۔ کیا ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کھیتی کو کاٹ کر اپنے استعمال میں لا سکیں۔ ہم یہاں بھی بے بس اور بے اختیار ہیں۔ کتنی ہی فصلیں سیلاب اور ژالہ

باری کی نظر ہو جاتی ہیں۔ کسی نیک آدمی نے کیا خوب بات کہی ہے:

پکی کھیتی دیکھ کے مت گربھے کرسان
چولھا چکھڑ بہت ہے گھر آوے تے جان

اللہ نے سورۂ قلم میں باغ والوں کی تمثیل بیان کی ہے جس سے اس صورت حال کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے۔ ہم نے ان کو اس طرح آزمائش میں ڈالا جس طرح باغ والوں کو آزمائش میں ڈالا جب انہوں نے قسم کھائی کہ کل صبح سویرے وہ اپنے باغ کے پھل ضرور ہی توڑ لیں گے اور اس میں کچھ بھی نہیں چھوڑیں گے۔ وہ ابھی سوئے ہی پڑے تھے کہ تمہارے رب کی طرف سے باغ پر ایسی گردش آئی کہ وہ ایسا ہو گیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اگر پھل توڑنا ہے تو سویرے سویرے کھیتوں پر پہنچو۔ وہ چلتے ہوئے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے کہ آج تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے۔ وہ کوشش کر کے سویرے جا پہنچے گویا کھیتی پر قادر ہیں۔ جب باغ دیکھا تو ویران تھا۔ کہنے لگے ہم راستہ بھول گئے ہیں بلکہ ہم تو بالکل ہی محروم رہ گئے ہیں۔"

اس کے بعد اللہ تیسرا سوال کرتا ہے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ○ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ﴾

[56/واقعہ:68,70]

"کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ جو پانی تم پیتے ہو اسے تم نے بادلوں سے برسایا یا اس کے برسانے والے ہم ہیں۔ ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں۔ پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے۔"

اللہ نے سوالات کی ترتیب بڑی منطقی رکھی ہے۔ پہلے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا اس کے سامان رزق کا ذکر کیا۔ اب پانی کے بارے میں سوال اٹھایا کہ بھلا تم نے پانی کے بارے میں غور کیا جسے تم پیتے ہو۔ جس سے تمہاری فصلیں سیراب ہوتی ہیں۔ جسے اپنی صفائی کے لئے کام میں لاتے ہو۔ اس کو بادلوں سے تم نے اتارا یا اس کے اتارنے والے ہم ہیں۔ یعنی یہ ہماری ہی قدرت اور حکمت ہے کہ سمندر کے کھاری پانی کو بھاپ بنا کر اڑاتے ہیں پھر اسے صاف اور شیریں بنا کر برسا دیتے ہیں۔ بادلوں کو یہ قدرت کس نے دی کہ وہ پانی برسا دے۔

یہ اللہ ہی ہے جس نے سمندر بنائے۔ سورج بنایا جس کی حرارت سے سمندر کا پانی بخارات کی شکل میں اوپر جاتا ہے۔ بادل بنائے ان کو فضا میں اڑایا پھر سازگار ہوائیں چلائیں جو ان بادلوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں۔ اور ایسا نظام بنایا کہ سمندر کے کڑوے پانی میں جو نمکیات ہیں انہیں فلٹر کر دیا جاتا ہے۔ اگر وہ بھی اس میں شامل ہو کر کسی جگہ برسا دی جائیں تو نہ صرف پانی کھاری ہو جائے بلکہ زمین بھی سخت اور بنجر ہو جائے۔

اتنی نعمتوں سے فیض یاب ہو کر بھی اگر انسان اپنے مالک کا شکر ادا نہ کرے اور اس کے نام کی تسبیح نہ جپے اور اس کے ساتھ غیروں کو شریک کرے! تو کتنی احسان فراموشی ہے؟

ارشاد خداوندی ہے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ○ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَا اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ○ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ﴾

"کبھی تم نے خیال کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو اس کا درخت تم نے پیدا کیا یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور حاجت مندوں کے لئے سامان زیست بنایا ہے۔" [56/واقعة:71,73]

رزق اور پانی کے بعد اللہ نے آگ کے بارے میں سوال کیا کہ اگر آگ نہ ہوتی تو تم کھانے کیسے پکاتے؟ روشنی کیسے حاصل کرتے؟ اپنے جسم کو حرارت کیسے پہنچاتے؟ یہاں اللہ نے ذکر کیا کہ جس درخت سے تم آگ جلاتے ہو وہ تم نے پیدا کیا یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آگ جلانے کے لئے جو ایندھن ہمیں درکار ہے اسے درختوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جب دیا سلائی ایجاد نہیں ہوئی تھی تو مسافر راستے میں دو درختوں کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑ کر آگ جلاتے تھے ان درختوں کو مرخ اور عفار کہتے ہیں، ان درختوں کو بھی اللہ نے پیدا کیا ان سبز ٹہنیوں میں آگ بھڑکانے کی صلاحیت بھی اللہ نے رکھی۔

یہاں اللہ نے فرمایا: کہ اسے یاد دہانی کا ذریعہ بنایا۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انسان کو یہ احساس دلایا کہ اگر آگ نہ ہوتی تو تمہاری زندگی حیوانوں کی طرح ہوتی۔ تم انہی کی طرح کچی غذائیں کھاتے۔ بعد میں انسان نے جو ترقی کی وہ بھی آگ کی بدولت ہے۔ لوہے اور مختلف

دھاتوں کو پگھلا کر جو اتنی ایجادیں کیں وہ بھی آگ کے بغیر ممکن نہ تھا۔

یہاں ایک نکتہ بھی ہے دوزخ کے بارے میں اللہ نے فرمایا: کہ اس میں آگ ہوگی اور زقوم کے درخت بھی ہوں گے۔ کفار نے اس کا مذاق اڑایا کہ آگ میں درخت کیسے اگ سکتے ہیں۔ اللہ مرخ اور عفار کی ٹہنیوں میں یہ صلاحیت پیدا کر سکتا ہے کہ اس سے آگ بھڑکائی جا سکے تو اس کی قدرت کاملہ سے یہ بھی بعید نہیں کہ آگ کے درمیان درخت پیدا کر دے۔

آخر میں اللہ نے فرما دیا:

﴿فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ﴾ [56/واقعة:74]

''کہ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرو۔''

یعنی یہ اعلان کرو کہ اللہ تمام عیوب، کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ یہ ہے ورنہ کائنات کا کونسا ذرہ ہے جس میں وہ خود جلوہ گر نہیں ہے۔ وہ اس ساری کائنات کو خود چلا رہا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

ایک نقطے کی بات ہے کہ جتنی کوئی چیز اعلیٰ اور لطیف ہوگی وہ نظر نہیں آئے گی۔ کثیف چیزیں نظر آتی ہیں مگر جوں جوں لطیف چیزوں کی طرف نظر کریں وہ مخفی ہوتی جائیں گی جیسے ہوا لطیف ہے نظر نہیں آتی صرف گرد و غبار نظر آتا ہے ہم اسے صرف محسوس کر سکتے ہیں۔ عقل بھی لطیف ہے وہ بھی نظر نہیں آتی۔ آپ کسی دانشور کے پاس برسوں بیٹھے رہیں اس کی عقل کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب وہ بولے گا، اس کی گفتگو سے اس کے علم اور اس کی عقل کا پتہ چلے گا۔ اخلاق اس سے بھی اعلیٰ چیز ہے۔ آپ کسی سے برسوں ملتے رہیں مگر جب آپ کا اس سے کسی معاملہ میں واسطہ پڑے گا تب اس کے اخلاق و کردار کا علم ہوگا۔

ایک شخص کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے گواہی دی کہ یہ شخص بہت نیک ہے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کبھی اس شخص کے ساتھ تم نے سفر کیا؟ اس شخص نے جواب دیا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہ تمہارے پڑوس میں رہتا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کبھی اس کے ساتھ کوئی کاروبار کیا؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے اسے مسجد میں رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھا ہوگا اور اندازہ کر لیا کہ نیک ہے مگر تمہاری رائے خام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاننے کا سب سے مؤثر طریقہ اس کی کائنات کا مطالعہ ہے۔ ہم زمین و آسمان کو دیکھیں، ستاروں کی گردش کا مطالعہ کریں، پہاڑ اور دریا دیکھیں، چرند اور پرند

دیکھیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ مگر یہ آپس میں اس طرح مربوط ہیں کہ انہیں ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے درمیان ایک ایسا ربط اور نظم ہے جسے دیکھنے کے بعد کوئی عقل کا اندھا ہی ہوگا جو یہ بات کہے گا کہ یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے، اس کا کوئی خالق، مالک اور مدبر نہیں ہے۔

ہم اگر کوئی بہت اعلیٰ کتاب پڑھیں تو ہمیں اس کے مصنف کے علم و فضل کا اندازہ ہوتا ہے۔ تاج محل کو دیکھیں تو اس کے معمار کی صناعی کے معترف ہوتے ہیں۔ کوئی بہت بڑی اور اعلیٰ کارکردگی کی حامل مشین دیکھیں تو اس کے بنانے والے کی مہارت کے معترف ہوتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں آثار سے مؤثر پہ استدلال۔ حالانکہ ہم نے نہ تو کتاب کے مصنف کو دیکھا ہوتا ہے اور نہ تاج محل ہمارے سامنے بنایا گیا۔ جس طرح ہم صرف تخلیقات دیکھ کر کتاب کے مصنف اور تاج محل بنانے والے معمار کی صلاحیت کا اندازہ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کائنات میں پوشیدہ ہے۔ اگر کسی کو ایسی محیر العقول اور عظیم کائنات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ نظر نہیں آتا تو اس کی عقل پر ماتم ہی کیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک مثال کے بعد میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ برصغیر کے عظیم حکمران اورنگ زیب عالمگیر کی ایک بیٹی بہت عالمہ اور فاضلہ تھی۔ وہ شاعری بھی کرتی تھی۔ ''مخفی'' اس کا تخلص تھا۔ اس کے کچھ اشعار ایران جا پہنچے۔ شہنشاہ ایران کو وہ اشعار بہت پسند آئے اس نے دریافت کیا کہ یہ شعر کس شاعر کے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ ہندوستان کا کوئی شاعر ہے جس نے یہ شعر کہے ہیں اس نے اورنگ زیب عالمگیر کو پیغام بھیجا کہ جس شاعر نے یہ شعر کہے ہیں اسے ایران بھیجو۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔

اورنگ زیب نے وہ 15 شعار پڑھے تو بہت پریشان ہوا کہ اب کیا کروں۔ اسی پریشانی میں گھر آیا تو بیٹی نے پوچھا: ابا جان آپ اتنے مغموم کیوں ہیں؟ باپ نے جواب دیا: اور شعر کہو! بیٹی نے کہا: کیا بات ہے۔ اورنگ زیب نے تمام قصہ اسے سنایا۔ بیٹی نے کہا: ابا جان! اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ میں اسے ابھی حل کیے دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک شعر لکھ دیا اور باپ سے کہا اسے شہنشاہ ایران کی خدمت میں بھیج دیجیے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

’’جیسے پھول کی خوشبو اس سے الگ کر کے نہیں دیکھی جا سکتی کیونکہ وہ پھول میں پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح میں بھی اپنے کلام میں مخفی ہوں۔ جو مجھے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے وہ میرے کلام میں مجھے دیکھ لے۔‘‘

یہی معاملہ اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں پوشیدہ ہے۔ ہم اسے دیکھ نہیں سکتے کیونکہ اگر نظر آ جائے تو وہ محدود ہو جائے گا۔ اور نہ ہی اس کے مثل کوئی اور چیز ہے کہ مثال کے ذریعے سمجھا دیا جائے۔

اب یہی صورت رہ جاتی ہے کہ ہم اس کی کائنات کو دیکھیں اور غور کریں اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کن خوبیوں اور کمالات کا مالک ہے۔ اگر آنکھوں سے دیکھنا چاہیں گے تو یہ محال اور ناممکن سی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان کے بھی خلاف ہے۔

❁❁❁

توحید

اسلام کی بنیاد دو باتوں پر ہے ① عقائد ② اعمال۔ عقائد سے مراد ایسی باتیں ہیں جو آپ ذہنی طور پر مانتے ہیں اور اعمال سے مراد ایسے افعال ہیں جو عقائد ماننے کے بعد آپ سر انجام دیتے ہیں۔

اعمال دو باتوں پر مشتمل ہیں ① امر ② نہی۔ امر: جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہی: جن کاموں سے منع کیا گیا ہے۔ عقیدے کی جڑ توحید ہے اگر اس میں خلل آ جائے تو دین کی ساری بنیاد ہل جاتی ہے۔ تمام اعمال اور نیکیاں ضائع جاتی ہیں مشرک کو کسی نیکی کا ثواب نہیں ملتا، ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ط وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ [5/المائدہ:72]

’’جان رکھو! جو اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ نے اس پر بہشت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔‘‘

ظالموں نے خدا کی حق تلفی کی۔ وہی تو اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ تمام نعمتوں کا دینے والا وہی ہے۔ ظالموں نے اللہ کا تاج اٹھا کر اس کے عاجز بندوں کے سر پر رکھ دیا۔ ان لوگوں نے یہ ظلم عظیم کیا ہے۔ ایسے لوگوں کی نجات نہیں ہوگی اس لئے توحید، عقیدے کی اصل ہے جیسے جسم کے اندر روح ہوتی ہے۔ روح نکل جائے تو جسم بیکار ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا توحید کو لازم پکڑنا! توحید کی حیثیت دین میں سر کی ہے۔ سر کٹ جائے تو دھڑ رہ جاتا ہے جو مردہ اور بے جان ہے۔ اس طرح توحید کے بغیر عقیدے بے جان ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا﴾

’’اے محمد! ﷺ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود مقرر نہ کر اس وقت تو ہو جائے گا مذمت کیا گیا بے یار و مددگار۔‘‘ [17/بنی اسرائیل:22]

اس کے بعد امر اور نہی کے بہت سے احکامات ہیں کہ والدین سے نیک سلوک کرو، مسکینوں کو حق دو، رشتہ داروں اور ہمسایوں سے نیک سلوک کرو، فضول خرچی مت کرو، اولاد کو مفلسی

کے ڈر سے قتل نہ کرو، زنا اور بے حیائی سے باز آ جاؤ، ناحق کسی کو قتل نہ کرو، یتیموں کے مال ناجائز مت کھاؤ، ماپ تول کو درست رکھو، تکبر نہ کرو وغیرہ۔

اس کے بعد تیئیسویں نمبر آیت سے لے کر اڑتیسویں آیت تک شریعت کے یہ احکامات بیان کئے ہوئے ہیں، اس کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا﴾ [17/بنی اسرائیل:29]

''اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ نہ باندھ لو اور نہ مکمل طور پر کھول دو کہ اس وقت تو بیٹھے رہے گا ملامت کیا گیا تھکا ہوا۔''

آپ نے ملاحظہ کیا کہ پہلے بھی یہی کہا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اس کے بعد تمام شریعت بیان کردی ہے کہ کیا کرنا ہے اور کن کاموں سے رک جانا ہے۔ ان تمام احکامات کے بعد پھر یہی فرمایا: خبردار! اللہ کے ساتھ کسی کو مت شریک ٹھہرانا ورنہ تجھے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے تجھ پر رب کی لعنت برسے گی۔ تجھے دھتکار دیا جائے گا کوئی تمہارا حامی اور مددگار نہیں ہوگا۔

یعنی توحید ایک حصار اور قلعہ ہے جس نے سارے دین کو اپنے اندر سمیٹا ہوا ہے ایسا دائرہ کھینچ دیا کہ توحید سے آغاز کیا۔ شریعت کے تمام احکامات بیان کر کے اسے پھر توحید میں بند کر دیا۔ قرآن پاک کا یہ مقام خصوصی توجہ کا مقتضی ہے جو یہ بتاتا ہے کہ سارے دین کو توحید نے اپنی پناہ میں لیا ہوا ہے۔ اگر عقیدہ توحید میں گڑبڑ ہوگئی تو سب کچھ بیکار ہے تمام اعمال اور نیکیاں ضائع گئیں۔

جس طرح عقائد کی اصل اور جڑ توحید ہے اسی طرح اعمال کی اصل اور جڑ نماز ہے جس نے تمام اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ دیکھئے سورۃ المؤمنون کا آغاز ہوتا ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ○ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ○ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ○﴾ [23/المؤمنون:1,8]

''یقیناً فلاح پائی مومنوں نے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور جو زکوۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے یا جواُن کی ملک ہوتی ہیں کہ (اُن سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (خدا کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔''

ایمان کے بعد پہلا قدم نماز ہے وہ خشوع اور عاجزی سے اپنے رب کے سامنے جھکتے ہیں (اس آیت کے بعد پھر امر اور نہی کے بہت سے احکام ہیں) کہ بے ہودہ باتوں سے بچتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں امانتوں اور اپنے وعدوں کا پاس کرتے ہیں۔

اسکے بعد نویں آیت پھر یہی ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ﴾ [23/المؤمنون:9]

''اور جو لوگ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔''

پہلی آیت سے لے کر نویں آیت تک دائرہ نماز سے شروع ہوا اور نماز پر ختم ہوا۔ غور کریں کہ سورۂ بنی اسرائیل میں توحید سے آغاز ہوا اور تمام احکامات بیان ہوئے اور توحید پہ ختم ہوا۔ اسی طرح سورۃ المؤمنون میں نماز سے آغاز ہوا احکامات بیان ہوئے نماز پہ ختم ہوا۔

اسی طرح سورۃ المعارج کی بائیسویں آیت ہے:

''مگر نماز گزار جو نماز کا التزام کرتے ہیں اور بلاناغہ پڑھتے ہیں۔''

اس کے بعد کی آیتوں میں ان لوگوں کے مزید خصائل بیان کئے ہیں کہ جو اپنے مال میں سے دوسروں پر خرچ کرتے ہیں، روز جزا کو سچ مانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دلوں میں رکھتے ہیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان احکامات کا اختتام بھی اسی بات پر ہوا ہے کہ وہ ''اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں۔''

آپ ان آیات پر غور کریں! توحید اور نماز کی اہمیت اور عظمت آپ پر اجاگر ہوگی۔ توحید ایک شیشہ ہے اگر اس میں بال برابر بھی دراڑ آ گئی تو سارا دین ملیامیٹ ہو جائے گا۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ آپ اس فرمان سے لگائیں جو امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کے نام لکھا تھا۔ جسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا ''میرے نزدیک آپ لوگوں کی سب

سے بڑی ذمہ داری نماز کی پابندی ہے۔ جس شخص نے جس حد تک اس کی پابندی کر لی اس حد تک دین کے بقیہ امور کی محافظت کر لی اور جس نے نماز کو ضائع کر دیا اس نے دوسرے ارکان دین کو بھی بے دردی سے تباہ کیا۔"

جب ان پر قاتلانہ حملہ ہوا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ان کو ہوش آیا تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ مسلمانوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پڑھ لی ہے۔ آپ نے اس وقت فرمایا: کہ جس نے نماز چھوڑی وہ ہم میں سے نہیں۔

یاد رکھیئے کہ دین کے مطابق اسلامی حکومت کی آخری نشانی نماز ہے۔ حکمران زانی ہو، شرابی ہو مگر جب تک اس کی سلطنت میں نماز کا اہتمام موجود ہے اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس وقت تک اس کے خلاف بغاوت نہیں کرنی چاہیئے۔ جس حکومت میں نماز کا نظام ختم ہو جائے وہ حکمران بیشک کلمہ گو ہی ہو اس کی حکومت غیر اسلامی ہے۔ اس کے خلاف بغاوت جائز ہے۔ اسلام بہت بڑا درخت ہے اس کے قوانین اخلاق معاملات عدالت صلح و جنگ حتیٰ کہ ساری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ مگر اس کی جڑیں دو ہیں عقائد اور اعمال، عقائد میں توحید اور اعمال میں نماز کی اہمیت بہت زیادہ ہے جس شخص کی ان دو چیزوں میں خرابی یا کوئی خامی آ گئی اس کا تمام دین برباد اور ضائع ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جامع ترمذی کی روایت ہے کہ آپ صبح فجر سے پہلے دو سنتیں ادا کرتے۔ پہلی رکعت میں ﴿ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور دوسری رکعت میں ﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ تلاوت فرماتے، اسی طرح مغرب کے تین فرضوں کے بعد دو سنت انہی دو سورتوں کے ساتھ ادا کرتے۔ نماز تہجد میں وتروں کی دوسری اور تیسری رکعت میں بھی سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص تلاوت فرماتے۔ آپ نے کعبۃ اللہ کا طواف کیا، اس کے بعد مقام ابراہیم پر دو رکعتیں پڑھیں ان میں بھی یہی دو سورتیں تلاوت فرمائیں۔

جس نے سورۃ الکافرون پڑھی اور سمجھ لی اس نے ایک چوتھائی قرآن پاک سمجھ لیا کیونکہ قرآن پاک میں ایک چوتھائی حصہ اسی مضمون پر مشتمل ہے۔ یہ سورہٗ اس مضمون کا خلاصہ ہے۔ لوگوں نے یہ بات اپنی طرف سے گھڑ لی ہے کہ جس نے اس سورت کو چار دفعہ پڑھ لیا اس نے ایک دفعہ قرآن پاک پڑھ لیا یا ایک قرآن پاک کا ثواب مل گیا، یہ خیال غلط ہے۔ ان لوگوں کے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

توحید کی دو اقسام ہیں پہلی قسم علمی اور خبری ہے جس کا بیان سورۃ الاخلاص میں ہوا ہے۔ دوسری قصدی اور ارادی ہے جس کا بیان سورۃ الکافرون میں ہوا ہے۔ توحید علمی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جاننا، اس کی صفات کا جاننا، اس کے ناموں کا جاننا اور اس کے کاموں کے بارے میں جاننا۔ سب سے پہلے اللہ کی پہچان اور معرفت حاصل کرنا چاہیئے پھر اسے ڈھونڈنا اور اسے خوش کرنا کہ اس کے سوا کوئی نہیں، وہی سپریم ہے۔ اس کے پاس ہی اقتدار حقیقی ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اللہ کے بارے میں علم حاصل کیا جائے یعنی اس کی Defination کی جائے اس کی Defination کے حصول کے لئے سورۃ الاخلاص کا علم حاصل کرنا چاہیئے۔

اس سورہٗ کی شان نزول کے بارے میں جو چند روایتیں بیان کی گئی ان کے مطابق حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: کہ ہمارے سامنے اپنے پروردگار کی تعریف بیان کرو۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، دوسرا یہ کہ عامر بن طفیل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ہمیں کس کی طرف دعوت دیتے ہو؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف! اس نے کہا: کہ اس کے اوصاف بیان کرو کہ وہ کیا ہے کس چیز سے بنا ہے؟۔ [1]

آپ دنیا جہان کا فلسفہ پڑھ لیں علم الکلام کی تمام کتابیں کھنگال ڈالیں جو کچھ آپ اپنے رب کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں وہ سورۃ الاخلاص کی ان چار آیتوں میں موجود ہے۔ اس کا آغاز ﴿ قل هو الله ﴾ سے ہوتا ہے یہ خود ایک خبر ہے کہ اے لوگو! تم پوچھتے ہو کہ کس خدا کو منوانا چاہتے ہو ﴿ هو الله ﴾ وہ اللہ ہے۔

عرب کے جاہلوں کو بھی یہ بات معلوم تھی۔ اگرچہ وہ شرک کرتے تھے مگر اللہ کو وہ جانتے تھے کہ اللہ وہ ذات ہے جس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ کوئی انجام ہوگا۔ وہ ازلی ابدی ہے وہ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس میں ہر اچھی صفت موجود ہے۔ تمام خوبیاں اس کی ذات میں انتہا درجے کی موجود ہیں۔ اس کی کوئی حد نہیں ہے کہ اللہ کی اتنی شان ہے اس سے آگے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پہلے سوال کا یہی جواب دیا میں تمہیں اس اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو تمہارے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کا رب ہے۔ سورۃ الحشر کی آخری تین آیتوں میں یوں بیان ہوا ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر/565

''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بادشاہ حقیقی ہر عیب سے پاک۔ سلامتی امن دینے والا نگہبان، غالب زبردست، بڑائی والا، اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے، وہی اللہ تمام مخلوقات کا خالق، ایجاد و اختراع کرنیوالا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں جتنی چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب اس کی تسبیح بیان کرتی ہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

[59/الحشر :22,23,24]

یہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ اللہ کی عظمت کا صحیح احاطہ کر سکے۔ یہ بھی اللہ کا ہم پر احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنا مکمل تعارف خود ہی کروادیا۔ یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ چند الفاظ میں اتنا کچھ بیان کر دیتا ہے جس کے بیان کرنے کے لئے کتابوں کے ہزاروں صفحے درکار ہیں۔ آپ ذرا مندرجہ بالا تین آیات پر غور کریں اللہ نے ان تین آیات میں کتنا کچھ بیان فرمادیا ہے۔ صدیاں گزر گئیں عالموں نے اس پر کتابوں کے انبار لگا دیئے ہیں مگر اس کی تشریحات ابھی بھی جاری ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا کونسی ایسے خوبی جو اللہ میں موجود ہے جو ان تین آیتوں میں نہیں سمودی گئی، میں سب سے پہلے ''اللہ'' کے بارے میں کچھ عرض کروں گا نیک لوگوں نے اللہ کے کئی معنی لکھے ہیں وہ سب اپنی جگہ درست ہیں مگر میرے اس موضوع سے متعلق نہیں ہیں۔

اسی ہندوستان میں ایک بہت بڑے ولی اللہ گزرے ہیں ان کا نام حضرت فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ تھا ساری عمر چھت کے نیچے نہیں سوئے مبادا نیند کے غلبے کی وجہ سے تہجد کا وقت نہ گزر جائے۔ وہ لوگوں کے سمجھانے کے لئے قرآن پاک کا ہندی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کچھ لوگوں نے کہا: کہ حضرت! اللہ کے کیا معنی ہیں؟ انہوں نے برجستہ جواب دیا: من موہن یعنی ''جو دلوں کو موہ لے''۔

جس طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسی طرح اگر آپ اللہ کی معرفت حاصل کرلیں تو اللہ بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اگر بندے کو اللہ کی پہچان ہو جائے تو وہ واقعتاً من موہن ہے۔ انسان اگر سوچے کونسی خوبی اور کمال ہے جو اس میں موجود نہیں وہ بن مانگے سب کچھ عطا کرتا ہے وہ بغیر بیان کئے سب کی ضرورتیں جانتا ہے۔ جس کو رب کا پتہ چل جاتا ہے اس کے

لئے تمام دنیا کی محبتیں ہیچ ہیں۔ اگر کبھی کوئی ایسا موقعہ آجائے اسے اللہ اور بندے کی محبت میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے اور بندے کی محبت اللہ کی محبت پر غالب آجائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ کی پہچان اور معرفت حاصل نہیں ہوئی۔

اللہ کے بارے میں صحیح علم حاصل کرنا کہ کونسی چیز اس میں تسلیم کرنی ہے اور کس چیز کا انکار کرنا ہے۔ یہ توحید علمی خبری ہے اس کا بیان سورۃ الاخلاص میں ہے۔ اس کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب ہم کیا کریں؟ اب قصد اور ارادہ کرو اور اپنا رخ درست کر کے اسے ڈھونڈنے نکلو! اس کے لئے کوئی نصب العین ہونا چاہئے۔ ''عین'' آنکھ کو کہتے ہیں۔ ''نصب'' اس نشان کو کہتے ہیں: جو دوڑ کے لئے گراؤنڈ کے دوسرے کنارے پر نشان یا پول گاڑ دیا جاتا ہے۔ تمام دوڑ لگانے والوں کی نظر اس نصب شدہ پول کی طرف ہوتی ہے۔ اسے نصب العین کہتے ہیں۔

اسی طرح مومن کی زندگی کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ میں نے اللہ تک پہنچنے کے لئے کونسا راستہ اختیار کرنا ہے کیا مقصد حیات ہونا چاہئے؟ اس کا بیان سورۃ الکافرون میں ہے۔ اسے توحید قصدی اور ارادی کہتے ہیں آپ کو اللہ کی معرفت اور علم حاصل ہو گیا ہے نصب العین کا پتہ چل گیا تو حق یہ ہے کہ بندہ اس کی طرف دوڑ لگا دے۔ اس کے دامن کے ساتھ لپٹ جائے قیامت کے دن جب اس کے دربار میں حاضری ہو تو اللہ کہہ دے: کہ

یہ بندہ دوعالم سے بیگانہ میرے لئے تھا

اس کی زندگی میں بے شمار رکاوٹیں تھیں۔ بیوی بچے، کوٹھیاں کارخانے، جاہ و منصب، لالچ خوف، مگر اس کے پاؤں نہیں ڈگمگائے اس نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا کیونکہ اس کی آنکھوں میں میں سمایا ہوا تھا۔ مومن کی زندگی کا نصب العین اور مقصد حقیقی صرف اور صرف رضائے الٰہی کی تلاش ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے جنت کی نعمتوں کا بیان کیا ہے: کہ اس میں پھل ہوں گے، دودھ اور شہد کی نہریں ہوں گی، نیک بیویاں ہوں گی۔ مگر جو سب سے بڑی نعمت وہاں ہوگی وہ اللہ کی خوشنودی ہوگی کہ اللہ خوش ہو جائے گا کہ میرا بندہ اس امتحان میں پاس ہوا اور لوگوں کے لئے سب سے بڑی سزا اللہ کی ناراضگی ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ اہل جنت کی طرف دیکھے گا اور پوچھے گا کہ کوئی اور چیز تمہیں چاہئے؟ اہل بہشت جواب دیں گے یا اللہ تو نے بن مانگے ہی اتنا کچھ عطا کر دیا ہے ہمیں کچھ اور نہیں چاہئے۔ اللہ فرمائیں گے: کہ میں تمہیں ایک اور چیز دوں گا: علیک

رضوان ’’میں تمہارے لئے اپنی خوشنودی کا اعلان کرتا ہوں‘‘ یہ اہل جنت کے لئے سب سے بڑی عید ہوگی۔ [1]

﴿قل هو الله﴾ کا بیان ہوگیا اس کے بعد ﴿احد﴾ آتا ہے' اللہ کا صحیح علم ہوگیا۔ اب بیان کیا کہ وہ اکیلا ہے یک وتنہا ہے اس کے ساتھ خوبیوں میں اور کوئی بھی شریک نہیں۔

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک عورت کسی ولی اللہ کے پاس گئی اور ان سے کہا کہ حضرت میرا شوہر دوسری شادی کرنا چاہتا ہے۔ اسے اس بات سے منع کیجئے! بزرگ نے جواب دیا: بہن! شریعت میں اسے چار شادیوں کی اجازت ہے میں کیسے منع کرسکتا ہوں: اس عورت نے رو کر کہا: کہ حضرت شریعت اجازت نہیں دیتی ورنہ میں نقاب چہرے سے ہٹا کر دکھاؤں کہ میں کتنی حسین ہوں اور میری جیسی حسین عورت کی موجودگی میں میرا خاوند دوسری بیوی لانا چاہتا ہے میں یہ برداشت نہیں کرسکتی۔ ولی اللہ نے یہ بات سنی تو بے ہوش ہوگئے۔ ہوش میں آئے تو لوگوں نے پوچھا حضرت کیا ہوا تھا؟ انہوں نے کہا کہ اس عورت کو اپنے عارضی حسن پر اتنا ناز ہے کہ وہ دوسری عورت برداشت نہیں کرسکتی تو اللہ جس کا حسن ذاتی حقیقی اور ابدی ہے وہ اپنے ساتھ شریک کیسے برداشت کرسکتا ہے۔

دوسروں کی طرف دیکھنے سے پہلے اس کے حسن میں کوئی کمی نکالیں اس کی خوبیوں میں کوئی کمی دیکھیں تو پھر اس کا شریک تلاش کریں کہ اللہ بخیل ہے اس کے خزانے میں کوئی کمی ہے یا اسے ہماری خبر نہیں ہے۔ حالانکہ وہ ایسا سخی ہے کہ اس کی سخاوت ختم نہیں ہوتی اور ہر وقت جاری رہتی ہے۔ اس کے خزانے اتنے ہیں کہ وہ عطا کرتا جاتا ہے مگر اس میں کمی نہیں ہوتی۔ باخبر اتنا کہ مانگنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی وہ خود ہی تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بے عیب ہے۔ وہ ہر وقت اپنے بندوں پر لطف اور مہربانی کرتا ہے۔ ہم عاجز اور بے بس ہیں۔ ہم اس کی خوبیوں اور صفات کا احاطہ کرہی نہیں سکتے۔ ہمیں اس کی صفات کی وجہ سے تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہے وہ سنتا ہے وہ کلام کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمیں نہ اس کی حیات کا پتہ ہے اور نہ ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کیسے بولتا اور سنتا ہے۔ اللہ کو سمجھنے کے لے اس کی صفات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ استفتاح میں ثنا پڑھا کرتے تھے اور اکثر اسے بلند آواز میں پڑھتے تا کہ لوگوں کو یاد ہوجائے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ترجیح دی کہ مجھے یہی دعا پسند ہے اس کا آغاز یوں ہوا

[1] تفسیر ابن کثیر: 370/2،

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ))

’’اے اللہ تعالیٰ تو پاک ہے تعریف کی سزاوار صرف تیری ہی ذات ہے تیرا نام بابرکت ہے۔‘‘ تعالیٰ: کا مطلب ہے: بہت بلند۔ مگر یہاں تعالیٰ میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بلند ہے، بہت بلند ہے، انتہائی بلند ہے۔

جد کے کئی معنی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے۔ تیری عظمت بہت بلند ہے، اتنی بلند ہے کہ کوئی عقل آج تک اس تک رسائی نہیں حاصل کرسکی اگر اس کی بلندی کی عظمت کا ادراک ہوگیا تو وہ تعالیٰ جدک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوت تخیل دی ہے کہ وہ اپنے خیال میں سو (100) سروں والا آدمی بنا سکتا ہے۔ مگر خدا کا نقشہ بنانا انسانی تخیل کے بس میں بھی نہیں ہے۔

جد کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اس کے خزانے بہت وسیع ہیں وہ جس کو جتنا چاہے دے اس میں کمی نہیں آتی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اگرچہ تمام جن وانس ایک میدان میں اکٹھے ہوجائیں اور ان میں سے ہر کوئی سات آسمان اور ساتوں زمینیں مانگے تو اللہ تعالیٰ انہیں دے سکتا ہے اور اس کے خزانوں میں رائی برابر کمی نہیں آئے گی۔

جد کے تیسرا معنی یہ ہے کہ وہ اس سے بلند ہے کہ اپنے ساتھ کوئی معین اور مددگار رکھے۔ حکومت چلانے کے لئے اسے کسی نائب اور مددگار کی ضرورت نہیں یہ باطل تصور ہے کہ اس کے مددگار میکائیل اور جبرائیل علیہما السلام ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تہجد میں ایک دعا پڑھتے تھے: ’’اے اللہ! میکائیل، اسرافیل اور جبرائیل علیہم السلام جیسے تیرے نوکر ہیں اور تیرے حکم سے ایک جگہ سے دوسری جگہ دوڑتے پھرتے ہیں۔

صُمٌّ بُکْمٌ رہن فرشتے کس طاقت دم مارے
اس دے درتے عاجز ہو ڈھیندے بزرگ سارے

جن لوگوں نے اللہ کو پہچان لیا وہی ولی اللہ بنے۔ جب قیامت کے روز ان اولیاء کا اللہ تعالیٰ سے سامنا ہوگا تو وہ خود دہائی دیں گے: اے اللہ! ہم بریٔ الذمہ ہیں اس بات سے کہ لوگوں نے ہمیں تیرے ساتھ شریک کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ کیا تم نے لوگوں کو حکم دیا تھا کہ تجھے اور تیری ماں کو اللہ کا شریک بنائیں تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یا اللہ تو بے عیب اور پاک ہے میں یہ جرأت کیسے کرسکتا ہوں۔

''برکت'' بڑھوتری کو کہتے ہیں۔ صرف برکت والا نہیں کہا بلکہ تبارک کہا یہ بھی مبالغے
صیغہ ہے۔ تمہارے نام کی برکت کی کوئی حد نہیں ہے، اے مالک تیری صفات لازوال ہیں۔ کبھی کو
ایسا وقت نہیں آیا کہ تیرے پاس علم برکت اور قدرت نہیں تھی اللہ جل جلالہ کی یہ صفات دائمی اور ابدی ہیں او
دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ تمام صفات خیر کی ہیں ان میں کوئی بھی بری نہیں ہے سب خیر بھلائی اور خلق
خدا کی بہتری کے لئے ہیں۔

ہاں! تو بات توحید علمی کی ہو رہی تھی۔ اگر رب کو پہچاننے میں غلطی لگی تو دین تباہ ہو گیا۔ مثا
ہم نے غفور رحیم کا مفہوم غلط سمجھ لیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے نیک اور بد سب کو معاف کر دینا ہے اسی وجہ سے
تمام قوم کرپٹ ہو گئی ہے۔ اس تصور سے اللہ جل جلالہ کی صفت عدل کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ عادل ہے۔
جس نے سوئی کے ناکے کے برابر بھی کسی پر ظلم کیا ہو گا اللہ جل جلالہ اس سے بدلہ لے گا۔ سب سے پہلے علم
درست کرو، ﴿ قل هو الله ﴾ کو صحیح سمجھو! پھر ذہن اور دل کا رخ خدا کی طرف کر لو۔

اللہ الصمد: صمد کی مفسرین نے متعدد تفسیریں کی ہیں۔ مگر ان میں دو زیادہ مشہور ہیں۔ ایک ی
ہے کہ صمد اس چیز کو کہتے ہیں جس میں کھوکھلا پن نہ ہو جو کھائے نہ پیئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ صمد اس
چیز کو کہتے ہیں جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکل سکے۔ یہ کفار کے اس سوال کا جواب تھا جس میں
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا کہ اپنے رب کا نسب نامہ بتاؤ؟ اس کے جواب میں اللہ
نے فرمایا: کہ وہ اس سے بے نیاز ہے کہ اس کے کوئی بیٹا یا بیٹی ہو اور نہ کسی اور نے اسے جنا کیونکہ جو چیز
کسی سے پیدا ہوتی ہے اس پر موت لازم ہے اور اللہ جل جلالہ نہ مرتا ہے نہ اس کا کوئی وارث ہے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس کی طرف لوگ اپنی حاجتیں لے کر
جائیں۔ جس کی سرداری کامل ہو۔ جس کی سیادت انتہا تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس سے کوئی دوسرا برتر
نہ ہو۔ مخلوق میں کوئی دوسرا شخص اس کی برابری نہ کر سکے۔ جس کی طرف لوگ آرزوئیں لے کر
جائیں اور مصیبتوں کے وقت اس سے فریاد کریں۔ جو ہر ایک سے بے نیاز ہو اور ہر شخص اس کا
محتاج ہو۔ جو اپنے سارے افعال وصفات میں کامل ہو۔ جس میں کوئی عیب نہ ہو جس کی صفات
دوسروں سے نرالی ہوں۔

ہر چیز کا صمود (قصد) اس کی طرف ہو۔ صمد کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جو اپنی مخلوقات
کے بعد بھی باقی رہے جو دائم ہو اور اسے فنا لاحق نہ ہو۔ جس کے احکام و افعال کسی دوسرے شخص کی
مرضی اور ارادے کے تابع نہ ہوں جس کے حکم پر کوئی نظر ثانی نہ کر سکے۔ صمد وہ ذات ہے جو بننے

اور بگڑنے سے بالا ہو۔ صمد اس ذات ازلی کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی ابتداء نہ ہو جو اول ہے، عدد سے پاک ہے اس کی بقا کی کوئی انتہا نہیں جو کسی ستون اور سہارے کے بغیر قائم ہے۔

صمد وہ ذات ہے جس کے ادراک اور احاطہ سے آنکھیں قاصر ہوں، جس پر افکار و خیالات حاوی نہ ہوں، جس کی وسعت اقطار و اطراف کی قیود سے آزاد ہو، جس کے پاس ہر چیز کا اندازہ اور حساب موجود ہو۔ صمد وہ ذات ہے جو مصوروں کی صورت گری سے بالاتر ہو۔ صمد اس ہستی کا نام جس کی کیفیت معلوم کرنے سے عقلیں مایوس ہو جائیں، جس کے اوصاف کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے نہ زبان اس کے بیان پر قادر ہو اور نہ عقل اس کی طرف اشارہ کر سکے، جس کے متعلق اس کی مخلوق کو نام اور صفت کے سوا کوئی علم نہ ہو۔ صمدیت ایسا کمال ثابت کرتی ہے جو نقائص کے منافی ہے۔

احدیت اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ کمال صرف اللہ جل جلالہ کو حاصل ہے۔ اللہ جل جلالہ نے اپنے آپ کو اس بات سے منزہ قرار دیا کہ اس سے کوئی اولاد پیدا ہو۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا ہے یہ سورت کفار اور یہود کے کئی سوالات کے جواب میں نازل ہوئی۔ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اپنے پروردگار کی تعریف بیان کرو: عامر بن طفیل نے پوچھا؟ کہ تمہارے اللہ کے کیا اوصاف ہیں اور وہ کس چیز سے بنا ہے۔

یہود نے کہا کہ خدا کی کون سی جنس ہے۔ دنیا اسے کس کے ورثہ میں ملی اور وہ کس چیز مثلاً سونے چاندی یا لوہے سے بنا ہے۔ کیا وہ کھاتا پیتا ہے اور اس کا وارث کون ہو گا؟ اللہ جل جلالہ نے اس پر سورۃ الاخلاص نازل کی اور چار آیتوں میں ان کے تمام سوالوں کا جواب دے دیا۔ بلکہ لفظ صمد میں ہی ان کے تمام سوالوں کا جواب موجود ہے کہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ وہ کسی سے نکلا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث ہو گا اور تمام کمال اس میں بدرجہ اتم موجود ہیں وہ ازلی اور ابدی ہے اسے فنا لاحق نہیں ہے۔

﴿ قل هو الله ﴾ کے ذریعے اپنا علم اور عقیدہ درست کریں۔ اب ہم نے یہ سوچنا ہے کہ توحید ہم سے کیا مطالبہ اور تقاضا کرتی ہے۔ اس کے لئے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہئے کہ انہوں نے اللہ جل جلالہ کو واحد مانا اور وہ ایک طرف کا ہو گیا تو اس سے دنیا میں کیا سلوک ہوا؟ اور اللہ جل جلالہ نے اسے کیا کمال درجہ عطا کیا۔ ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے۔ ان کا باپ آزر نمرود کے دور حکومت میں پروہت (پوپ) کے مرتبے پر فائز تھا۔ سلطنت میں تمام مذہبی فرائض کی انجام دہی اس کے ذریعے ہوتی تھی اور یہ گدی ابراہیم علیہ السلام کی منتظر تھی۔ مگر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم سے کہا کہ میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم پوجتے ہو۔ میں تمہاری بات نہیں

مانتا۔ میرے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور نفرت پیدا ہوگئی تا آنکہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آ ؤ۔ انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور تم جنہیں پکارتے ہو کیا وہ تمہاری سنتے ہیں اور کیا تمہیں کوئی نفع اور نقصان پہنچاتے ہیں۔ قوم نے جواب دیا کہ نہیں مگر ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا۔

ہمیشہ تمام گمراہ لوگوں نے یہی جواب دیا ہے۔ اب بھی راہ سے بھٹکے ہوئے یہی کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسے ہی کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، بارشیں برساتا ہے، اس نے مجھے صحیح راہ دکھائی ہے، وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے، میں بیمار ہو جاؤں تو وہی شفا دیتا ہے، وہی مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اس اعلان توحید کے بعد قوم ان کی دشمن ہوگئی اور انہیں آگ میں پھینک دیا جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھنڈی ہوگئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ابراہیم (علیہ السلام) اپنے پروردگار کے پاس بے روگ دل لے کر آیا اور یہ دل شرک سے پاک تھا۔ اسی جرم میں انہیں جلاوطن کر دیا گیا وہاں سے مصر چلے گئے۔

بڑھاپے میں اولاد ملی تو اللہ نے حکم دیا کہ بیٹے اور بیوی کو مکہ کے بیابان میں چھوڑ آ ؤ! اس خلیل نے اس حکم کی بھی تعمیل کر دی۔ حکم ہوا کہ بیٹے کو ذبح کر دو! بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اس وقت اللہ نے انہیں خلیل قرار دیا جو کسی اور بندے کو نہیں کہا: ابراہیم علیہ السلام اس مقام تک اس لئے پہنچے کہ انہوں نے ساری دنیا کو جواب دے کر اپنا حنیف ہونا ثابت کر دیا کہ میں ہر ایک سے کٹ چکا ہوں اور میں سب سے منہ موڑ کر ایک کا ہو گیا ہوں۔

جب باپ بیٹے نے اللہ پاک کا گھر تعمیر کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا اس گھر کو پاک رکھنا! پاک سے مراد یہی کہ اسے شرک سے پاک رکھنا! لوگوں کو حکم دیا گیا: کہ اس گھر کی طرف آ ؤ! اس کی زیارت اور طواف کرو! مگر ایسے لوگ اس گھر میں نہ آئیں جنہوں نے کسی دوسرے سے بھی آس اور امید لگا رکھی ہو اور ان کے بارے میں فرمایا: کہ اس گھر میں آنے والے میرے مہمان ہیں اور میں ان کا دامن بھر دوں گا۔

کعبہ کیا ہے؟ یہ دوڑ کیلئے ایک نشان ہے کہ تمام مسلمان اس کی طرف دوڑیں ہر مومن کی تار خانہ کعبہ سے جڑی ہو۔ جو لوگ یہاں تک نہیں پہنچ سکتے ان کو حکم دیا کہ تم نمازوں میں اپنا رخ اس گھر کی طرف کر لو! کعبہ عشق و محبت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سے محبت کرنے والوں کیلئے ایک نشان مقرر کر دیا ہے کہ میں خود تو تمہیں نظر نہیں آ سکتا تم میری نشانی اور علامت کے گرد

گھوم کر مجھے تلاش کرو اپنے محبوب کو تلاش کرنے والا وہاں دیوانہ وار صدا دیتا ہے: لبیک اللھم لبیک پہلے ذرا لبیک کے معنیٰ پر غور کریں۔ ''جو ماں اپنے بچوں کے ساتھ بہت محبت کرے'' اسے لَبَّۃٌ کہتے ہیں تلبیہ پکارنے والا یہ دہائی دیتا ہے مولا! مجھے تیرے ساتھ پیار ہے۔ میرے دل میں تیرے سوا کسی کی محبت نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے کہا تھا کہ وہ رب کے پاس بے روگ دل لے کر آیا۔ اس لئے ہر زائر کو چاہئے کہ جب وہ خانہ خدا میں حاضر ہو تو اس کا دل تمام آلائشوں سے اور تمام دنیاوی خداؤں سے پاک ہو اور وہ وہاں گلیوں میں بازاروں میں پہاڑوں اور میدانوں میں دیوانہ وار دہائی دے۔ یا اللہ میں تیری محبت میں سوختہ جان ہوں۔ کعبہ لوگوں کے سجدوں کا گواہ ہے میدان عرفات لوگوں کے آنسوؤں کا گواہ ہے۔ مولانا نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نہ پوچھو اہل موقف ہم سے دیوانوں کی بے تابی
یہاں مجمع سنا یاں بھی تلاش یار میں آئے

موقِف عرفات کو کہتے ہیں شاعر کہتا ہے کہ اہل عرفات مجھ سے پوچھتے ہیں کہ بھائی تو بہت رو رہا ہے تیرا کیا گم ہو گیا ہے وہ جواب میں کہتا ہے پتہ چلا ہے کہ یار نے یہاں محفل لگا رکھی ہے ہم اسی کی تلاش میں آئے ہیں۔

اگر بخشے زہے قسمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اگر نہ بخشا جاؤں تو میرے گناہوں کی یہی سزا ہے اس کا میں گلہ نہیں کرتا۔ اگر بخش دے تو اللہ کی رحمت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ جس اللہ کو تم مانتے ہو اگر اس کی طرف سے کوئی آزمائش اور تکلیف آئے تو اس پر صبر کرے، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت کی آزمائش سمجھے۔

اپنے دور کے بہت بڑے ولی ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے دیوانہ قرار دے کر جیل میں بھیج دیا کچھ دوست ملاقات کے لئے آئے تو شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی طرف پتھر پھینکنے شروع کر دیئے وہ لوگ گھبرا کر دور چلے گئے تو فرمایا: آپ لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: کہ آپ کے دوست! تو فرمایا: کہ کبھی دوست بھی دوست کی مار سے بھاگتا ہے؟ جو بھاگ گیا وہ دوست نہیں! اسی طرح جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش سے گھبرا جائے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ حالات کیسے بھی ہوں آواز حق

بلند کرنی ہے۔ بے شک اسی اعلان حق پر آگ میں پھینکا جائے یا سر کٹوانا پڑے اس سے پیچھے نہیں ہٹنا۔ اگر اس میں ثابت قدم رہا تو اللہ پکار اٹھے گا کہ بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک امت تھا وہ اللہ کا فرمانبردار اور حنیف (ایک طرف کا) تھا اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے حصہ دیا اور ان کا ذکر خیر بلند کیا، اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی توفیق عنایت فرمائے، آمین

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لاالہ الااللہ
صنم کدہ ہے جہاں اور مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

تعلق باللہ

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾

[35/فاطر: 15]

"اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اللہ بے پروا لائق حمد وثنا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جو انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے اور جو کتابیں ان پر نازل فرمائیں اگر ان تعلیمات پر غور کیا جائے تو ان میں ایک ہی سبق ملتا ہے کہ وہ اس لئے اس دنیا میں تشریف لائے کہ عبد اور معبود کے رشتے کو مضبوط کیا جائے۔ یعنی بندے کو اللہ تعالیٰ سے جوڑ دیا جائے۔

ماضی بعید میں تو اس طرح کے بہت کم لوگ گزرے ہیں جو وجود باری تعالیٰ کے منکر تھے۔ لیکن اس دور میں الحاد اور بے دینی بہت زور پکڑ گئی ہے پڑھے لکھے لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں۔ اسے علم قرار دیا گیا ہے اس پر کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔

قدیم زمانے میں یونانی فلسفی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ دنیا اللہ تعالیٰ نے ہی بنائی ہے مگر اب اس کا انتظام خود بخود چل رہا ہے اس دور میں بھی کچھ سائنسدان ان کے مؤقف کے حامی ہیں کہ دنیا اللہ تعالیٰ کے بغیر پیدا تو نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ نے دنیا بنا کر کچھ قواعد وضوابط اس پر لاگو کر دیئے ہیں اب دنیا کا تمام کام انہی قوانین کے مطابق چل رہا ہے جو شخص کوئی کام کرتا ہے اس کے مطابق اس کا نتیجہ نکلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس نظام میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی۔ مثلاً اس نے دوا میں اثر رکھ دیا ہے جو اس دوا کو کھائے گا اس کے مطابق اس کا نتیجہ نکلے گا، یہ ان شاء اللہ وغیرہ کہنے کا کیا فائدہ ہے۔ دوا میں جو تاثیر رکھ دی ہے وہ اس کے مطابق اپنا عمل کرے گی۔ اگر ذہن میں یہ بات موجود ہو تو وہاں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بے معنی سی چیز بن جاتا ہے۔

دوسری طرف کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کا ذہن شرک سے آلودہ ہو گیا ہے ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ نے دنیا بنا کر اس کے مختلف شعبے بنا دیئے ہیں اور یہ محکمے اس نے اپنے مقربین اور پیاروں میں تقسیم کر دیئے ہیں اب وہ اپنا اپنا نظام کار چلا رہے ہیں جن لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ جائے پھر وہ اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔

کیونکہ ان کے خیال میں ان کے کام پیر فقیر کر رہے ہیں یہ لوگ مزاروں پر جاتے ہیں ان کی نیازیں پکاتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ صدر مملکت سے ہمارا کیا کام ہے ہمارے لئے تو اس نے

ڈی ،سی اور اے ،سی وغیرہ نامزد کئے ہوئے ہیں۔ ہمارا ان سے رابطہ ہے وہ خود ہی ہماری درخواستیں صدر یا وزیراعظم کے پاس پیش کردیتے ہیں، معاذ اللہ۔

شرک ایسا غلط عقیدہ ہے یہ بندے کو اپنے رب سے توڑ دیتا ہے انبیاء کرام کا اصل کام ہی یہ تھا کہ انہوں نے لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کرائی کہ اللہ صرف اس دنیا کا خالق ہی نہیں ہے بلکہ

﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾

''آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کا انتظام وہ خود اپنے ہاتھ سے کرتا ہے۔''

تمام مخلوقات پر اس کی نظر ہے ایک ذرہ بھی اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔

دوسری طرف شرک کی جڑ کاٹنے کے لئے فرمایا ﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا﴾ دنیا کی حکومت اور انتظام کار چلانے کے لئے اس نے کسی کو اپنا شریک نہیں بنایا ﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ اکیلے ہی نے اس کو بنایا ہے اور وہی اس کو چلا رہا ہے اگر یہ بات انسان کے ذہن نشین ہو جائے تو پھر بندہ پوری طرح اپنے رب کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے، پھر وہ ہر لمحے اپنے رب کو یاد کرتا ہے اس کی منت سماجت کرتا ہے بندہ اللہ کے سامنے کس حد تک بے بس ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل واقعہ ہی کافی ہے۔ یہ ایسی ہستی کا واقعہ ہے جس سے بہتر اللہ نے کوئی بنایا تھا اور نہ ہی کبھی بنائے گا۔

یہ رسول ﷺ کا واقعہ ہے۔ جب مشرکین مکہ مدینہ میں یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ہم ان پڑھ لوگ ہیں ہمارے درمیان ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کوئی ایسی باتیں بتاؤ جن کے ذریعے ہم اس کے دعوے کو پرکھ سکیں۔ یہودی علماء نے کہا کہ یہ تین باتیں ہم تمہیں بتا دیتے ہیں جن کا ہمارے علاوہ کسی اور کو علم نہیں ہے۔ تم ان کے بارے میں دریافت کرو کہ اصحاب کہف (یعنی غار والے) کون تھے، ذوالقرنین کون تھا، موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ کیا تھا ؟ اگر ان تینوں باتوں کا اس نے جواب دے دیا تو وہ سچا نبی ہوگا ورنہ نہیں۔

مشرکین مکہ نے واپس آکر یہ سوال رسول ﷺ کے سامنے پیش کئے، آپ نے فرمایا کہ میں کل ان سوالوں کا جواب دوں گا! آپ نے ان شاء اللہ نہیں کہا، کئی دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ کفار استہزاء اور مذاق اڑانے لگے کہ بس اتنی ہی نبوت تھی ؟ رسول ﷺ بھی بہت پریشان ہوئے، اللہ کے حضور دعائیں کرتے۔ آخر کار کئی دن بعد وحی نازل ہوئی جن میں ان

کے سوالوں کے جواب بھی دیئے۔ مگر اس سے پہلے یہ تنبیہ کی، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

[18/الکہف :23,24]

''خبردار! کبھی اپنی زبان سے یہ نہ کہنا کہ میں کل یہ کروں گا کیا پتہ کل کیا ہونا ہے؟ ساتھ یہ کہا کرو: کہ اگر اللہ کی مرضی ہوئی'' [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے کہہ دیا کہ تمہارا اور اللہ کا تعلق غنی اور فقیر کا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے یہ تعلق ہر لمحے اور ہر گھڑی کا ہے۔ ہم کسی وقت بھی یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ اب ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں جس نے یہ سمجھ لیا، وہ کافر ہوگیا۔ خواہ کتنی بھی بلندی پر پہنچ جائے:

﴿اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ تم اللہ کے فقیر ہو، یہ داغ ختم نہیں ہوگا۔

ایک پنڈت نے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ ہمیں الزام دیتے ہو کہ ہم رام اور کرشن کو اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ تم لوگ بھی تو محمد ﷺ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان کرتے ہو۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ کرشن نے خود لکھا ہے کہ زمین آسمان اس نے بنائے ہیں جب کہ محمد ﷺ کے بارے میں ہمارا خیال یہ ہے: کہ

اے برادر محمد (ﷺ) بہ آں علوِ شان بشر بود

و بہ داغِ حدوث و امکان متّسِم

''رسول ﷺ اتنی اونچی شان کے باوجود انسان تھے حادث وممکن اور بشر ہونے کا داغ آپ ﷺ پر بھی لگا ہوا ہے اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے:

﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾

''تمہارا رب جب چاہے تم سب کو مٹا دے اور تمہاری جگہ نئی مخلوق لے آئے۔''

تم ہر حال میں اللہ کے محتاج ہو۔ اس کی رحمت اور علم کے بغیر تم ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتے ﴿وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ صرف اللہ ہی غنی اور حمد کے لائق ہے اس کے علاوہ کوئی غنی نہیں ہے وہ اسی لئے غنی ہے کہ اس کی کوئی صفت عطائی نہیں ہے اس کا علم اپنا ہے اس کی قدرت اپنی ہے اور یہ صفات کسی بھی لمحے اس سے جدا نہیں ہوسکتیں اور انسانوں کو جب چاہتا ہے دے دیتا ہے اور

[1] تفسیر ابن کثیر: 78/3،

جب چاہتا ہے واپس لے لیتا ہے۔

کونسا عالم ہے جو یہ نہیں مانتا کہ رسول ﷺ کو نسیان ہوسکتا ہے اس دنیا میں کئی واقعات ہیں کہ آپ ﷺ کئی باتیں بھول گئے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایک غلام رسول ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ کی بیعت کر لی۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں:

"عن جابر قال جاء عبد فبايع النبي ﷺ على الهجرة ولم يشعر انه عبد فجاء ه سيده يريده فقال له النبي ﷺ بعنيه فاشتراه بعبدين اسودين ،ثم لم يبايع احدا بعد حتى يسأله أعبد هو ؟"

"جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول ﷺ کے پاس ایک غلام آیا اس نے رسول ﷺ سے بیعت کر لی۔ رسول ﷺ کو علم نہیں تھا کہ یہ غلام ہے۔ بعد میں اس کا مالک آ گیا اور غلام کو لے کر جانا چاہا رسول ﷺ نے اس سے فرمایا: میں اس سے معاہدہ کر چکا ہوں۔ اس نے میری بیعت کر لی ہے۔ اس شخص نے کہا: کہ میرا تو یہ غلام ہے۔ اور اسے واپس لے جانا میرا حق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو غلام دے کر اس کو راضی کیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ طریقہ بنا لیا کہ جب بھی کوئی آتا تو اس سے دریافت کر لیتے کہ تو غلام تو نہیں ہے!" [1]

ہر وقت اور ہر لمحے جاننا صرف اللہ کی صفت ہے باقی سب کو اللہ عطا کرتا ہے کہ دیتا ہے تو بہت زیادہ، مگر جب چاہے واپس بھی لے لیتا ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے" اور اگر ہم چاہیں تو جو کتاب ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اسے تیرے دل سے محو کر دیں پھر تم اس کے لئے ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے مگر اس کا قائم رہنا تمہارے پروردگار کی رحمت ہے کچھ شک نہیں کہ تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن

[1] صحیح مسلم :413،

جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔" [17/بنی اسرائیل:86,87]

اللہ نے اپنے نبی سے بھی کہہ دیا کہ یہ صرف تیرے رب کی رحمت ہے۔ بندہ نبی بن جائے ولی بن جائے مگر وہ ہر حال میں رب کی عنایت کا محتاج ہے۔

میری گفتگو مرتد پادری عبد المسیح سے ہوئی۔ اس نے کہا کہ تمہارے نبی کا تو یہ حال ہے کہ تم خود اس کے لئے دعائیں کرتے ہو:

"اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ"

"اے اللہ محمد (ﷺ) پر رحمت بھیج"

وہ تو تمہاری دعاؤں کا محتاج ہے۔ میں نے اسے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے کہ اگر کوئی دینے والا ہوتا تو وہ محمد ﷺ ہوتے۔ اللہ نے درود پاک پڑھنے کا حکم دے کر مسلمانوں کا ذہن صاف کر دیا ہے کہ اگر نبی کے لئے بھی مانگنا ہے تو اللہ سے رحمت مانگو۔

عیسائیت کا بیڑہ اسی لئے غرق ہوا ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزے دیکھ کر انہیں خدا کا بیٹا بنا لیا۔

سلیمان علیہ السلام سے زیادہ مکمل اقتدار اللہ نے کسی کو کم ہی دیا ہے چرند پرند اور جن انس اور ہوا سب پر ان کی حکومت تھی۔ ان پر ایک وقت ایسا آیا قرآن پاک میں ہے:

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴾

"ہم نے اتنا کمزور کر دیا کہ اپنی کرسی پر گر پڑے اور جب موت کا وقت آیا تو ایک لکڑی کے سہارے کھڑے تھے وہیں موت آ گئی۔" [38/ص:34]

اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور مددگار ہے اور نہ ہی یہ دنیا خود بخود چل رہی ہے۔ ہم ہر وقت اللہ کے محتاج ہیں اللہ نے بندے سے تعلق پیدا کرنے کے لئے اسے دعا سکھائی ہے۔

دعا کرتے وقت یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ کو ہماری حالت کی ہم سے زیادہ خبر ہے اور وہ ہم پر ہر حال میں مہربان ہے۔ دعا کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ کو ہمارے حالات کی خبر نہیں اور ہم نے اسے باخبر کرنا ہے اور نہ ہی یہ بات ہے کہ ہماری گڑگڑاہٹ اللہ کو مہربان بنا دے

گی۔اس کا رحم ہمیشہ سے ہے اور بندوں پر اس کی نگاہ ہر لحظہ ہے دعا صرف اس لئے ہے کہ بندے کو اپنا فقر یاد رہے کہ میں ہواؤں میں اڑوں یا زیرِ سمندر رہوں ہر حال میں اللہ کا محتاج ہوں اور اس کے فضل کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ دعا یہ سکھاتی ہے کہ تو ہر وقت عاجز ہو کر اللہ سے مانگ اور کبھی یہ نہ سوچ کہ میں اللہ سے مستغنی اور بے نیاز ہوں۔

دعا یہ نہیں کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا لئے۔ ہر لمحے جس طرح سانس لینا ضروری ہے ایسے ہی لیٹے، بیٹھے، سوار ہوتے ہوئے، سواری سے اترتے وقت، سورج کو نکلتے دیکھ کر غرض کوئی بھی وقت ہو کسی بھی کام میں مشغول ہو ہر لمحے اللہ کو یاد کرو۔ اس سے مانگو، اس سے التجائیں کرو، گڑ گڑاؤ! کہ مولا: مجھ پر اپنا فضل و کرم کر! تیری رحمت اور عنایت کے بغیر ہم ناکارہ ہیں۔

یہ نہیں ہونا چاہیے کہ رب سے کام ہے تو لمبی لمبی دعائیں کر رہے ہیں۔ کام نکل گیا تو پھر خدا کو یاد نہ کریں، کام تو جو تقدیر میں لکھے ہیں وہ ہو کر رہیں گے، یہ عجز و نیاز تو انسان کو اس کی عاجزی یاد دلانے کے لئے ہیں کہ اس کو چھوڑنا اللہ کی رحمت کو چھوڑنے کے مترادف ہے۔ خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حافظ وظیفہء تو دعا گفتن است وبس
دربندِ ایں مباش کہ نشنید یا شنید

''اے حافظ تیرا کام صرف مانگنا ہے اس چکر میں نہ پڑ کہ سنی گئی یا نہیں۔''

بندے کا کام صرف دعا کرنا ہے۔ دعا کی قبولیت سے زیادہ اچھا یہ ہے اسے اپنی محتاجی یاد رہے تا کہ اس کے دل میں تکبر پیدا نہ ہو۔ اللہ داود علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿اِنَّہٗ اَوَّاب﴾ ''کہ ان کا ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع رہا'' اور ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آیا کہ وہ اپنے رب کی یاد سے غافل رہے ہوں۔

علی رضی اللہ عنہ آدھی رات کو اٹھے اور اپنے شاگرد سے فرمایا: کہ یہی وہ وقت ہے جس کے بارے میں داود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجھے اپنے رب کی طرف سے وحی آئی ہے کہ اس وقت کی دعا رد نہیں ہوتی۔ سوائے ظالم حکمران ٹیکس انچارج پولیس والے یا طبلہ بجانے والے کے۔ باقی سب کی اللہ سنتا ہے اور قبول کرتا ہے۔

دِلا بسوز کہ سوزِ تو کارہا بکند
دعائے نیم شبی دفع صد بلا بکند

''اے دل تو رو! تیرے رونے سے کام سنورتے ہیں۔ جو اس (سحری کے) وقت اٹھ کر اللہ سے فریاد کرتے ہیں۔ رب ان کے کام سنوار دیتا ہے۔''

کام ہو نہ ہو بندے کا اپنے فقر کو یاد رکھنا ہی بہت بڑی بات ہے جو اس بات کو سمجھ گیا اس نے سب کچھ پا لیا دعا کا مغز اور روح یہ ہے کہ انسان کے اندر یہ بات سما جائے کہ اللہ کی مدد کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی کتنی تعلیم دی؟ صرف یہ سمجھانے کے لئے کہ دعا کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ جب تم نے سمجھ لیا کہ کائنات خود بخود چلتی ہے تو تم اسلام سے نکل جاؤ گے تمہاری توحید تباہ ہو جائے گی۔ رب کو زندہ خدا ماننا ہی اس پر ایمان ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی بھی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں ہے۔ بندے کا کام مانگنا اور صرف مانگنا ہے کام ہو نہ ہو سکھوں کی دعا ہے۔

بھکیا ملے نہ ملے الکھ جگائی جا

''کہ بھیک ملے نہ ملے تم صدا دیئے جاؤ۔''

جو بھیک کے گاہک ہوتے ہیں ان کی عبادت سوداگرانہ ہوتی ہے کہ رب نے کام کر دیا تو ٹھیک ورنہ رک جاؤ۔ کام تو اس نے خود ہی کرنے ہیں جو مناسب ہے وہ کرے گا جس طرح ماں کے ہاتھ میں چھری ہو بچہ اس کو کھلونا سمجھ کر مانگے تو ماں اس کو نہیں دے گی اسی طرح اللہ تعالیٰ جو مناسب ہوتا ہے بندے کے ساتھ وہی کرتا ہے۔

ایک سفر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جا رہے تھے کچھ لوگ ذرا بلند آواز میں ذکر کرنے لگے تو آپ نے فرمایا: کہ نہ تو تم کسی بہرے کو پکار رہے ہو اور نہ ہی وہ تم سے بہت دور ہے۔ وہ تمہاری سرگوشی بھی سن لیتا ہے بلکہ جو تیرے دل میں ہو اسے بھی جانتا ہے اور وہ تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ [1]

اور ساتھ ہی فرمایا: کہ ابو موسیٰ! تمہیں عرش کے خزانے کی خبر دوں! تو لوگوں نے کہا: بتائیں یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تو آپ نے فرمایا ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' حول حرکت کو کہتے ہیں اس کے لئے طاقت چاہئے اور قوت بھی۔

طاقت اور قوت اللہ کے اذن اور مرضی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی اور جب وہ چاہتا ہے تھوڑی فوجوں کو لشکروں پر غالب کر دیتا ہے جس طرح غزوہ بدر میں کیا۔

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری: 178/11،

اللہ تعالیٰ کو غالب اور طاقت ور ماننا انسان میں ایمان اور توکل پیدا کرتا ہے۔توکل کے یہ معنی نہیں کہ بندہ ہاتھ پیر باندھ کر بیٹھ جائے اور کوشش ترک کردے۔یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ جس طرح اس نے اسباب پیدا کئے ہیں ان سے استفادہ کرنا چاہئے زمین میں ہل چلا و بیج بوو! تو اللہ غلہ خود پیدا فرمادے گا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے ایک مثال دی ہے جس طرح کوئی زمیندار اپنے ملازم کو ہل بیل اور چھڑی دے کر کھیت میں کھڑا کردے اور اسے کوئی ہدایت نہ دے کیونکہ اسے یہ تمام دینا ہی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ملازم ہل چلائے اور کاشت کرے اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہاتھ پاؤں ناک کان آنکھیں اور دماغ دے کر اس طرف اشارہ کردیا کہ اس سے کام لے۔

محنت کرنا دین کے خلاف نہیں، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسباب ترک کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ مگر صرف کوشش پر ہی بھروسہ کرلینا شرک ہے۔جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جو کچھ تھا لے کر میدان بدر میں پہنچ گئے اور پھر وہاں جا کر سجدہ ریز ہوگئے کہ اللہ تعالیٰ جو میرے بس میں تھا وہ میں نے کردیا اب تو مدد بھیج! [1]

توکل کا تو یہ مطلب ہے خنجر تیز رکھ اپنا
پھر اس کی تیزی کو مقدر کے حوالے کر

جیسے کسان کے لئے ہے کہ وہ کھیت میں ہل چلائے بیج بوئے پھر وقت پر پانی دے کر اسے مقدر کے حوالے کردے، یعنی کوشش بھی پوری کرے مگر یقین یہ ہو کہ ہونا وہی ہے جو رب چاہے گا ۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اپنے رب کو یاد رکھتے تھے یہی تعلیم آپ نے ہمیں دی ہے کہ ہر لمحے، ہر گھڑی، خوشی ہو یا غم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، ہر دم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے رکھو۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دعائیں سکھائیں ان میں سے نمونے کے طور پر چند دعائیں پیش خدمت ہیں ان میں جو پہلی دعا ہے، اس بارے میں شاہ ولی اللہ تعالیٰ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں فرمایا: رب سے مانگنے کے لئے یہ سب سے جامع دعا ہے:

"اللهم اصلح لی دینی الذ ی هو عصمة امری واصلح لی دنیا ی التی فیها معاشی واصلح لی آخرتی التی فیها معادی واجعل الحیات زیادة لی فی کل خیر واجعل الموت راحة

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری: 287/7،

لی من کل شر"

"اے اللہ تعالیٰ میرے دین کو ٹھیک کردے کیونکہ یہی میرا اصل سرمایا ہے۔اگر میرا دین تباہ ہوگیا تو میرا سب کچھ تباہ ہوگیا۔میری دنیا بھی ٹھیک کردے کیونکہ مجھے اس میں زندگی گذارنی ہے۔میری آخرت بھی سنوار دے کہ مجھے آخر وہیں جانا ہے اور جب تک میری زندگی ہے اس کو ایسا بنادے اس میں تمام بھلائی ہی ہو۔اور میری موت ایسی بنادے کہ اس میں کوئی شر نہ ہو۔"

ان تمام چیزوں کے بعد بندہ اور کیا مانگ سکتا ہے دین بھی مانگ لیا، دنیا بھی مانگ لی۔ زندگی بھر کے لئے نیکی مانگ لی اور موت آئے تو راحت سے آئے"

ایک اور دعا ہے:

"اللهم اجعلنی اخشاك كاننی اراك ابداً حتی القك"

"اے اللہ تعالیٰ مجھے اس طرح کردے کہ میں ہر وقت تجھ سے اس طرح ڈرتا رہوں اور تیری نافرمانی سے بچ کر رہوں جیسے کہ تجھے سچ مچ آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اگرچہ میں دیکھ نہیں رہا، اس وقت تک مجھے اس طرح رکھ جب تک تیری عدالت میں پیش ہو جاؤں اس وقت تک تیرا خوف مجھے اس طرح رہے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے۔

جن کو رب یاد آجاتا ہے وہ فوراً گناہ سے تائب ہوجاتے ہیں۔امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: بغداد کے بازار میں ایک اوباش کسی بچی کو تنگ کر رہا تھا اس بدمعاش کے شر کی وجہ سے کسی میں اتنی جرات نہ تھی کہ اسے منع کرے اس دوران شہر کے بہت بڑے ولی بشر بن الحارث رحمۃ اللہ علیہ گزر رہے تھے انھوں نے پوچھا یہ ہجوم کیوں ہے؟ لوگوں نے بتایا: شہر کا ایک غنڈہ کسی بچی کو تنگ کر رہا ہے اس کے خوف کی وجہ سے کوئی اسے منع نہیں کرتا وہ اس غنڈے کے پاس گئے۔اس کے کان میں کچھ کہہ کر اپنی راہ ہو لئے۔

غنڈہ ان کی بات سن کر بے ہوش ہوگیا۔جب اسے ہوش آیا تو لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ تھے؟ لوگوں نے کہا: کہ یہ بشر بن الحارث تھے۔لوگوں نے پوچھا کہ آخر انہوں نے تمہارے کان میں کیا بات کہی تھی جسے سن کر تم بے ہوش ہوگئے تھے؟ تو اس نے جواب دیا کہ انہوں نے صرف یہ کہا کہ تو کیا کر رہا ہے؟ تیرا خدا تجھے دیکھ رہا ہے یہ کہہ کر وہ پھر بے ہوش ہوگیا سات دن تک اسی کیفیت میں رہا اور اسی حالت میں اسے موت آگئی۔

اگر یہ احساس اور خشیت رہے کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے تو شیطان قریب بھی نہیں آئے گا۔ایک اور بہت پیاری دعا ہے اسے بھی ہر وقت دہراتے رہنا چاہیئے۔

"اللهم اجعل وساوس قلبى خشيتك وذكرك واجعل همتى
وهواى فيما تحب وترضى"

"اے اللہ میرے دل میں جو وساوس پیدا ہوتے ہیں انکی بجائے اپنے
خوف اور ذکر کو میرے دل میں ڈال دے میرے ارادے اور میری
خواہش کو اپنی رضا کے مطابق کردے۔"

اکثر لوگوں کو شکایت ہے کہ ہم کو وسوسے بہت آتے ہیں۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب شکایت کی کہ ہمارے دل میں برے برے خیال آتے ہیں جنہیں ہم زبان پر بھی نہیں لا سکتے۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے ابلیس کا معاملہ دلوں تک ہی رکھا کہ وہ اس میں وسوسے ڈالتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں کر سکتا اس لئے جو گناہ انسان کے دل تک ہی محدود ہوں زبان اور عمل میں نہ آئیں ان پر گرفت نہیں ہوگی۔

اس لئے جو خیال اور وسوسے آئیں انہیں روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔جو اس بات کو زیادہ محسوس کرتے ہیں وہ بہت پریشان ہوتے ہیں۔ان کا وضو درست ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اچھے طریقے سے نماز پڑھ سکتے ہیں۔اللہ سے یہی دعا کرنی چاہیے کہ وہ اپنے خوف اور ذکر کو میرے دل میں ڈال دے۔نیک لوگ کہتے ہیں کہ جن وہیں بسیرا کرتے ہیں جہاں اجاڑ ہو۔شیطان بھی اسی دل میں بسیرا کرتا ہے جو اللہ پاک کے خوف اور ذکر سے خالی ہوتا ہے۔جس دل میں اللہ بیٹھا ہوا ہو، وہاں ابلیس کیا کرے گا؟

نہ غرض کسی سے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے تیری فکر سے تیری یاد سے تیرے نام سے

ہم نے ذکر کے یہ معنی لے لئے ہیں کہ کہیں کوئی مجلس اور ذکر کی محفل ہو وہاں اتنی بار منکے گھمائیں جائیں؟ ذکر کا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تمہارے دلوں میں سما جائے آپ کوئی بھی کام کر رہے ہوں کسی سے بات کر رہے ہوں دھیان اسی کی طرف لگا رہے بقول شاعر

بات کسی سے ہو تیرا ہی دھیان رہتا ہے
ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے سلسلہ تکلم کا

ایک اور دعا ہے:

"اللهم اجعل حبك حب الاشياء الى كلها"

"اے اللہ جتنی بھی چیزیں مجھے پیاری ہیں ان سب میں پیاری اپنی
محبت کردے۔"

دنیا میں جو چیزیں بھی اللہ نے پیدا کی ہیں ان کی محبت بھی ہمارے دلوں میں پیدا کی ہے کیونکہ دنیا کا نظام چلانے کے لئے یہ ضروری تھا، جیسے اولاد، مال و دولت اور جائیداد کی چاہت ہمارے دلوں میں ہے یہ چاہت بری نہیں ہے اگر ایک حد تک رہے۔مگر اس سے آگے فرمایا: تیری محبت ان سب چیزوں سے بڑھ کر ہونی چاہئے جب تک یہ بات نہ ہوگی دین کے لئے آدمی کوڑی کا نہیں۔

دین کا سارا نچوڑ محبت الٰہی ہے جب محبت پیدا ہوگی تو تانبا سونا بن جائے گا پھر اس کی راہ کے کانٹے بھی پھول بن جائیں گے۔پہلی صدی میں مسلمان سپاہیوں کے کارنامے سن کر اور ان کی شہادتوں کے واقعات پڑھ کر لوگ کیا کہا کرتے تھے کہ یہ قصے کہانیاں ہیں۔

مگر اس دور میں طالبان اور عرب مجاہدین نے جس طرح اپنی جانیں دی ہیں کس طرح ان کو کنٹینروں میں بند کیا گیا ان کی لاشوں پر پٹرول ڈال کر آگ لگائی گئی ان کی لاشوں کو گاڑیوں سے باندھ کر روندا گیا انہوں نے اللہ سے محبت کا حق ادا کر دیا انہوں نے بیعت کے ذریعے اپنے رب سے جو وعدہ کیا تھا اسے نباہ دیا۔

لوگ کہتے ہیں کہ اگر طالبان یہ کام نہ کرتے تو ان کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔انہیں کون سمجھائے کہ جنہیں اللہ سے محبت ہو جاتی ہے ان کے لئے یہ زندگی ہیچ ہے۔جو اللہ کی راہ میں کٹ جاتے ہیں اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی ہوتی ہے وہ رب کے بہت پیارے ہوتے ہیں۔ابوبکر غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے حسین رضی اللہ عنہ پر جو مقالہ لکھا ہے اس کے آخر میں فرماتے ہیں:

شدیم خاک ولیکن بہ بوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مرد می خیزد

"کہ ہم مر کر مٹی ہو گئے اور ہماری مٹی سونگھ کر بھی کسی آدمی کو اندازہ ہو
جائے گا کہ اس میں کوئی مرد دفن ہے۔"

عربی کا ایک شعر بھی لکھا ہے

من شاء فلينظر الىّ فمشهدى

نذیر الی من ظن ان الھوی سھل

جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی محبت آسان بازی ہے وہ آ کر میری قبر دیکھ لے کہ کس طرح اس کی راہ میں سرنیزے پر چڑھایا جاتا ہے اور لاشیں گھوڑوں تلے روندی جاتی ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کو بازاروں اور درباروں میں رسوا ہونا پڑتا ہے

دین نبی دی عظمت منگے
خون جگر دلداراں دا
کربل دے میدان توں پچھ لے
قصہ قول قراراں دا
اوکھی گھاٹی مشکل پینڈا
عشق دیاں اسواراں دا

وخشیتك اخوف الاشیاء عندی

''اپنے خوف کے علاوہ سب خوف مجھ سے دور کر دے۔''

واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق الیٰ لقاءك

''سب غرضیں مجھ سے دور کر دے اور اپنی ملاقات کا شوق پیدا کر دے۔''

واذا اقررت اعین اهل الدنیا من دنیاهم فاقرر عینی من عبادتك

''جس طرح دنیاداروں کو دنیاوی اشیاء دے کر سکون پہنچایا اسی طرح مجھے اپنی عبادت کا شوق دے کر میری آنکھیں ٹھنڈی کر دے۔''

یعنی ہر وقت تیری یاد اور محبت مجھے ستائے اور میں اسی میں مشغول رہوں یہی کیفیت ہمارے آقا و مولا محمد ﷺ کی تھی۔ فرماتے: بلال (رضی اللہ عنہ) اٹھ! اذان دو! اور نماز کا بندوبست کر کے مجھے راحت پہنچاؤ! [1]

اب ہمارا یہ حال ہے کہ ہم پر پانچ وقت کی نماز پڑھنا بھاری ہے۔ فرمایا: جس کے دل میں اللہ کی محبت نہیں اس کے لئے نماز مشکل ہے۔ رسول ﷺ کی یہ حالت تھی کوئی مصیبت اور پریشانی آتی نماز کیلئے کھڑے ہو جاتے کوئی خوشی کی خبر ملتی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے اور اللہ سے تعلق قائم کر لیتے۔

[1] مسند احمد بن حنبل: 5/363، 371،

آپ نماز کی تمام دعائیں پڑھیں ان میں کسی میں بھی کوئی واسطہ اور وسیلہ نہیں ہے۔

اللہ اکبر کہتے ہی بندہ اللہ سے جڑ جاتا ہے اس کے بعد پڑھتا ہے:

''سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ''

''میرے اللہ تو پاک ہے سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔''

''وَتَبَارَكَ اسْمُكَ''

''تو بڑی خوبیوں والا ہے۔''

''وَتَعَالٰی جَدُّكَ''

''تیری شان کا کوئی اندازہ نہیں۔''

اللہ براہ راست بندوں سے جڑا ہوا ہے وہ ان کی دعائیں سنتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾ [2/البقرہ:186]

''جب میرے بندے پوچھتے ہیں کہ ہمارا رب کہاں ہے؟ ان سے کہہ دو: کہ وہ تم سے بالکل قریب ہے وہ تمہاری سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے وہ تم سے زیادہ تم کو جانتا ہے''۔

اللہ سورۂ ہود میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ﴾

''بے شک میرا رب رحم والا اور محبت والا ہے۔''

اب اس ہستی سے زیادہ اور کون مہربان ہے۔ جس کو تم پکارو گے ''ودود'' عربی زبان میں پیارے کے لئے مبالغے کا صیغہ ہے بہت زیادہ پیار کرنے والا۔ اتنی محبت تو ماں باپ تم سے نہیں کر سکتے جتنا اللہ تم سے کرتا ہے۔ اسی سورت میں ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ﴾

''کہ میرا رب مجھ سے قریب ہے اور دعا کو قبول کرتا ہے۔''

میں نے چند دعائیں نمونے کے طور پر پیش کر دی ہیں ورنہ یہ ایسا بحر بیکراں ہے جتنا اس میں اترتے چلے جائیں اتنا ہی یہ گہرا اور وسیع ہوتا جاتا ہے۔ میں اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جسے نماز اور دعا کی حقیقت سمجھ میں نہیں آئی اسے دین سے کچھ نہیں ملا۔ نماز بوجھ ہے نہ تاوان، یہ ایسے

ہی ہے جیسے پیاسے کے لئے پانی۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:((افضل الدعاء الحمد لله))''الحمد للہ سب سے بڑی دعا ہے حالانکہ اس پر غور کریں تو اس میں دعا والی کوئی بات نہیں ہے'' [1]

عرب کا مشہور شاعر امیہ ابن اصلت ہے وہ اپنے ممدوح کے پاس گیا اور کہا:

أاطلب حاجتی ام قد کفانی
حباؤك ان شيمتك الحياء
اذا اثنی علیك المرء یوما
کفاه من تعرضه الثناء

''میں تم سے اپنی حاجت کیا بیان کروں تو تو سخی ہے اور تیری سخاوت ہر وقت جاری رہتی ہے جو بھی تیرے دروازے پر آیا تو اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹاتا۔''

اسی طرح بندہ جب اللہ کی تعریف کردے تو اسے مزید درخواست کی ضرورت نہیں رہتی اس نے کہہ دیا کہ میں مانگت ہوں تو سخی اور داتا ہے جب بندے نے کہہ دیا((اَلْحَمْدُ لِلّٰه)) وہ کون سی خوبی ہے جو میرے رب میں نہیں جب بندے نے اس کی رحمت کو آواز دی تو اس کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں جو تم اپنے رب سے چاہتے ہو وہی تمہیں ملے گا وہ ساری حاجتوں کا ذمہ دار ہے۔

[1] ترمذی، صحیح ابن ماجہ للألبانی: 319/2،

اسلام ایک دین

اسلام کے بارے میں ایک غلط فہمی جو خود مسلمانوں کے ذہنوں میں پیدا ہوگئی ہے جس بنا پر تمام دین سمجھنا ان کے لئے مشکل ہوگیا ہے جس مقصد کیلئے انسان کو پیدا کیا گیا تھا وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے جس کے نتیجہ میں سارا نظام اپ سیٹ (upset) ہوگیا ہے۔وہ غلط فہمی یہ ہے کہ اسلام کو صدیوں سے ایک مذہب کہنا شروع کردیا۔حالانکہ قرآن مجید اور حدیث شریف میں کہیں بھی مذہب کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔سچ پوچھیں تو اسلام مذہب کے خلاف جنگ ہے اور اسلام مذہب کو دنیا سے مٹانے کیلئے آیا۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھیں گے کہ مذہب کیا ہے؟ مذہب میں کچھ عقیدے ہوتے ہیں۔ پوجا پاٹ ہوتی ہے۔اور کچھ رسومات ہوتی ہیں۔اس کے مطابق عبادت کرلی۔شادی بیاہ اور مرگ پر کچھ رسومات ادا کرلیں، تو آپ نے مذہبی فرائض سرانجام دے دیئے۔اب اس کے بعد آپ آزاد ہیں کہ باقی معاملات جیسے چاہیں سرانجام دیں اس کو مذہب کہہ لیں دھرم یا Religion کہہ لیں۔اس کے بعد جیسے چاہیں زندگی بسر کریں جس طرح کی بھی حکومت ہو جیسے ملک میں چاہیں رہیں اس سے مذہب کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

لیکن دین میں ایسا ممکن نہیں وہاں ایک میان میں دو تلواریں نہیں سماسکتیں۔دین اسلام ہوگا۔یا دین کفر ہوگا۔دین چند عقائد عبادات اور رسومات کا نام نہیں بلکہ یہ مکمل نظام حیات ہے۔ پارلیمنٹ میں قانون سازی کس طرح کرنی ہے۔عدالت کیسے کرنی ہے۔میدان جنگ کے کیا قوانین ہیں۔ٹیکس کیسے وصول کرنے ہیں اور انہیں کیسے خرچ کرنا ہے۔سارے جہاں کا انتظام کرنے کا نام دین ہے۔یہ بندے کو ایک لمحے کے لئے بھی آزاد نہیں چھوڑتا اس میں جس طرح نماز پڑھنا عبادت اور ثواب کا کام ہے اسی طرح رزق حلال کما کر بچوں کی پرورش کرنا عین عبادت اور ثواب ہے جس طرح وہ روزہ رکھ کر قوانین الٰہی کا پابند ہوتا ہے۔اسی طرح وہ حکومت چلاتے ہوئے بھی احکام الٰہی کا پابند ہے۔

مذہب ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔مگر دین تمام شعبہ ہائے زندگی کے متعلق ہوتا ہے یہ ایک مکمل نظام ہے آپ قرآن پاک کا مطالعہ کریں حدیث شریف پڑھیں اس میں جس طرح نماز و روزے کے احکامات بیان کئے ہیں اس سے زیادہ ملک کو چلانے کے لئے ہدایات ہیں دین ہر وقت

مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں پکڑائے ہوئے ہے۔ وہ جہاد کا حکم دیتا ہے اور اس وقت تک جہاد کریں جب
تک اللہ کی زمین سے فساد ختم نہ ہو جائے اور دین سارے کا سارا خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔
مذہب جتنے چاہیں دنیا میں ہوں مگر دین ساری دنیا میں ایک ہی ہوگا۔ آپ کو کسی کا مذہب
بزور بدلنے کا اختیار نہیں ہے۔ ان کو اپنے عقائد پر کاربند رہنے اور اپنی عبادات کرنے کی مکمل
آزادی ہے۔ مگر دنیا میں نظام صرف اللہ کا ہوگا اور وہ اسلام ہوگا۔ کیونکہ اگر جبر سے مسلمان کرنا
ہوتا تو اللہ تمام لوگوں کو مسلمان ہی پیدا کر دیتا۔ ہر شخص کو اپنا مذہب رکھنے کی آزادی ہے۔ اپنے
طریقے سے عبادت کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ مگر کوئی دوسرا نظام لانے کی آزادی نہیں ہے۔ یہ
ایسی تعلیم ہے جو مسلمان بھلا بیٹھے ہیں۔ اور پوری دنیا ہمیں اس وجہ سے دہشت گرد کہتی ہے مگر یہ
دہشت گردی کسی خون خرابے کا نام نہیں ہے یہ اسلام کا حکم ہے کہ

"دنیا سے فساد کا خاتمہ کر دو۔"

دنیا میں کسی بھی جگہ انسانوں پر ظلم ہو رہا ہو ان کی آزادی سلب کی جا رہی ہو ان کی معیشت
کو غلام بنایا جا رہا ہو۔ وہاں مسلمان کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اس ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو جائے اور
اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک اس ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ نہ ہو جائے۔ اور وہاں پر
اسلام کی حکومت قائم ہو جائے۔ اسلام انہیں امن کا نظام دے گا۔ اور وہاں کے عوام کو مکمل آزادی
فراہم کرے گا۔ کہ وہ اپنے عقائد اور نظریات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے مگر یہاں دین برطانیہ کا چل رہا ہے اسلام
انگریزی دور میں بھی مذہب تھا اس وقت بھی انہیں نماز روزے کی اجازت تھی اور آزادی کے بعد
بھی یہ مذہب ہی ہے کہ یہاں نماز روزے کی آزادی ہے۔ مگر یہاں پارلیمنٹ برطانوی طرز کی
ہے قانون سازی ان کے طریقے پر ہو رہی ہے۔ عدالت اب بھی 1935ء کے برطانوی ایکٹ
کے مطابق فیصلے کرتی ہے۔ نظام تعلیم ان کا ہے ایسے سکول اور کالجز کھول دیئے گئے ہیں اور ان میں
ایسا نصاب پڑھایا جاتا ہے کہ ان کو مسلمانوں کے بچے مارنے کی ضرورت نہیں ہے وہ خود ہی تعلیم
حاصل کرنے کے بعد کافر ہو رہے ہیں

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدائے لا الہ الا اللہ

اس نظام تعلیم کا اثر یہ ہے کہ اب نماز روزہ بھی ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ علانیہ ارتداد کے

مرتکب ہو رہے ہیں۔ اب لوگ خوشی سے جا کر دوسرے غیر مسلم ملکوں میں آباد ہو رہے ہیں۔
حالانکہ اسلام میں کسی بھی مسلمان کو غیر مسلم ملک میں جا کر غیر معینہ مدت تک رہنے کی اجازت نہیں
ہے۔ کیونکہ وہاں جاتے ہی آپ کا دین ختم ہو جاتا ہے صرف مذہب رہ جاتا ہے۔ وہاں آپ کو
مذہبی آزادی تو ہوگی مگر نظام غیر اسلامی ہوگا۔ آپ کسی بھی ملک میں چلے جائیں وہ آپ کے نماز
روزے میں رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ مگر اگر آپ ان کے دین اور نظام حکومت میں دخل دیں گے تو
آپ پر بغاوت کا مقدمہ بن جائے گا۔
دین کے لئے حکمرانی لازم ہے۔ یہ عمل غلامی میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو قوم دوسری قوم کے
زیر سایہ رہے گی وہ آہستہ آہستہ انہی کے رنگ میں رنگی جائے گی۔ پہلے عقیدوں میں تزلزل آئے
گا۔ پھر عبادتیں بھی چھوٹ جائیں گی۔ اسلام اس بارے میں کتنا غیرت مند ہے۔ ہجرت مدینہ
کے بعد جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے حالانکہ وہ وہاں پر نمازیں پڑھتے تھے کعبۃ اللہ کا طواف کرتے
تھے، ان کے بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جانوں کو قبض
کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہم
ملک میں عاجز و ناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں: کیا خدا کی زمین وسیع نہیں
تھی تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ
بری جگہ ہے" [4/النساء:97]

حالانکہ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ ہے اور ان لوگوں کا اپنا ملک تھا جہاں وہ صدیوں سے آباد
تھے۔ مگر چونکہ مدینہ منورہ میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی اس لئے مکہ میں مقیم لوگوں کا فرض
تھا کہ وہ مدینہ میں ہجرت کر جاتے۔ جن لوگوں نے ہجرت نہیں کی ان لوگوں کے بارے میں اللہ
تعالیٰ نے کیسی وعید سنائی: "غلامی کی زندگی گزارنے سے قوموں کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔ ان میں
خوشامد، چاپلوسی، جھوٹ، منت سماجت جیسی گھٹیا عادات جنم لیتی ہیں۔ اور ان کی عزت نفس اور
غیرت ختم ہو جاتی ہے"

اس لئے کفر کا کوئی بھی ملک ہو وہاں سے اسلامی ملک کی طرف ہجرت کرنا لازم ہے۔
کیونکہ دین اسلام محض چند عقائد اور رسموں کا نام نہیں ہے۔ وہ پوری دنیا میں عدل و انصاف اور
امن قائم کرنا چاہتا ہے۔ دین کے لئے قوت حاصل کرنا لازمی ہے اور یہ اقتدار کے بغیر ممکن نہیں

۔اگر اسلام اس قوت کو حاصل نہیں کرے گا تو وہ مذہب بن جائے گا۔اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور یہ بغیر قوت اور طاقت کے زندہ نہیں رہ سکتا۔دفاعی جنگ تو معمولی بات ہے کہ کسی دوسرے ملک نے حملہ کردیا اور جان بچانے کیلئے جنگ کی جائے۔

مگر دین اسلام اس سے بڑھ کر جارحیت کی ترغیب دیتا ہے۔کہ جن ممالک کے ساتھ تمہارے معاہدے نہیں ہیں۔ان کے خلاف اعلان جنگ کردو اور ان کو مجبور کرو۔کہ اسلام قبول کر لو، یا جزیہ دو۔ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک فتنہ ختم نہ ہو جائے۔اور اس ملک میں دین اسلام غالب ہو جائے۔

اسلام کی جنگ بھی ایسی ہے کہ دنیا کی کسی قوم نے بھی ایسے اصول نہیں اپنائے۔بلکہ اب جب کہ زمانہ اتنی ترقی کر گیا ہے اور جو لوگ انسانی حقوق کے اتنے بڑے علمبردار ہیں انہوں نے جنگوں میں جو کچھ کیا ہے وہ ساری دنیا نے دیکھا ہے۔کہ کس بری طرح بے گناہ عورتوں اور بچوں کو قتل کیا گیا۔مساجد میں نماز پڑھتے ہوئے لوگوں پر بم برسائے گئے۔قیدیوں کو کنٹینروں میں بند کر کے کس بری طرح شہید کیا گیا۔

حالانکہ جنیوا کنونشن کے تحت قیدیوں سے اس طرح کا سلوک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

اور یہ سب کچھ دنیا کی سب سے مہذب کہلوانے والی قوم نے کیا۔جب کہ اسلام نے آج سے پندرہ سو (1500) سال پہلے ایسے جنگی قوانین دیئے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔درختوں اور فصلوں کو برباد نہ کیا جائے۔جنگی قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

مسلمان افواج نے آج تک ان جنگی قوانین کی خلاف ورزی نہیں کی۔مفتوح شہر کو عام طور پر مباح سمجھا جاتا ہے۔وہاں پر کسی کی جان و مال اور عزت محفوظ نہیں ہوتی۔مگر اسلامی فتوحات میں جب کہ سینکڑوں شہر فتح ہوئے۔لاتعداد جنگیں لڑی گئیں۔مگر مخالفین کوئی ایک واقعہ بھی پیش نہیں کر سکے کہ کسی عورت کی آبروریزی کی گئی ہو۔یا کسی مفتوح شہر میں کسی بے گناہ آدمی کو قتل کیا گیا ہو۔

بلکہ آسمان نے یہ منظر بھی دیکھا کہ فاتح فوجوں نے مفتوحین کے دل جیت لئے جب مسلمانوں نے حمص فتح کیا۔اور وہاں کے لوگوں سے جزیہ وصول کیا۔اس کے بعد حالات ایسے پیدا ہوئے کہ مسلمانوں کو شہر خالی کرنا پڑا۔اسلامی فوجوں کے سپہ سالار نے شہر کے بااثر لوگوں کو بلایا اور ان سے کہا کہ رومیوں کا دباؤ بہت بڑھ گیا ہے ہم حمص کو خالی کر رہے ہیں۔چنانچہ اب ہم تمہاری حفاظت نہیں کر سکتے۔اس لئے جزیہ کی رقم تم کو واپس کرتے ہیں۔تاریخ کی کتابوں میں

لکھا ہے کہ وہ لوگ روتے تھے کہ ایسا سلوک تو کبھی ہمارے ہم مذہبوں نے بھی ہم سے نہیں کیا۔ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا آپ لوگوں کو پھر اس شہر میں واپس لائے۔

اسلام کی جنگ فی سبیل اللہ ہے وہ لوگ جانیں دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ دین سچا ہے۔اس دور میں ہر مسلمان سپاہی ہوتا تھا۔کوئی باقاعدہ تنخواہ دار فوج نہیں ہوتی تھی۔ہر مسلمان کے پاس تلوار اور نیزہ ہوتا تھا۔گھوڑا اس کے دروازے پر بندھا ہوتا تھا۔خلیفہ اعلان کرتا کہ جہاد کے لئے جانا ہے۔تمام مسلمان جو جنگ لڑنے کے اہل ہوتے اس آواز پر لبیک کہتے۔اس میں کسی غیر مسلم کو شرکت کی اجازت نہیں تھی۔بلکہ اسلامی حکومت میں کوئی غیر مسلم چپڑاسی بھی بھرتی نہیں ہو سکتا۔کیونکہ یہ ایک نظریاتی حکومت ہوتی ہے۔وہی آدمی اس حکومت میں شریک ہو سکتا ہے جو اس نظریے پر مکمل یقین رکھتا ہو۔

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جو کوفہ میں گورنر تھے۔انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میرے پاس ایک عیسائی کلرک ہے وہ بہت اچھا حساب کتاب جانتا ہے اس سے خدمت لینے کی اجازت دی جائے۔عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کہ ہمیں ان سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔خود ہی کوئی مسلمان منشی مل جائے گا۔

اسلام ایک ایسا عالمگیر نظام حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔جس کی پوزیشن ایسی ہو کہ امیر المؤمنین حکم دے تو مشرق سے مغرب تک جو بھی ممالک ہیں وہ اس کے حکم کو بجا لائیں۔وہ جس کام سے منع کرے اس سے رک جائیں۔ظالم لوگوں کو سزائیں ملیں۔مظلوموں کی دادرسی ہو۔

بدقسمتی سے اس وقت یہ پوزیشن امریکہ نے حاصل کر لی ہے۔لیکن اس کا تمام نظام ظلم اور جبر پر مبنی ہے۔جب سپر پاور مسلمانوں کے پاس تھی تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تھی۔دنیا میں امن و سکون تھا۔تمام رعایا خواہ وہ مسلم تھی یا غیر مسلم۔تمام لوگ عزت و آبرو سے زندہ تھے۔مگر جب سے یہ نظام غیر مسلموں کے پاس آیا ہے۔دنیا میں جبر اور ظلم کی حکومت ہے۔کسی بھی ملک کی آزادی و خودمختاری محفوظ نہیں ہے۔انہوں نے عریانی و فحاشی اور بے روزگاری کے علاوہ دنیا کو کیا دیا ہے۔دنیا بھر کے غریب ممالک کی معیشت ان کے پاس گروی ہے۔ہم نے قرآنی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا۔اللہ کے احکامات سے روگردانی کی۔جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ظالم لوگوں کو ہم پر مسلط کر دیا ہے۔ورنہ اس دنیا میں کفار کی یہ پوزیشن ہونی چاہئے کہ یہ بازاروں میں سر جھکا کر کنارے پر چلیں ان کے گلے میں دوپٹے نہ ہوں ان کے گھوڑوں پر کاٹھیاں نہ ہوں ان کے لباس

مسلمانوں سے مختلف ہوں ان کے سر پر مخصوص ٹوپیاں ہوں تا کہ پتہ چلے کہ یہ کافر ہیں۔

ان کی یہ پوزیشن اس لئے ہے کہ یہ اس دنیا میں اللہ کے نافرمان اور باغی ہیں یہ سرکش اور نافرمان ہیں کہ اللہ کی زمین پر رہتے ہیں اس کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، مگر اس کے احکامات نہیں مانتے۔حق تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دنیا میں ایک دن بھی زندہ رہنے کا حق نہ دیا جائے مگر یہ اللہ کا حلم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو نہ صرف زندہ رہنے کا حق دیتا ہے بلکہ ان کو اپنی نعمتوں سے بھی نوازتا ہے حالانکہ دنیا بھر میں کوئی ایک بھی ایسی حکومت نہیں جو اپنے باغیوں کو زندہ رہنے دے۔یہ کوئی ظلم اور ناانصافی نہیں ہے اس فرق کو سمجھیں۔مسلمان کون ہیں؟ خدا کے وفادار بندے۔ حکومت کس کی؟ اللہ کی۔زمین خدا کی۔نعمتیں اس کی پیدا کردہ، جس نے اسے مان لیا وہ اس طرح ہے جس طرح حکومت کی وفادار رعایا اور جنہوں نے اسے نہیں مانا وہ سرکش اور باغی کوئی بھی حکومت اپنے باغیوں کو عزت نہیں دیتی۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا ہے کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم ملک میں جا کر قیام کرے، اس بارے میں امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جو لوگ بھی کافروں کے علاقے میں رہتے ہیں ان کے لئے وہاں رہنا جائز نہیں ہے۔صرف وہ لوگ وہاں رہ سکتے ہیں کہ انہیں سواری نہیں ملتی یا وہ معذور ہیں یا ان کے پاس مال و دولت نہیں ہے اس طرح کے لوگوں کے لئے اللہ کی طرف سے معافی ہے۔جو لوگ کفار کی حکومت میں ملازم ہیں اور فوجی خدمات انجام دیتے ہیں ایسے لوگ کافر ہیں جیسا کہ انڈین فوج میں مسلمان فوجی ہیں وہ پاکستانی فوجیوں پر بم برساتے ہیں۔چند روپوں کی خاطر مسلمان بھائیوں کو مارتے ہیں ایسے لوگ کافر ہیں۔

1953ء میں قادیانیوں کے لئے ایک انکوائری کورٹ بنی تھی جس میں یہ سوال بھی اٹھایا گیا: کیا مسلمان کسی کافر کی ملازمت کر سکتا ہے؟ کیا انڈین آرمی میں شامل مسلمان پاکستان کے خلاف لڑ سکتے ہیں؟ تو اس وقت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا تھا کہ پاکستان کے خلاف لڑنے والے مسلمان نہیں رہیں گے۔اسلام تو ہمیں اس بلندی پر لے جانا چاہتا ہے کہ تمام دنیا ہمارے زیر نگیں ہو امیر المومنین ہر سال کسی غیر اسلامی ملک کی طرف جنگی مہم روانہ کرے یہ مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اگر ایسا نہ ہو تو ہم مجرم ہیں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

آں کہ ذاتش واحد است ولا شریک
در نہ سازد بندہ اش ہم درفسازد با شریک

”جس اللہ کو ہم مانتے ہیں وہ وحدہ لاشریک ہے اس نے تمام جہانوں کو پستی میں رکھا ہوا ہے جو اس کے بندے بن جاتے ہیں وہ بھی شریک برداشت نہیں کر سکتے اور تمام دنیا کو وہ زیر نگیں رکھتے ہیں“۔

آپ قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو آپ کو علم ہو کہ قرآن ہمیں کس مقام پر لے جانا چاہتا ہے وہ مسلمان کو دنیا میں حکومت کے طریقے بتاتا ہے یہ حکمرانی کی کتاب ہے۔ایک نومسلم فاروق ہیڈلے نے لندن کی ایک مسجد میں تقریر کی۔وہ بڑا عالم فاضل آدمی تھا مسجد میں مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع تھا، اس نے کہا کہ قرآن میں بے شمار خوبیاں ہیں یہ ایک مکمل کتاب ہے مگر اس میں ایک خامی ہے سامعین اس کی بات سن کر حیران ہوئے کہ مسلمان ہو کر کیسی بات کی ہے اس نے کہا کہ قرآن میں ایک خامی ہے کہ غلامی میں رہنے کے طریقے نہیں بتاتا۔اس نے یہ بات مانی ہی نہیں کہ مسلمان بھی ہو اور غلام بن کر رہے۔

قرآن میں تو یہ لکھا ہے کہ زکوۃ کس طرح وصول کرنی ہے چوروں کے ہاتھ کاٹنے ہیں۔ قاتل کو سزائے موت دینی ہے۔اسلامی حکومت نے شوریٰ کے ذریعے سے فیصلے کرنے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے پاس کیا تھا ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار تھی۔شریف آدمیوں کے لئے قرآن اور بگڑے ہوئے لوگوں کے لئے تلوار۔بدقسمتی سے ہمیں یہ درس دیا جا رہا ہے کہ قرآن سے وعظ کرو سیاست اور حکومت کی باتیں کیوں کرتے ہوں۔اگر تلوار کے بغیر کام چلتا تو اللہ کیوں فرماتا کہ ہم نے کتاب بھی اتاری اور لوہا بھی۔ہمارے پاس دین کی باتیں ہیں طاقت نہیں ہے اور جن لوگوں کے پاس طاقت ہے وہ دین کو نہیں مانتے۔

خلافت میں تین باتیں ہونی چاہئیں ① خلیفہ ② ملک ③ رعیت

خلیفہ کے لئے لازم ہے کہ وہ بیت المال کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ امانت تصور کرے۔ نہ کسی سے ناحق وصول کرے۔نہ کسی کو اپنی مرضی سے دے۔اس لئے کہ وہ اللہ کا خلیفہ ہے اور اسی کا حکم مانے گا۔جس طرح گورنر صدر کا حکم ماننے کا پابند ہے۔دوسری بات یہ کہ ملک اللہ کا ہے اور مالک سے پوچھنا پڑے گا کہ میں کہاں تک آزاد ہوں اور کہاں پابند ہوں۔تیسری بات یہ کہ خلیفہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو کہ کل اللہ کی عدالت میں جواب دینا ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے بھیڑ کا بچہ بھی بھوکا مر گیا تو مجھ سے پوچھا جائے گا۔ لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا بینک کی نوکری جائز ہے؟ میں کہتا ہوں: یہ سارا نظام ہی باطل اور طاغوت کا ہے۔ بینک کے علاوہ بھی ان کی نوکری غیر شرعی ہے۔ اگر اس حکومت میں مولوی بھی لگ جائیں تو بھی حرام ہے۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں سورۂ قصص کی اس آیت کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں مجرموں کا پشت پناہ نہیں بنوں گا۔ کے ضمن میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ امیر عبد الرحمٰن نے امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ بخارا والوں کو ان کے وظائف دے آؤ! تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انکار کر دیا۔ لوگوں نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: کہ اس میں کیا حرج تھا کہ آپ ایمانداری سے لوگوں میں وظائف تقسیم کر دیتے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں کسی ظالم حکمران کی مدد کرنا پسند نہیں کرتا خواہ وہ مسجد میں اینٹ لگانا ہی کیوں نہ ہو۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ بہت جلیل القدر تابعی ہیں۔ حرم میں ان کے علاوہ کوئی فتویٰ نہیں دے سکتا تھا وہ لنگڑے اور بدصورت تھے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حرم میں ایک آدمی کو دیکھا وہ کالے کوّے کی طرح تھا مگر جو بات بھی وہ کرتا لوگ مانتے تھے میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا کہ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان سے ایک آدمی نے پوچھا میرا بھائی حکومت کا ملازم ہے وہ کوئی غلط کام نہیں کرتا صرف حساب کتاب کا کام کرتا ہے اگر اس نے نوکری چھوڑ دی تو بال بچوں کو کہاں سے کھلائے گا۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اس علاقے کا گورنر کون ہے؟ اس آدمی نے کہا کہ خالد بن عبد اللہ! یہ ظالم شخص تھا عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ تو نے قرآن پاک نہیں پڑھا؟ کہ میں ظالموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ ظالم حکمران کی کسی بھی طرح کی مدد کرے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حدود پامال ہو رہی ہیں۔ اور ہمارے ماتھے پر ایک بل بھی نہیں آتا۔ دین کا مطالبہ کیا تھا اور ہم کس پستی میں گر گئے ہیں۔ مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ وہ کتاب اللہ کو سپریم مانے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دے۔ جو شخص اسلامی حکومت کے لئے تڑپتا نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باغی ہے اور منافق ہے۔ کہ ایمان اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہے مگر طاغوت کے قوانین کے تحت مطمئن زندگی بسر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے اور ہمارے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا فرمائے اور دین پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسلام میں مکمل داخلہ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ [2/البقرہ:208]

"اے مومنو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔"

قرآن مجید کی عظیم آیات میں سے یہ ایک آیت آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ پاک نے فرمایا ہے جو لوگ اسلام لائے ہیں انہیں مکمل طور پر اسلام میں داخل ہونا چاہئے یہ مضمون بہت اہم ہے اور سمجھنے کے لائق ہے اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ صرف اسلام کا اقرار کافی نہیں بلکہ اس کا ظہور بھی ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اسلام تو قبول کرتا ہے لیکن اسلام اس کی زندگی میں دکھائی نہیں دیتا تو ایسا اسلام اللہ تعالیٰ کو مطلوب نہیں ہے۔

ایمان نام ہے کچھ عقائد کو ماننے کا۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ مالک ہے۔ اسی نے یہ دنیا بنائی ہے اور مرنے کے بعد ہم دوبارہ زندہ ہوں گے اور اللہ کے دربار میں ہماری پیشی ہوگی اچھے برے اعمال کی جوابدہی ہوگی اور پھر جزاء سزا کا معاملہ ہوگا۔ رسالت پر ایمان کہ اللہ تعالیٰ پاک نے ہماری ہدایت کے لئے اپنے رسول بھیجے ان پر کتابیں نازل کیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے، یہ تین عقائد (1) اللہ تعالیٰ پر ایمان (2) آخرت پر ایمان اور (3) رسولوں پر ایمان اسلام کی جڑیں اور بنیادیں ہیں اگر کوئی شخص ان کو نہ مانے یا ان میں شک کرے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ ان عقائد کو مان لیں اور پھر مان کر آرام سے بیٹھ جائیں۔ دین صرف اس کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ان کو مان کر پھر زندگی میں ان کے اثرات بھی ظاہر ہوں۔ مومن کا کردار گفتار اور رویہ اس بات کو ظاہر کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسلام کچھ عقائد کے ماننے اور کچھ اعمال کے کرنے کا نام ہے۔ جو چیزیں حلال ہیں ان کو استعمال کرنا اور جو حرام ہیں ان سے رک جانا۔ نیک اعمال کو بجا لانا اور برے اعمال سے باز آ جانا یہ اسلام ہے۔ جو لوگ صرف عقائد کو مان لیں لیکن ان کے اعمال میں اسلام ظاہر نہ ہو تو وہ اسلام مردہ ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں

لذت ایمان فزاید از عمل
مردہ آں ایمان کہ ناید درعمل

اس اسلام کا فائدہ تو کچھ نہ ہوگا جیسے ایک شخص کہتا ہے کہ زہر مہلک ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ مہلک نہیں ہے بلکہ اچھی چیز ہے تو صرف اس کے مان لینے سے کیا اثر ہوگا جو مانتا ہے کہ زہر مہلک ہے اگر وہ اسے کھالے گا تو کیا زہر اس پر اپنا اثر نہیں کرے گا؟ بالکل کرے گا۔ دوسرے شخص کا تو کچھ عذر ہوسکتا ہے کہ وہ ناواقف تھا لیکن جو جانتا تھا کہ یہ زہر ہے اور مہلک ہے اس کے باوجود وہ کھالیتا ہے تو اس کا گناہ زیادہ ہے اس نے جاننے اور سمجھنے کے باوجود اسے کیوں کھایا ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ اگر تم نے اللہ کو رسول کو اور قیامت کو مان لیا ہے تو پھر پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اور وہ تمام اعمال سرانجام دو جن کا حکم اللہ تعالیٰ پاک نے دیا ہے۔ اور ان تمام گناہوں سے بچو جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

﴿اُدْخُلُوا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾

''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

اس میں استثناء نہیں ہونا چاہئے کچھ کو مانا اور کچھ کو نہ مانا یا انکار کر دیا، گذشتہ انبیاء کی امتیں اس کا شکار ہوئیں انہوں نے کچھ احکام کو مانا اور کچھ کا انکار کیا۔ قرآن کہتا ہے:

﴿اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتَابِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾ [2/البقرہ:85]

''کیا تم کچھ حصے کو مانتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو۔''

کیسی غلط روش ہے جو تم نے اختیار کی ہوئی ہے یعنی باوجود اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کے جو بات پسند آئی اس کو مان لیا اور جو ناپسند ہوئی اس کو نہ مانا۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے اگر ان کی زندگی اور اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کی زندگی ایک جیسی ہو تو پھر یہ ایمان نہیں بلکہ خالص کفر ہے اور مادہ پرست لوگ یہی کرتے ہیں۔ جو بات مفاد کی ہو اس کو قبول کر لیا اور جس میں نقصان نظر آیا اس کو چھوڑ دیا۔

کچھ لوگوں نے زندگی کے دو حصے کر لئے ہیں عبادات وغیرہ میں تو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام مانتے ہیں۔ لیکن زندگی کے دوسرے معاملات مثلاً شادی کاروبار وغیرہ میں وہ اپنی خواہشات پر عمل کرتے ہیں۔ اس میں وہ دین کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ لوگ مسجد میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام مانتے ہیں اور نماز وضو کے مسائل پوچھتے ہیں؟ کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

نماز میں کون سے کام کرنے منع ہیں وغیرہ؟ لیکن جب وہ زندگی کے دوسرے حصے میں جاتے ہیں شادی کاروبار وغیرہ تو پھر اپنی مرضی کرتے ہیں اس حصے میں وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے احکام کو واجب التعمیل نہیں سمجھتے۔

یہ بھی شرک ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور رسول کے مقابلے میں اپنے آپ کو کھڑا کر دیتا ہے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾

''کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا ہے۔''

دوسری طرف کچھ لوگ دین اور دنیا میں فرق کر کے دنیا کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں اور رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں، یہ لوگ جنگلوں بیابانوں اور غاروں میں چلے جاتے ہیں۔ کاروبار اور معاش کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔ لوگوں کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ ان کو کچھ دیں۔ شادی نہیں کرتے۔ بیوی بچوں کی ذمہ داریاں قبول نہیں کرتے اور دنیا سے بالکل تعلق ترک کر دیتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ رہبانیت کو اسلام جائز قرار نہیں دیتا۔

رہبانیت لوگوں نے خود ایجاد کی ہے:

﴿وَرَهْبَانِیَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ﴾

اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگ بھی مطلوب نہیں ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجرم ہیں اسلام اس کو بھی جائز قرار نہیں دیتا بلکہ اس سے منع کرتا ہے۔

ایک مرتبہ تین صحابی رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور آپ کی ایک رات کی عبادت کے متعلق پوچھا؟ تو زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق بتایا: آپ کچھ حصہ سوتے ہیں اور کچھ حصہ عبادت بھی کرتے ہیں۔ کسی دن روزہ رکھتے ہیں اور کسی دن چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ہمارے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس عبادت کو کم جانا ﴿کانهم تقالوها﴾ لیکن پھر سوچا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بخشے ہوئے ہیں اگر وہ کم بھی عبادت کریں تو کوئی بات نہیں۔ ہمیں تو اس میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔

ان میں ایک نے کہا کہ میں کبھی شادی نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا: میں رات کو سوؤں گا نہیں بلکہ عبادت کروں گا۔ تیسرے نے کہا: کہ میں روزانہ روزہ رکھوں گا کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ جب وہ چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے ان کا ذکر کیا تو

آپ نے مسجد میں لوگوں کو جمع کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

''میں اللہ ﷻ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہوں۔ میں سب سے زیادہ تقویٰ رکھتا ہوں۔ میں روزے بھی رکھتا ہوں چھوڑتا بھی ہوں۔ میں عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں نے شادیاں بھی کی ہیں۔''

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي''

''جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے'' [1]

اسلام دنیا سے ترک تعلق کی بھی اجازت نہیں دیتا جو لوگ گھر بار چھوڑ کر دنیا سے تعلق ترک کر کے اللہ ﷻ کی عبادت کرتے ہیں یا مزاروں پر چلے جاتے ہیں ہم ان کو ولی سمجھتے ہیں حالانکہ اسلام اس کی مخالفت کرتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے لوگوں کو دین سے ناواقف اور سنت سے منہ موڑنے والا قرار دیا ہے۔

اسلام افراط وتفریط سے پاک معتدل اور متوازن نظام پیش کرتا ہے اللہ نے عبادت کے ساتھ ساتھ کاروبار اور تجارت کو بھی دین کا حصہ قرار دیا ہے اسلام نہ تنہا عبادات پر زور دیتا ہے اور نہ صرف دنیا داری پر۔ بلکہ دونوں کو اعتدال کے ساتھ ملا دیتا ہے کہ دونوں کو استعمال کرو۔ مگر حد سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے۔ دنیا داروں اور راہبوں کا آپس میں بہت گہرا رشتہ ہوتا ہے راہبوں کی سب سے زیادہ عزت دنیا دار لوگ کرتے ہیں حالانکہ یہ دو الگ الگ شعبہ کے لوگ ہیں لیکن آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا دار لوگ درباروں اور خانقاہوں پر جاتے ہیں اور بڑی بڑی جائدادیں اور رقمیں ان کو دیتے ہیں ان سے دعائیں کرواتے ہیں ان کی قبروں پر بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرواتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان ظالم دنیا داروں کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے بلکہ الٹا لوگوں کو ان کے مظالم پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ وہ زمین پر فساد کریں، لوگوں کا خون چوسیں، لوگوں کی عزتیں برباد کریں، لوگوں کا جینا حرام کر دیں ان لوگوں کو اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔ یہ کہتے ہیں ان کو یہ سب کچھ کرنے دو۔ بلکہ تم اپنا سب کچھ خود ان کے حوالے کر دو اور دین دار بن جاؤ۔ یہ لوگ ان کے پشت پناہ ہوتے ہیں ان کو ان سے کوئی خوف اور خطرہ لاحق نہیں ہوتا اس لئے وہ لوگ ان کا ادب واحترام کرتے ہیں۔

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح: 104/9، 5063،

اگر یہ لوگ ظالموں کے خلاف آواز بلند کرتے اور جو لوگ ان سے متأثر تھے ان کو منظم کرتے اور ظالموں کے خلاف اعلان جنگ کرتے اور اللہ ﷻ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کی کوشش کرتے جیسے کہ انبیاء نے کیا تھا تو پھر یہ دنیا دار اپنی اصل شکل میں ان کے سامنے آتے۔ اور ان کو جیلوں میں بند کرتے ظلم واستبداد کرتے اور پھانسیوں پر لٹکاتے مگر یہ لاشعوری اور بے سمجھی میں ان کی حفاظت کا سامان کرتے رہتے ہیں۔

اسی وجہ سے یہ اولیاء بڑے مشہور ہوئے اور ان کے بڑے بڑے دربار بنے۔ جائدادیں ان کے درباروں کے نام وقف ہیں، اور ان کے مقابلے میں وہ لوگ جنہوں نے حکمرانوں اور ظالموں کو للکارا کہ اللہ ﷻ کی زمین پر ظلم نہ کرو اللہ ﷻ کی مخلوق کو تنگ نہ کرو اور اللہ ﷻ کا قانون نافذ کرو ان کو ان لوگوں نے جیلوں میں قید کیا تکلیفیں دیں اور پھانسی کے پھندے ان کی گردنوں میں ڈالے۔ اسی وجہ سے وہ اتنے شہرت یافتہ نہیں ہیں بلکہ لوگ ان کو برا جانتے ہیں کہ انہوں نے خوامخواہ حکومت سے ٹکر لی یہ لوگوں کو بس زبانی دین کی باتیں بتاتے رہے۔ حقیقت میں دین کو ان لوگوں نے سمجھا اور اس پر عمل کیا جیسے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، امام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ اور مجدد الف ثانی جیسے لوگ ہیں۔

اور جو لوگ حکمرانوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں انہوں نے مظلوموں کی بجائے ظالموں کی مدد کی ہے اور انہی کا ساتھ دیا ہے، مرزا غلام احمد قادیانی کے متبعین نے اس سلسلہ میں ایک رسالہ لکھا ہے کہ قرآن مجید کہتا ہے کہ اولوا الامر (حکمرانوں) کی اطاعت کرو خواہ وہ حکمران کافر ہی کیوں نہ ہوں۔

ایک اور واقعہ لکھا کہ جان کینیڈی رومن کیتھولک صدر بن گیا یہ امریکہ کا پہلا رومن کیتھولک صدر تھا۔ صحافیوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر کوئی کام امریکہ کے مفاد میں ہو اور کانگرس اس کا فیصلہ دے دے لیکن پوپ اس کے خلاف فتویٰ دے تو آپ کیا کریں گے تو صدر نے جواب دیا کہ میں استعفیٰ دے دوں گا۔

قادیانیوں نے لکھا کہ یہ عیسائیت کی غلطی ہے کہ وہ دین کو دنیا سے جدا کر دیتے ہیں اور حکمرانوں کی بجائے پوپ کی اطاعت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن اسلام حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیتا ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے اور آیت کو بھی غلط استعمال کیا حالانکہ اسی آیت کے پہلے حصے میں اللہ ﷻ اور رسول کی اطاعت کا حکم بیان کیا گیا ہے اور بالتبع حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے آیت کے الفاظ ہیں:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ [4/النساء: 59]

''اے مومنو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول اور حکمرانوں کی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔''

اس آیت میں اللہ اور رسول کے ساتھ اطاعت کا لفظ آیا ہے لیکن حکمران کے ساتھ نہیں آیا اور یہ بھی حکم ہے کہ اگر کسی معاملہ میں تمہارا اور حکمرانوں کا جھگڑا ہو جائے تو اللہ پاک اور اس کے رسول کے حکم کو مانو۔ آیت کا صاف معنیٰ ہے کہ ہر حال میں اللہ اور رسول کا کہا مانو، اسی لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہو صاحب الہام اگر بندۂ آزاد
ہے اس کی نگہ فکر و عمل کے لئے مہمیز
محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارتِ گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

اصلی امام اور مجدد کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کو ظالموں کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے تو لوگوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے لوگوں میں ولولہ پیدا ہوتا ہے اور لوگ دلیر ہو کر میدانوں میں ظالموں کو پکارتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔ جیسے انبیاء نے لوگوں کو پکارا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر میدانوں میں آ گئے۔ کمزور لوگ بہادر اور طاقت ور بن گئے اور انہوں نے فرعونوں اور نمرودوں کو پکارا کہ آؤ مقابلہ کر لو یہاں تک کہ لونڈیاں حکمرانوں کو للکارنے لگیں۔

مگر جو نقلی اور جعلی امام اور مجدد ہوتے ہیں وہ لوگوں کو غلامی اور جھکنے کا سبق دیتے ہیں اور مرزا غلام احمد قادیانی جیسے مجدد حکومت برطانیہ کو اللہ کا سایہ اور رحمت قرار دیتے ہیں اور ان کی اطاعت کا سبق پڑھاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں نے اسی (80) الماریاں کتابوں سے بھر دی ہیں جن میں انگریز کی اطاعت اور غلامی کا درس دیا ہے۔

اب دیکھیں ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو للکارا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ٹکر لی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رومیوں کے مقابلہ میں آئے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش سے جنگ کی۔ یعنی جو

تحریک بھی ظالموں کے خلاف جہاد کا اعلان کرے وہ سچ پر مبنی ہوگی اس کا طریقہ کار غلط ہو سکتا ہے لیکن وہ ہوگی انبیاء کی تعلیمات پر، آپ اس سے اصلی اور نقلی کی پہچان کر سکتے ہیں۔

جہاد صرف جنگ کا ہی نام نہیں بلکہ ہر وہ کوشش جو آپ اسلام کو غالب کرنے کے لئے کرتے ہیں جہاد ہے۔ اللہ نے مکی سورتوں میں جہاد کا حکم دیا حالانکہ مکہ میں کوئی جنگ نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴾ [25/الفرقان: 52]

''اے نبی! قرآن کے ساتھ ان لوگوں کے خلاف جہاد کرو۔''

جہاد جان مال، دولت علم اور قلم ہر چیز کیساتھ ہوتا ہے جنگ آخری مرحلہ ہوتا ہے جس سے حق غالب آ جاتا ہے۔ یا دوسری کوئی صورت ہو جاتی ہے اور جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنا کام کرنا چاہئے جنگ و جدال نہیں کرنا چاہئے، اللہ جس کو چاہے گا حکمران بنا دے گا، وہ غلطی پر ہیں۔ جیسے یزید نے کہا تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے غلط کام کیا ہے جو جنگ کیلئے تیار ہو گئے حالانکہ حکومت اللہ کی ہے جس کو وہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور یہ آیت پڑھی:

﴿ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ [3/ال عمران: 26]

''اے نبی کہو: اللہ تو بادشاہی کا مالک ہے جس کو چاہے بادشاہی عطا کرے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے جس کو چاہے عزت دے جس کو چاہے ذلیل کر دے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔''

حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ جس کو حکومت مل جائے وہی اس کا مستحق ہے یہ تو آزمائش کے لئے ہوتی ہے۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے خلاف کیوں آواز اٹھائی، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کیوں ٹکر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روم و ایران کے حکمرانوں کے خلاف جنگ کیوں کی۔

صوفیاء اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ اللہ نے اس شخص کو حکمران بنایا ہے اگر وہ چاہتا تو نہ بناتا یہ بھی دین کے خلاف بہت بڑی گمراہی ہے۔ اسلام ہر اس حکمران کے خلاف اعلان جنگ

کرتا ہے جو زمین پر اللہ تعالیٰ کے قانون کے علاوہ کوئی دوسرا نظام نافذ کرتا ہے۔ زمین اللہ کی مخلوق اللہ کی، لہٰذا قانون بھی اسی کا چلے گا اور کوئی مومن اور مسلمان اللہ پاک کے دین کے علاوہ کسی نظام اور قانون کو برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ تلوار اٹھائے گا اور میدان جنگ میں آجائے گا اور اپنا تن من دھن قربان کردے گا اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی ہر کوشش کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو دین پیش کیا وہ تمام انسانوں کو برابر قرار دیتا ہے حکمران اور غلام میں بحیثیت انسان کوئی فرق نہیں کرتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں اور محکوموں کو اتنا بلند کیا کہ وہ حکمرانوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کیا کرتے تھے۔ اور عمر رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو، جو آزاد کردہ غلام تھے، سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ حکمران جو بلند مرتبہ سمجھے جاتے تھے عام سطح پر آ گئے اور غلام جو زیردست سمجھے جاتے تھے بلند ہو گئے اور سب کی سطح برابر ہو گئی جیسے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا

ایک ہی صف میں کھڑے ہوگئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

حکمران فقیر بن گئے۔ رعایا اچھا لباس پہنتی تھی۔ اور حکمران پیوند لگے لباس پہنتا۔ لوگوں کے بچے نیا لباس پہنتے تھے اور خلیفہ کے بچے پھٹا پرانا، لوگ آرام سے سوتے تھے۔ اور خلیفہ راتوں کو گشت کرتے تھے۔ اسی لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا

ان کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

یہ لوگ بادشاہی کب کرتے تھے یہ تو حکمران بن کر فقیر بن گئے تھے۔ ان لوگوں نے صرف دین نہیں بلکہ اس کے ساتھ دنیا کا نظام بھی چلایا اور دنیا کے لئے مثال قائم کر گئے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو بنی امیہ کے حکمران تھے۔ خلیفہ بننے سے پہلے وہ قیمتی اور نفیس لباس پہنتے تھے اور جو لباس ایک مرتبہ پہن لیتے دوبارہ نہیں پہنتے تھے۔ لیکن جب یہ خلیفہ بن گئے تو ان کی حالت یہ ہوگئی کہ ایک مرتبہ ایک عورت کوفہ سے فریاد لے کر آئی اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المؤمنین کا محل کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: ان کا محل کیسا! وہ تو ایک سادہ مکان میں رہتے ہیں وہ آپ کے گھر گئیں اور آپ کی بیوی فاطمہ کے پاس بیٹھ گئیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ آئے اور سلام کر کے کنویں سے پانی نکالنے لگے اور مٹی میں ڈالنے

لگے تا کہ گارا بن جائے اور ساتھ ساتھ اپنی بیوی کی طرف بھی دیکھتے جاتے تو اس عورت نے کہا (جو آپ کو پہچانتی نہ تھی) یہ آپ کا غلام بہت بے حیاء ہے بار بار ہماری طرف دیکھ رہا ہے تو آپ کی بیوی نے کہا کہ یہی امیر المؤمنین ہیں تو وہ حیران رہ گئی اس نے سوچا امیر المؤمنین خود اس حال میں ہیں میری کیا مدد کریں گے مگر آپ کی بیوی نے کہا یہ سب حال امیر المؤمنین کا تمہاری وجہ سے ہے۔ وہ رعایا کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں لیکن اپنی کوئی پرواہ نہیں۔ مانگ جو چاہتی ہے اس نے کہا میں چھ بیٹیوں کی ماں ہوں اب وہ بڑی ہو چکی ہیں ان کی شادی کرنی ہے اس لئے میری کچھ مدد کردیں۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وقت کاغذ قلم منگوایا اور اسے پروانہ لکھ دیا اور کہا: کہ واپس جا کر کوفہ کے گورنر کو یہ کاغذ دے دینا! وہ تمہاری مدد کردے گا، جب یہ عورت کوفہ کے گورنر کے پاس پہنچی اور اسے کاغذ دیا تو گورنر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے (امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز وفات پا چکے تھے گورنر کو پتہ تھا لیکن اس عورت کو پتہ نہیں تھا) وہ عورت گھبرا گئی کہ معلوم نہیں امیر المؤمنین نے کیا لکھ دیا تو گورنر نے کہا: بہن گھبراؤ نہیں! امیر المؤمنین جن کا تو رقعہ لائی ہے! اب وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ لیکن تو پریشان نہ ہو اگر تو یہ رقعہ آپ کی وفات کے کئی سال بعد بھی لاتی تو میں اس کی تعمیل کرتا کیونکہ عمر نے ہماری گردنوں پر حکومت نہیں کی بلکہ دلوں پر حکومت کی ہے اور میں اس رقعہ کا اتنا ہی احترام کرتا ہوں جتنا آپ کی زندگی میں آپ کے حکم کا احترام کرتا تھا۔

اللہ دین اور دنیا دونوں قائم رکھنے کا حکم دیتا ہے یہ دونوں لازم وملزوم ہیں اگر کوئی دنیا چھوڑ دے تو یہ بھی درست نہیں، بلکہ اسلام ان دونوں کے حسین امتزاج کا نام ہے دونوں کو اپنے اپنے موقعہ پر استعمال کریں جب دنیا کے کسی کام کا وقت آئے تو سب سے بڑے دنیا دار بن جاؤ۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ جب دنیا کا کوئی کام کرو تو پوری کوشش اور محنت سے کرو جیسے یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب دین کا کوئی کام آجائے تو پھر سمجھیں کہ یہی کام میری زندگی کا مقصد ہے جب جہاد وغیرہ کا موقعہ آجائے تو پھر سمجھیں کہ اب میری زندگی کے آخری لمحات ہیں یعنی ہر کام کو جس کا بھی وقت ہو پوری محنت اور جدوجہد سے کرنا ہی اسلام کا تقاضا ہے۔

حدیث میں آتا ہے: اگر کوئی شخص پودے لگا رہا ہو اور آخری پودا لگانے لگا ہو اور ادھر قیامت آجائے تو اسے وہ پودا لگا دینا چاہئے۔ [1]

یعنی کسی کام کو بھی ادھورا نہ چھوڑیں بلکہ ہر کام چستی سے کریں دنیا بھی اللہ نے ہمارے لئے

[1] الاحادیث الصحیحہ: 38/1، حدیث: 9،

ہی بنائی ہے ہمیں اس کو بہتر سے بہتر بنانا چاہئے اعلیٰ سے اعلیٰ سہولت کا فائدہ اٹھانا چاہئے لیکن دل میں اس کی محبت کو جاگزیں نہیں کرنا چاہئے جیسے کشتی کے لئے پانی ضروری ہے مگر کشتی سے باہر، اگر پانی اندر آ گیا تو کشتی ڈوب جائے گی اسی طرح مال و دولت لازمی چیز ہے لیکن اس کی محبت دل میں نہ ہو، جیسا کہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

غریب الدیار ہوں لیکن
تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

انسان خطا کار ہے قصوروار ہے لیکن دنیا میں یہ رونقیں انسان ہی کی وجہ سے ہیں، زمین سادہ تھی انسان نے اس پر خوبصورت عمارتیں، بہترین سڑکیں، شاندار پل اور چمکتی روشنیاں لگائیں۔ انسان نے دنیا کو آباد کیا فرشتے اس جہان کو آباد نہ کر سکے۔ اسلام نے ہر کام کو دین کا ہو یا دنیا کا اسے اللہ کے احکام کے مطابق پوری محنت سے کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾

''اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔''

کیونکہ وہ ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ''تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

شیطان ہر وقت یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے احکام سے روک کر گمراہی اور بدی کے کاموں میں ڈال دے، وہ بڑی چالوں سے لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ کسی کو دین کے نام پر دنیا چھوڑنے کا جھانسا دیتا ہے۔ اور کسی کو کہتا ہے کہ دین کی یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں انہیں چھوڑنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اور بڑے بڑے لوگوں کو اس نے اس طرح گمراہ کیا اور کچھ لوگوں کو دین سے بیزار کرتا ہے۔ کہ یہ ملاؤں کا فساد ہے تم اس گمراہی اور قدامت میں مبتلاء نہ ہو جانا اور سہانے سہانے خواب اس کو دکھاتا۔ اکثر لوگوں کو وہ دنیا کے چکر میں پھنسا کر گمراہ کر دیتا ہے۔

جب تاتاریوں نے مسلمانوں کی قتل و غارتگری کی اور ہر طرف پھیل گئے اور ان کا رعب دلوں پر پھیل گیا تو لوگوں نے مشہور کر دیا جو کچھ کوئی کہے وہ سچ ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ بات کوئی کہے کہ تاتاریوں کو شکست ہوگی تو یہ صحیح نہ مانو اتنی دہشت اور رعب ان کا پڑ چکا تھا۔ جب وہ کسی ملک پر حملہ کرتے تو ہر طرف لاشوں کا انبار لگا دیتے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیتے اور کوئی مقابلہ کیلئے ان کے سامنے کھڑا نہیں ہوتا تھا اور بھاگنے والوں کو کوئی دوسرا ملک پناہ بھی نہیں دیتا تھا کہ کہیں اسکی وجہ سے ہمارے ملک پر حملہ نہ ہو جائے۔

تو اس وقت کون اٹھا ایک عالم دین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اٹھا انہوں نے دمشق کے حکمران کو کہا کہ اتنی تعداد میں مسلمان موجود ہیں اور آپ علاقوں کے علاقے تاتاریوں کے ڈر سے خالی کر رہے ہیں، حکمران کہنے لگا: امام صاحب آپ پاگل ہو گئے ہیں! تاتاریوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ہے ان کو کوئی شکست نہیں دے سکتا ہے، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں دے سکتا آپ نے جہاد کے موضوع پر اتنے خطبے دیئے کہ لوگ آپ کے خطبات سے متأثر ہو کر جہاد کیلئے تیار ہو گئے اور آپ پہلے شخص ہیں جن کے لشکر نے تاتاریوں کو شکست دی اور اس سے ان کا رعب جاتا رہا اور وہ پیچھے ہٹتے گئے اور مسلمان آگے بڑھتے گئے۔

جب ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ میدان میں نکلے تو ایک شخص نے پکارا یا خالد بن ولید! آپ نے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ ایک بندے کو پکارتے ہو! اسی وجہ سے پہلے تمہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ سے مدد مانگو اور کہو:

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾

''اے اللہ تعالیٰ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔''

انہوں نے جہاد کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیابی نصیب فرمائی۔ اسلام دین اور دنیا دونوں کا نام ہے اور ان کو اپنے اپنے وقت پر سر انجام دینا ہی حقیقی فلاح کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

❁❁❁

نماز

﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ﴾ [7/الاعراف: 170]

’’اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں ان کو ہم اجر دیں گے ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔‘‘

اللہ نے اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ اس میں تمام نیک کاموں کا ذکر آ گیا ہے۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تمام نیک کاموں، جن میں روزہ، زکوۃ، حج، لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے جیسے احکام شامل ہیں، کو چھوڑ کر صرف نماز کا الگ سے ذکر کیا ہے کہ وہ نماز باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ نماز دین کا ستون ہے۔ اگر کوئی نماز کا اہتمام نہیں کرتا اس کے سامنے دین بیان کرنے کا فائدہ نہیں۔

مکہ مکرمہ میں جب رسول ﷺ پر دین کے باقی احکام نازل نہیں ہوئے تھے اس وقت بھی نماز کا حکم تھا۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز نماز تھا۔ اور جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو آخری حکم بھی نماز کے بارے میں تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جب طور پر گئے تو اللہ کا پہلا حکم نماز کے بارے میں تھا:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴾

’’میری یاد کے لئے نماز پڑھو۔‘‘

نماز کا حکم اس لئے دیا کہ لوگوں کو اپنا رب یاد رہے۔ بار بار نماز پڑھنے کا حکم اس لئے دیا کہ انسان کو ہر وقت اپنا رب یاد رہے۔ جو شخص اپنے رب کو بھول جاتا ہے وہ مردہ ہے۔ وہ زندہ ہونے کے باوجود مر چکا ہے۔

اللہ سورۂ انعام میں فرماتا ہے:

﴿اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ﴾

’’جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور اس کے لئے روشنی کر دی جس کے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔‘‘ [6/الانعام: 122]

ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح بخاری میں موجود ہے:

﴿قَالَ النَّبِيُّ ﷺ مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ﴾

’’رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کو یاد کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی سی ہے اور جو یاد نہیں کرتا اس کی مثال مردے کی سی ہے۔‘‘

جس شخص کو اپنا رب یاد رہتا ہے اور جس نے اسے بھلا دیا ہے ان دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا ایک زندہ شخص اور مردہ شخص میں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی ماں کی گود میں کلام کیا تو اس وقت کہا:

﴿وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ [19/مریم: 31]

’’اور میں جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوۃ کا حکم دیا گیا ہے۔‘‘

سورۂ مریم میں اللہ اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتا ہے کہ وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے۔ اس کے بعد فرماتا ہے:

﴿وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا﴾

’’اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے وہ اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ اور برگزیدہ تھے۔‘‘ [19/مریم: 55]

اسی طرح سورۂ انبیاء میں اللہ ابراہیم علیہ السلام پر بھیجی گئی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق اور یعقوب علیہما السلام عطا کئے اور سب کو نیک بنایا اور اس کے بعد فرمایا:

﴿وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ﴾

’’اور ہم نے ان کو امام بنایا ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہمارے عبادت گزار تھے۔‘‘ [19/مریم: 55]

تمام عبادات میں سے نماز سب سے مقدم ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: ایمان باللہ اس

کے بعد آپ نے فرمایا: نماز اپنے وقت پر ادا کرنا۔ [1]

قرآن پاک میں جتنا نماز پر زور دیا گیا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنی اس کی اہمیت بیان کی ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ نماز کے بغیر دین کچھ نہیں' اب جب کہ لوگوں کی اکثریت بے نماز ہے۔ وہ کلمہ تو پڑھتے ہیں اور خود کو مسلمان بھی کہلواتے ہیں، ان کیلئے ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کی تاویلیں کرنی پڑیں کہ آپ کے فرمان کا کوئی اور مطلب تلاش کیا جائے تا کہ ان لوگوں کو کافر ہونے سے بچایا جائے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اس سلسلے میں بہت واضح ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوة))

''بندے اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہے۔'' [2]

جب وہ نماز چھوڑ دیتا ہے تو اس کا دین ختم ہو جاتا ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اور اس کے کئی صدیاں بعد بھی کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کلمہ پڑھنے والا شخص بے نماز بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت بھی لوگوں سے گناہ سرزد ہو جاتے تھے۔ کئی لوگوں نے شراب بھی پی اور زنا بھی کیا، مگر کوئی بے نماز نہیں تھا حتیٰ کہ جو لوگ منافق تھے وہ بھی نماز پڑھتے تھے البتہ وہ نماز ادا کرنے میں تساہل برتتے تھے۔ دیر سے نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے لئے آتے تو یوں محسوس ہوتا کہ کوئی انہیں کھینچ کر لا رہا ہے۔ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو جلدی جلدی رکوع سجود کرتے۔ اس سے ان کی پہچان ہوتی کہ یہ لوگ منافق ہیں۔ ورنہ نماز وہ بھی ادا کرتے تھے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"العهد الذی بيننا و بينهم الصلوة من ترك الصلوة فقد كفر"

''آپ نے فرمایا لوگو! ہمارا اور تمہارا معاہدہ ہی نماز کا ہے جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہے۔''

عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب گناہ کے مرتکب شخص کو فاسق سمجھتے تھے سوائے تارک نماز کے۔ اس کے بارے میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفق تھے کہ نماز ترک کرنے والا کافر ہے''۔

[1] الترغیب والترہیب: 256/1، ح ا، البشیر والنذیر: 278/1، صحیح بخاری صحیح مسلم سنن ترمذی،

[2] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ: 99/2، مشکوٰۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الصلوٰۃ: 263/1، ح: 569، صحیح مسلم

ایک شخص نے امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ ہمارے علاقے میں ایک عالم دین ہے وہ نماز نہ پڑھنے والے شخص کو کافر کہتا ہے اور اس کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے کہ ایسے شخص کا نہ تو نماز جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے۔

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس خط کے جواب میں اپنے فتاویٰ میں دو تین صفحات لکھے جس میں فرمایا: کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہوتا گناہ گار ہوتا ہے۔ مگر کچھ افعال ایسے ہیں جس کا مرتکب کافر ہوگا جیسے کوئی مسلمان بت کو سجدہ کردے یا کوئی بد بخت قرآن پاک کی بے ادبی کردے یا کوئی کلمہ گو رسول اللہ کو گالی دے۔ ان تمام افعال کا مرتکب کافر ہوگا۔ بعض افعال ہی ایسے ہیں جو علامات کفر میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز کا ترک کرنا بھی اس زمانے میں کفر شمار ہوتا تھا مگر جب لوگوں کی اکثریت سستی اور کاہلی کی وجہ سے بے نماز ہوگئی تو علماء کو اس بارے میں نرمی کرنا پڑی۔ ورنہ تمام ائمہ کا متفق فیصلہ یہی تھا کہ تارک نماز کے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں۔

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ذوالحجہ کا محترم و مبارک مہینہ تھا جب ایک بد بخت ابو فیروز ابو لولوء نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت خنجر سے زخمی کر دیا جب آپ فجر کی نماز کی امامت کے لئے اللہ اکبر کہہ رہے تھے۔ جب آپ زخمی ہو کر گر پڑے تو لوگوں نے انہیں ایک طرف لٹا کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی۔

نماز کے بعد لوگ عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں اٹھا کر گھر لے گئے اس وقت آپ بے ہوش تھے۔ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور پوچھا کہ امیر المومنین نے نماز ادا کر لی ہے؟ لوگوں نے کہا آپ دیکھ نہیں رہے امیر المومنین کس حالت میں ہیں انہیں نہ ہوش ہے اور خون بھی بہہ رہا ہے۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ لوگ ان کی تکلیف کی فکر نہ کریں انہیں ہوش میں لا کر نماز کے بارے میں آگاہ کریں۔ انہیں زیادہ تکلیف اس بات کی ہوگی اگر وہ نماز نہ پڑھ سکے۔ لوگ آپ کو ہوش میں لائے اور نماز کے لئے کہا: آپ نے اسی حالت میں نماز ادا کی کہ خون بہہ رہا تھا۔ اس وقت آپ نے فرمایا: جس شخص نے نماز ادا نہیں کی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔ آپ تین دن تک اسی حالت میں نماز پڑھتے رہے کہ زخموں سے خون بہتا تھا۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب حق بات کہنے کی پاداش میں زیر عتاب تھے (امام صاحب کو

اس جرم میں کہ وہ ایک مسئلہ میں حکومت وقت سے اختلاف رکھتے تھے روزانہ دس کوڑے مارے جاتے اور اس کے لئے ہر روز نیا جلاد لایا جاتا۔ تاکہ وہ پوری طاقت سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ننگی پیٹھ پر کوڑے برسائے۔) آپ اسی حالت میں کہ آپ کی پیٹھ سے خون بہہ رہا ہوتا ظہر کی نماز ادا کرتے۔ اس وقت کے درباری ملا کہتے: کہ احمد تمہاری تو نماز ہی ادا نہیں ہوتی کیونکہ تمہارے زخموں سے خون بہہ رہا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی نماز بھی ہوتی تھی۔

ایک عالم نے کہا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تو شریعت کے مطابق جواب دیا اور اس کے لئے عمر رضی اللہ عنہ کا حوالہ دے دیا۔ اگر میں اس وقت ہوتا تو ان سے کہتا: کہ امام اہلسنت کا خون تمہارے عطر سے زیادہ پاکیزہ اور محترم ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے دین کی خاطر مار کھاتا ہے اور تم جھوٹے فتوؤں کے عوض حکومت سے وظیفے لیتے ہو۔

بندہ کسی حالت میں بھی ہو، اس کا پیشاب بہہ رہا ہو، خون نکل رہا ہو وہ ایک دفعہ شریعت کے حکم کے مطابق استنجا اور وضو کرے اور نماز ادا کرے بے شک اس کی ران پر پیشاب بہتا رہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مؤطا میں لکھتے ہیں: کہ تو نماز ادا کر بے شک تیرا پیشاب بہتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کو تیری مجبوری کا علم ہے اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ انسان ہر حالت میں میرے سامنے جھکے۔

نماز ایک ایسا عمل ہے جس کے بارے میں کوئی رعایت نہیں جس وقت تک انسان کے ہوش وحواس قائم ہیں نماز معاف نہیں ہوتی۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَهُنَّ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَ هُنَّ وَصَلَاتَهُنَّ لِوَقْتِهِنَّ وَاَتَمَّ رُكُوْعَهُنَّ وَخُشُوْعَهُنَّ كَانَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ اَنْ يَغْفِرَ لَهُ وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَلَيْسَ لَهُ عَلَى اللهِ عَهْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ﴾

''پانچ نمازیں فرض ہیں جن کو فرض کیا اللہ نے۔ جو کوئی اسے ادا کرنے کے لئے اچھی طرح وضو کرے گا وقت پر ہر نماز ادا کرے گا اور پورا رکوع کرے گا اور خشوع سے ادا کرے گا (یعنی دل لگا کر) اللہ کا اس سے مغفرت کا وعدہ ہے اور جو ایسا نہیں کرے گا اس کے ساتھ اللہ کا کوئی وعدہ

نہیں معاف کرے یا عذاب دے''

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نماز میں دل حاضر نہیں ہوتا اس میں خدشہ ہے کہ ثواب کی بجائے عذاب نازل ہو۔

ایک بزرگ خلف بن ایوب کسی ایسے علاقے میں رہتے تھے جہاں مکھیاں بہت تھی جب وہ نماز پڑھتے تو مکھیاں انہیں کاٹتی رہتیں مگر آپ انہیں نہ اڑاتے۔ نماز پڑھتے رہتے۔ لوگوں نے کہا: کہ خلف تم نماز کے دوران مکھیوں کو کیوں نہیں اڑاتے؟ حالانکہ شریعت میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ حضرت خلف بن ایوب نے جواب دیا: کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ جب پولیس شطرنج کھیلنے والوں کو پکڑ کر کوڑے مارتی ہے تو وہ لوگ بہادری دکھانے کے لئے نہ تو ہائے وائے کرتے ہیں اور نہ ہی حرکت کرتے ہیں تاکہ پولیس انہیں بزدل نہ سمجھے میں رب کائنات کے دربار میں کھڑے ہو کر مکھی کو اڑانے کے لئے ہاتھ ہلاؤں یہ مجھے گوارا نہیں اللہ کے دربار میں اس یقین کے ساتھ کھڑا ہونا ہے کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

کتابوں میں محمد ابن منکدر کا تذکرہ ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی ماں اور بہن کے ساتھ رات کو جاگنے کا یہ نظام الاوقات بنا رکھا تھا کہ رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا ایک حصہ بہن جاگتی اور تہجد ادا کرتی دوسرا حصہ ماں جاگتی اور تیسرا حصہ وہ خود جاگتے نوافل ادا کرتے۔ بہن کا انتقال ہوا تو رات کو دو حصوں میں بانٹ لیا جب ماں بھی مرگئی تو محمد ابن منکدر ساری رات جاگتے اور نوافل ادا کرتے کہتے کہ گھر میں کوئی لمحہ اللہ سے غفلت کا نہیں ہونا چاہیے وہ لوگ تہجد اور نوافل کا ایسا اہتمام کرتے تھے۔

دوسری طرف ہماری یہ حالت ہے کہ ہم پر دن میں سترہ رکعتیں بھاری ہیں۔ ہم وہ اس طرح ادا کرتے ہیں جیسے ہم سے زبردستی کوئی کام کروایا جائے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں تو اللہ نے فرمایا ﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ کہ ''وہ اپنی نماز سے غافل ہیں۔''

نماز کی بروقت ادائیگی کتنی اہم ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ حالت جنگ میں بھی قضا کی اجازت نہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا: کہ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک کو میدان جنگ میں رہنے دو۔ دوسرا حصہ ایک رکعت ادا کرلے۔ دونوں سجدوں کے بعد سلام پھیر کر میدانِ جنگ میں چلا جائے تو دوسری جماعت آکر نماز میں شریک ہو جائے۔ اس طرح دو رکعت مکمل کریں۔ اللہ نے میدانِ جنگ میں نماز کی رخصت نہیں دی تو کسی اور جگہ

کیسے رخصت مل سکتی ہے۔

نماز پر اتنا زور اس لئے دیا گیا کہ انسان نماز کے ذریعے اپنے رب سے جڑا ہوا ہے۔ اگر نماز نہیں تو اس کا رب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اگر وہ اپنے رب کو بھول گیا تو دنیا کی کوئی طاقت اسے سیدھے راستے پر نہیں چلا سکتی۔ یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جو اسے صراط مستقیم پر رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں وہ نماز کا اہتمام والتزام کرتے ہیں۔ انسان کی کیفیت یہ ہو کہ اس کا دل نماز کے لئے بے چین رہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے دن میدانِ حشر میں جب ہر طرف سورج آگ برسا رہا ہوگا تو سات گروہ ایسے ہیں جنہیں اللہ اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جس کا دل کاروبار کے دوران بھی مسجد میں لگا رہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید تھے۔ انہوں نے حج کیا تو اس سفر کے حالات فارسی زبان میں قلمبند کئے۔ اس وقت حج کرنا بہت مشکل تھا۔ پہلے کئی ماہ کا پیدل سفر کرنا پڑتا۔ اس کے بعد سمندری جہاز میں سوار ہوتے اور کئی ماہ بعد بادبانی جہاز جدہ پہنچتے۔ وہ بزرگ جب سفر کے لئے روانہ ہوئے تو جس شہر سے بھی گزرتے لوگوں سے پوچھتے کہ اس شہر میں کوئی نیک بزرگ رہتا ہے یا ماضی میں کوئی اللہ کا ولی یہاں تھا۔ لوگ کسی زندہ بزرگ کے بارے میں بتاتے تو اس سے ملاقات کرتے اگر کسی فوت ہونے والے بزرگ کا پتا چلتا تو اس کی قبر پر حاضر ہو کر دعا کرتے۔

گجرات کاٹھیاواڑ پہنچے تو اسی طرح لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی بزرگ ہو گزرا ہے تو لوگوں نے ایک بزرگ کے بارے میں بتایا کہ ان کا نام محمد رافع رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ وہ کپڑا بُننے کا کام کرتے تھے۔ جب اذان کی آواز سنتے تو اپنا کام وہیں روک دیتے۔ چاہے تھان مکمل ہونے میں ایک دو دھاگوں کی کسر ہوتی۔ فرماتے: کہ ''اب مالک کائنات نے اپنے دربار میں بلایا ہے دنیا کے تمام کام اس کے حکم کے سامنے ہیچ ہیں۔''

ایک دن ان سے کوتاہی ہوئی تھوڑا سا کام باقی تھا سوچا کہ اسے مکمل کرلوں۔ کام مکمل کر کے مسجد میں گئے۔ وضو کرنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا۔ نکالا تو ڈول سونے کی اشرفیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اشرفیوں کو کنویں میں پھینکا اور زاروقطار رونے لگے۔ کہا: کہ یاالٰہی! میری گستاخی کا جواب تو نے دے دیا کہ پہلے مجھ سے محبت تھی آج دنیا سے محبت کا مظاہرہ کیا۔ فوراً سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔

اللہ نے سورۂ نور میں فرمایا:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ﴾

''یعنی ایسے لوگ جن کو خدا کے ذکر سے تجارت غافل نہیں کرتی حتیٰ کہ انہیں فروخت (بیع) بھی اس سے غافل نہیں کرتی۔'' [24/نور:37]

تجارت میں خرید و فروخت دونوں چیزیں آ گئیں تھیں مگر اللہ نے فروخت کو علیحدہ سے ذکر کیا خریدنے کی بات ہو تو انسان سوچتا ہے کہ کوئی بات نہیں بعد میں خرید لیں گے مگر جب دوکان پر گاہک کھڑے ہوں اس وقت نماز کا وقت آ جائے تو بہت مشکل ہو جاتی ہے کہ انہیں فارغ کئے بغیر نماز کے لئے جائے۔

اللہ نے فرمایا: جو میرے بندے ہیں انہیں فروخت بھی میری یاد سے غافل نہیں کرتی۔ انہیں جو لذت نماز سے ملتی ہے اس سے دنیا میں معراج نصیب ہو جاتی ہے۔ جب بندہ نماز پڑھتا ہے وہ اپنے رب سے باتیں کرتا ہے۔ اگر بندہ اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرے تو اسے محسوس ہوگا کہ نماز سے زیادہ لذیذ چیز اس دنیا میں کوئی اور نہیں۔

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت سے نمازی ایسے ہیں جنہیں نماز سے صرف یہ حاصل ہوتا ہے کہ انہوں نے محراب دیکھ لی اور مشقت برداشت کی۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو دائماً اللہ کی یاد میں لگے رہتے ہیں۔ اگر نماز درست ہو جائے دین کی ساری عمارت درست ہوگی۔ اگر نماز میں خرابی ہوگی تو دین کی ساری عمارت ٹیڑھی ہوگی۔ اللہ نے سورہ مریم میں قوموں کے زوال کی وجوہات بیان فرمائی ہیں:

﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [19/مریم:59]

''پھر ان کے چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑ دیا گویا اسے کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب انہیں گمراہی کی سزا ملے گی۔''

آج بڑے بڑے دانشور اور فلاسفر اس بات پر غور کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کیوں انتشار اور زوال کا شکار ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کی اقتصادی اور معاشی وجوہات ہیں کسی

کے خیال میں تعلیم اور ٹیکنالوجی سے عدم دلچسپی اس کی وجہ ہے۔ یہ باتیں بھی اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ مگر اللہ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ ناخلف جانشین نماز کے قائم کرنے میں غفلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں وہ بے لگام ہو جاتے ہیں اور خواہشات نفسانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں رفتہ رفتہ وہ عیاشی میں مبتلا ہو کر ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اس سے تحقیق اور ترقی کا عمل رک جاتا ہے اور قوموں پر زوال آ جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اللہ تعالیٰ سورہ حج میں فرماتا ہے:

﴿ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ [22/حج:41]

”میں اس دنیا میں خلافت الٰہیہ ان لوگوں کو دیتا ہوں جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔“

اس میں دنیاوی حکومت کا ذکر نہیں اسلامی حکومت کا ذکر ہے۔ اس کی پہلی ذمہ داری سلطنت میں نظامِ صلوٰۃ قائم کرنا ہے۔ ملک میں امن وامان کا انتظام عدلیہ، پولیس اور دیگر اداروں کا قیام بعد کی بات ہے۔ سب سے پہلی ذمہ داری نماز کا اہتمام ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنروں کو ایک خط لکھا جس میں کہا کہ تمہاری سب سے پہلی ذمہ داری نماز کا قیام ہے۔

آپ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں مسلمانوں کو اس وقت تک عروج رہا جب تک اسلامی مملکت میں نماز کا اہتمام رہا۔ خلیفہ وقت دارالحکومت میں نماز کی امامت کرواتا۔ اس کے گورنر صوبوں میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے۔ خلیفہ حج کے دوران امیر حج ہوتا اور عرفات کے میدان میں خطبہ دیتا۔

بہت سے علماء نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے کی دلیل ہی یہ قائم کی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام میں مسجد نبوی میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اور جو مسلمانوں کی نماز میں امامت کرواسکتا ہے وہ خلیفہ بننے کا اہل اور مستحق ہے۔ نماز کی امامت کروانا سب سے معزز اور محترم مقام ہے۔ مسلمانوں میں زہد وتقویٰ کے لحاظ سے جو سب سے بلند مقام پر ہوتا وہی مسلمانوں کا خلیفہ ہوتا اور وہی ان کی امامت کے فرائض سرانجام دیتا۔

مسلمانوں میں جب ملوکیت آئی تو سب سے پہلے یہ ہوا کہ خلیفہ نے اپنے محل میں مسجد قائم کر کے مسلمانوں سے الگ نماز پڑھنی شروع کی۔ آہستہ آہستہ نماز پڑھنا ہی چھوڑ دی۔ جب سے

نماز چھوٹی دن بدن ان کی حکومت سمٹتی چلی گئی اور کافر غالب آتے گئے

فقیراں چو بہ مسجد صف کشیدند
گریبانِ شہنشاہاں دریدند

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلمانوں کے زوال کی جو وجہ بیان کی وہ یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں جب مسلمان مسجد میں ایک صف میں کھڑے ہو کر نمازیں پڑھتے تھے اس وقت نہ ان کے پاس اسلحہ تھا نہ دیگر دنیاوی سامان تھے۔ مگر انہوں نے نماز کی روحانی طاقت سے قیصر وکسریٰ کے گریبان چاک کر دیئے اور اس وقت کی دوسپر طاقتوں کو ملیامیٹ کر دیا۔

ولے چوں دلِ میانِ سینہ افسرد
مسلماناں بہ درگاہاں خزیدند

مگر جب سے مسلمانوں کے سینے سے وہ جوش وجذبہ کم ہوا ہے وہ درگاہوں اور خانقاہوں میں گھس گئے ہیں۔ اس بے عملی کا نام تصوف اور طریقت رکھ دیا ہے۔ مسلمان دنیا میں ذلیل ورسوا ہو گئے ہیں۔ ان کے ملک غیروں نے چھین لئے ہیں۔ جہاں مسلمان حکمران ہیں وہ بھی کفار کے غلام اور ایجنٹ ہیں شیطان نے اپنی ذریت کو یہی پیغام دیا تھا

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

جب مسلمانوں کی حکومت ان لوگوں کے ہاتھ میں تھی جو نماز کا اہتمام کرتے تھے وہ خلقِ خدا کے لئے رحمت تھی۔ نمازیں پڑھ کر ان کے دل اللہ کی عظمت اور بڑائی کے آگے بچھ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہی خوف انہیں بے راہ رو نہیں ہونے دیتا تھا۔

عمر رضی اللہ عنہ شام گئے راستے میں وہ اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ایک طرف نکل گئے وہاں دیکھا کہ ایک جھونپڑے میں بوڑھی عورت بیٹھی ہے عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سلام کیا اور پوچھا اماں! عمر کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ عورت نے کہا: قیامت کے دن عمر کا دامن ہو گا اور میرا ہاتھ ہوگا۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کی بات سن کر کانپ گئے پوچھا؟ اماں کیا بات ہوئی! اس عورت نے کہا وہ جب سے خلیفہ بنا ہے اس نے میری خبر نہیں لی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا؟ اماں!

کیا تم نے کبھی عمر کو اپنے حالات سے آگاہ کیا۔ اسے مدینے میں بیٹھے کیا معلوم تیری ک
حالت ہے۔ اس عورت نے کہا: اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اگر اسے اپنی رعایا ک
حالات کا علم نہیں۔ عمر ؓ بعد میں فرماتے: کہ خلافت کی حقیقت سے مجھے شام کی اس بوڑھ
عورت نے آگاہ کیا۔

وہ لوگ اپنے رب کے سامنے جھکتے تھے اس لئے انہیں مخلوق خدا کا خیال رہتا تھا۔ ہمارے موجودہ حکمرانوں کی گردنوں میں سریا ہے۔ وہ کبھی اللہ کے سامنے نہیں جھکے اس لئے انہیں کبھ مخلوق خدا کا خیال نہیں آتا۔

عمر ؓ کے دور حکومت میں عرب کو نہایت شدید قسم کے قحط اور خشک سالی نے گھیر اس نے زندگی کی ہر نمو کو راکھ بنا دیا اس لئے اسے عام الرمادۃ (سال خاکستر) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ خشک سالی سترہ ماہ تک رہی۔ تمام عرب قبائل سمٹ کر مدینہ منورہ آ گئے۔ آپ نے فوراً اپنے گورنروں کو امداد کے لئے خط لکھے جن میں لکھا: کیا تم اسے گوارہ کرو گے ک ہم ہلاک ہو جائیں اور تم زندہ رہو۔ جب غذائی اجناس کی بہت قلت ہوگئی تو آپ نے حکم سب لوگوں کا کھانا ایک جگہ پکایا جائے اور اسے مشترکہ دسترخواں پر بیٹھ کر کھایا جائے۔ آپ خود بھی وہیں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ اس دسترخوان کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگا وہاں کھانا کھانے والوں کی تعداد روزانہ دس ہزار افراد تھی۔ جن معذور بچوں عورتوں ا بوڑھوں کو کھانا مہیا کیا جاتا تھا ان کی تعداد پچاس ہزار تھی۔

خشک سالی کی وجہ سے جانور مر گئے جس کی وجہ سے دودھ اور گھی کی قلت ہوگئی۔ آپ نے قسم کھالی کہ جب تک یہ قحط ختم نہیں ہوتا میں گھی نہیں کھاؤں گا۔ وہ روغن زیتون کے سا سوکھی روٹی کھاتے۔ مسلسل پریشانی، پیہم مشقت اور تبدیلی غذا کا یہ نتیجہ ہوا کہ آپ کے چہر کا رنگ سیاہ پڑ گیا حالانکہ ان کا رنگ سرخ وسپید تھا۔ آپ کی گرتی ہوئی صحت کو دیکھ کر رفقا تشویش لاحق ہوئی کہ کہیں آپ بیمار نہ پڑ جائیں۔ انہوں نے آپ سے درخواست کی آ معمول کی غذا کھائیں کیونکہ آپ پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہے۔ اس کے جواب میں آپ وہ تاریخی فقرہ ارشاد فرمایا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے لوگوں تکلیف کا احساس کس طرح ہو سکتا ہے جب تک مجھ پر بھی وہی کچھ نہ گزرے جو ان پر گز ہے۔ آپ سارا دن قحط زدگان کے کھانے وغیرہ کا انتظام کرتے۔ ان کی تکالیف کا جائزہ

خود کھانا اٹھا کر ان تک پہنچاتے۔ صبح سے رات تک یہ معمول رہتا۔ رات کو سجدے میں پڑے روتے گڑگڑاتے اور خدا سے فریاد کرتے کہ رب العالمین! اگر یہ مصیبت میرے کسی گناہ کی وجہ سے ہے تو مجھے معاف کر دے۔

ایک دن دیکھا کہ آپ کا بچہ خربوزہ کھا رہا ہے اپنی بیوی سے کہا کہ محمد ﷺ کی امت بھوک سے مر رہی ہے اور عمر کے بچے پھل کھا رہے ہیں۔ بیوی نے کہا: امیر المومنین آپ اتنا تھوڑا روزینہ لیتے ہیں اس سے بمشکل گزران ہوتی ہے اس میں سے پھل کہاں سے خریدا جا سکتا ہے؟ یہ تو میں نے کھجوروں کی گٹھلیاں اکٹھی کر کے انہیں بیچ کر یہ خربوزہ لے کر دیا ہے۔ یہ محیر العقول کارنامہ عمر ؓ نے اس لئے سرانجام دیا کہ وہ خود بھی اپنے رب کے سامنے جھکا رہتا اور اسلامی مملکت میں بھی صلوٰۃ کا نظام قائم کیا۔

نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگائیں جب رسول ﷺ کی بیماری بڑھ گئی تو ایک دن آپ عباس ؓ اور علی ؓ کا سہارا لے کر مسجد میں تشریف لائے اس وقت آپ کی حالت یہ تھی کہ پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے اسی حالت میں آ کر ابوبکر ؓ کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کی۔

ہمارے ہاں بے نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے لوگ بوڑھے ہو کر جب کوئی اور کام نہیں کر سکتے مسجدوں کا رخ کرتے ہیں حالانکہ رسول ﷺ نے فرمایا:

''بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اسے نماز کا حکم دیا جائے دس سال کی
عمر میں اگر وہ نماز نہ پڑھے تو اسے سزا دی جائے۔''

ہمارے ہاں والدین اس بات کا ذرا بھی لحاظ نہیں کرتے کہ بچوں کو نماز کی طرف راغب کیا جائے۔ جس طرح ان کی دنیاوی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کی دینی تعلیم اور نماز کے لئے تربیت دی جائے۔ یہی عمل توشۂ آخرت ہے۔ نماز باجماعت ادا کی جائے اس کے لئے کوئی بہانہ قابل قبول نہیں۔ لباس کیسا بھی ہو۔ پانی نہ ہو تو تیمم کیا جائے۔ پاک مٹی نہ ہو تو ویسے ہی ادا کر لی جائے۔ اللہ کے ہاں اجر نیتوں پر ملتا ہے۔

قرآن پاک میں نمازوں کے اوقات جس حکمت سے بتائے ذرا اس پر غور کریں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جوں جوں سورج جھکتا ہے تم نماز ادا کرو۔ پہلے وہ سر سے جھکتا ہے وہ ظہر کا وقت ہے۔ پھر آنکھوں سے جھکتا ہے وہ عصر کا وقت ہے۔ پھر وہ افق سے گم ہو جاتا ہے وہ مغرب کا وقت ہے۔ پھر فرمایا جب رات کا اندھیرا چھا جائے اس وقت نماز ادا کرو وہ عشاء کا وقت ہے۔ پھر فرمایا: فجر

میں قرآن پڑھو۔

جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا کہ انسان کسی بھی حالت میں ہو نماز ادا کرے۔ پانی ہے تو غسل اور وضو کرکے۔ پانی نہ ہو تو پاک مٹی سے تیمم کرے۔ اگر مٹی بھی نہ ہو تو ویسے ہی ادا کرے۔ اگر اس کے خون بہہ رہا ہو تو ایک دفعہ وضو کرکے نماز ادا کرے۔ اگر اسے پیشاب کی بیماری ہے تو ایک دفعہ استنجا کرکے اور وضو کرکے نماز ادا کرے۔ اگر اسے کوئی ایسی بیماری ہے کہ بار بار اس کی گیس خارج ہوتی ہو تو اس کے لئے بھی یہی ہے کہ ایک دفعہ وضو کرکے وہ نماز ادا کرے جس کے لئے وضو کیا گیا خواہ اس کا وضو بار بار ٹوٹتا رہے۔

لیکن ایک بات جس کا ہر مسلمان کو خیال رکھنا چاہیے وہ نماز کی درست ادائیگی ہے۔ نماز میں جو ظاہر افعال ہیں مثلاً قیام، رکوع، سجود وغیرہ اسے ادا کرنے کا درست طریقہ سیکھے۔ جو کچھ نماز میں پڑھا جاتا جیسے سورت فاتحہ و دیگر سورتیں، دعائیں اور درود پاک انہیں اچھی طرح سیکھے ان کا ترجمہ یاد کرے تاکہ اسے پتہ ہو کہ وہ نماز میں کیا پڑھ رہا ہے۔

نماز کو درست طریقے سے ادا کرنے کے لئے علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب صفۃ صلاۃ النبی امن التکبیر الی التسلیم کا نک تراھا جس کا ترجمہ مولانا محمد صادق خلیل رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے ''نماز نبوی'' کے نام سے کیا بہت رہنما ثابت ہوسکتی ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت محنت دیانت داری اور عرق ریزی سے احادیث کا انتخاب کرکے اسے مرتب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر انوار کی بارش کرے۔ اس میں انہوں نے کسی فرقے کی رعایت نہیں کی۔ جس امام کی جو بات درست تھی اسے لے لیا اور جو درست نہیں تھی اسے رد کردیا۔ یہ کتاب ہر گھر میں ہونی چاہیے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس کا مطالعہ کرکے اپنی نماز کو درست کرے۔

ایک اور بات جس کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ رٹی رٹائی نماز نہ پڑھے۔ سورہ فاتحہ اور درود پاک کے علاوہ جو دعائیں اور تسبیحات ہیں۔ بدل بدل کر پڑھے تاکہ اس کا دھیان نماز کی طرف رہے۔ اس سلسلے میں بہت سی تسبیحات اور دعائیں رسول اللہ سے بھی منقول ہیں اور نیک لوگوں سے بھی منقول ہیں۔

نماز میں اپنی زبان میں دعا کرسکتا ہے۔ اس کے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جیسے امام قائل ہیں۔ نماز چونکہ بندے اور اللہ کے درمیان راز و نیاز کا ذریعہ ہے اس لئے نماز میں

دعاؤں کا خصوصی اہتمام کرے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں دین کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور عنائت کے بغیر انسان کچھ نہیں کرسکتا۔

❁❁❁

فضائل رمضان

﴿يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ [2/البقرہ:183,]

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

اللہ نے روزے جس ماہ مبارک میں فرض کئے اس کا عربی زبان میں نام رمضان ہے یہ نام اسلام سے قبل ہی لوگوں نے رکھا تھا اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تو کچھ معلوم نہیں کہ یہ نام انہوں نے کیوں رکھا اسلام نے اس نام کو برقرار رکھا، ارشاد ربانی ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [2/البقرہ:185]

''ہم نے قرآن کو رمضان میں نازل کیا۔''

اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمام قرآن پاک رمضان المبارک میں نازل ہوا جوں جوں کوئی واقعہ پیش آتا گیا یا اللہ تعالیٰ ضرورت محسوس کرتا اس کے مطابق قرآن پاک کا نزول ہوتا گیا۔ اس کے نزول کا آغاز رمضان المبارک میں ہوا۔

وہ رات اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی قدر و منزلت کی حامل ہے جس رات پہلی وحی لے کر جبرئیل امین علیہ السلام سید الانبیاء خیر البشر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ [97/القدر:3]

''یہ رات ہزار مہینے سے بہتر ہے۔''

اس رات کی عبادت اتنا درجہ پا جاتی ہے جو آدمی سالوں کی عبادت سے حاصل نہیں کر سکتا۔ سورۃ الدخان میں اسے لیلۃ مبارکۃ کہا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ''اس رات بہت اہم فیصلے ہوتے ہیں اسی رات قوموں کی تقدیر کے فیصلے ہوتے ہیں''۔

عربی لغت کا مطالعہ کریں رمضان کا مطلب ہی ایسا ہے جس سے روزے کی مناسبت ظاہر ہوتی ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کا کوئی بھی کام حکمت سے خالی نہیں۔ روزوں کے لئے مہینہ ہی ایسا چنا جس سے اس عبادت کی غایت کا پتا چلتا ہے، عربی لغت میں اس کے تین معنی بیان ہوئے ہیں اور تینوں اس عبارت کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ رمض کا پہلا معنیٰ جلا دینا یا جل جانا

ہے۔ یہ گناہوں کو جلا دینے کا مہینہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بدنصیب ہے وہ شخص جس نے رمضان کا مہینہ پایا مگر اس میں اپنی بخشش کا سامان نہیں کیا۔ رمضان کا پہلا معنیٰ احراق جلانا ہے۔ [1]

اشراق اور ظہر کے درمیان ایک نماز پڑھی جاتی ہے عربی میں اسے ضحٰی اور اوابین اور فارسی میں چاشت کہہ دیتے ہیں۔ اس کا وقت دس بجے کے قریب ہوتا ہے اس وقت ہر آدمی اپنے کام کاج میں مصروف ہوتا ہے اس وقت جو شخص وقت نکال کر چار رکعت پڑھے اس کا بہت درجہ ہے یہ بہت خدا رسیدہ لوگوں کی نماز ہے۔

اس کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''صلوۃ الاوابین حین ترمض الفصال''

جب اونٹوں کے بچوں کے پاؤں جلنے لگے اس وقت یہ نماز پڑھے۔ [2]

اس میں بھی یہی ترمض کا لفظ استعمال ہوا۔ رمض کا دوسرا معنیٰ دھو دینا ہے جیسے گرمیوں کے بعد خریف میں جو بارش ہوتی ہے وہ گرد و غبار کو دھو دیتی ہے۔ رمضان المبارک بھی انسان کے گناہوں اور خطاؤں کو دھو دیتا ہے رمضان میں بھی کچھ بدقسمت لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ روزہ ہی نہیں رکھتے۔ کچھ لوگ روزہ رکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ وقت نہیں گزرتا۔ تاش کھیل لو! یا ٹی وی (T.V) دیکھ لو! بہت نیکی کی تو سو جاتے ہیں کہ وقت گزر جائے۔ حالانکہ اس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ جس خوش قسمت شخص کو اللہ یہ مبارک وقت نصیب کرے اسے چاہئے کہ وہ اس کے ایک ایک لمحے سے فائدہ اٹھائے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی بیان کی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کہ ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے۔ مگر روزہ میرے لئے ہے۔ میں ہی اس کا اجر دوں گا۔ جب کسی کا روزہ ہو اسے چاہئے کہ نہ شہوت کی کوئی بات کرے اور نہ شور و شغب کرے۔ اگر کوئی شخص اس سے گالم گلوچ کرے یا لڑے جھگڑے تو وہ اس سے کہے کہ میں روزے سے ہوں [3]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: استباق الخیرات کہ ''نیکیوں کی طرف دوڑ لگا دے'' اور دوسروں سے بڑھ جانے کی کوشش کرے۔ روزہ رکھ کر سونے کی بجائے نیند کو کم کر دے۔

[1] فتح الربانی: 9، 230/10، دعاء النبی علی من دخل علیہ رمضان

[2] صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ: 710/2، حدیث: 37/15، الضحیۃ: 1164، الارواء: 466،

[3] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ: 29/2، مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الصوم 200/2: ح: 1959، صحیح بخاری صحیح مسلم

افطار اور سحر کے وقت خوراک کم کر دے۔ یہ نہ ہو کہ افطار کے وقت سموسوں پکوڑوں او
چارٹ کے ڈھیر لگے ہوں۔ اگر چند گھنٹے بھوک برداشت کی ہے تو اب اس کی کسر نکا لے
اکثر لوگوں کا رمضان کے بعد وزن بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح تو رمضان کے فیوض و برکات
سے فیض یاب نہیں ہوا جا سکتا۔ روزے کا تو مطلب ہے کہ انسان اپنے نفس کی خواہشات پر
کنٹرول کرے جس طرح اللہ کے حکم سے سارا دن کھانے پینے اور شہوت سے رکا رہا اسی طرح
افطار کے وقت بھی اسی روح کا مظاہرہ کرے تاکہ انسان کی تربیت ہو سکے۔ اگر کسی شخص کو
سگریٹ نوشی کی عادت ہے تو اس ماہ مبارک میں اس سے پیچھا چھڑا سکتا ہے۔ اگر چودہ پندرہ
گھنٹے بغیر سگریٹ کے گزارہ کر سکتا ہے تو بعد میں کیوں اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ ہر
جگہ لکھا ہوتا ہے کہ ''سگریٹ پینا مضر صحت ہے'' بلکہ اس کی ڈبیا پر بھی یہ وارننگ ہوتی ہے۔ مگر
انسان نے اپنے سیلف کنٹرول کو اتنا ڈھیلا چھوڑ دیا ہے کہ یہ بات جاننے کے باوجود کہ تمباکو
پینا صحت کے لئے نقصان دہ ہے وہ اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا۔ روزہ اسی سیلف
کنٹرول کو حاصل کرنے کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ ہر رمضان میں انسان اگر اپنی ایک بری
عادت ترک کرنے کا تہیہ کر لے تو بہت جلد مرد مومن کے معیار پر آ سکتا ہے۔

جو کسی شیخ اور پیر کی بیعت کرتا ہے اسے مرید کہتے ہیں۔ مرید بھی ارادہ سے نکلا ہے۔ مرید کا مطلب ہے کہ وہ ارادہ کر لے کہ میں نے اپنی بری عادات ترک کر کے صراط مستقیم پر چلنا ہے۔ اس لئے شیخ سب سے پہلے مرید سے ریاضت کرواتا ہے۔ اسے اپنی خواہشات ترک کرنے کی مشق کرواتا ہے۔

فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ارادے میں پختہ ہو جا! عرفان کے خزانے کی کنجیاں مل جائیں گی۔ ولی وہ نہیں جو ہواؤں میں اڑے۔ بلکہ ولی اس کو کہتے ہیں جو حق بات پر ثابت قدم رہے اور دنیا کی کوئی طاقت اسے اس کے مؤقف سے ہٹا نہ سکے۔

رمض کا تیسرا معنیٰ تیز کرنا ہے۔ عربوں کا دستور تھا کہ وہ حرام مہینے گزر جانے کے بعد جنگ کے لئے اپنی تلواریں تیز کرتے۔ اس کے لئے وہ دو چکنے پتھر لیتے اس کے درمیان تلوار رکھ کر رگڑتے۔ اسے رمض النصال کہتے تھے۔ یعنی یہ اسلحہ تیز کرنے کا مہینہ ہے۔ اس میں اسلحہ اور نیکیاں اپنی ذات پر کنٹرول حاصل کرنا ہے اسی اسلحے سے اپنی (اَنا) میں (نفس) کو ختم کرنا ہے، حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''تیرے اور اللہ کے درمیان کوئی بھی چیز حائل نہیں ہے وہ تیری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ صرف تیری میں (نفس) نے اس میں پردے حائل کر رکھے ہیں۔ تو میں (نفس) ختم کر دے! تیرے اور رب کے درمیان جو پردے حائل ہیں وہ ختم ہو جائیں گے''

ویکھیں صوفیا یار دی دید ہوندی
وچوں اپنا آپ مٹا دیویں

فرعون نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ میں رب اعلیٰ ہوں۔ پھر اس کا کیا حشر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے جب سمندر نے راستہ دیا تو فرعون نے کنارے پر کھڑے ہو کر یہ نہ سوچا کبھی سمندر بھی اس طرح راستہ دیتے ہیں۔ اندھا دھند اپنی فوج کو لے کر سمندر میں داخل ہو گیا اس وقت سمندر کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: کہ مل جا! جب سمندر آپس میں مل گیا۔ فرعون ڈوبنے لگا تو کہا: کہ میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ساری عمر نافرمانی کر کے اب آخری وقت میں موت کو سامنے دیکھ کر یاد آیا کہ کوئی رب بھی ہے۔

مسلمان کے ہاتھ میں تقویٰ کا جو خنجر ہے وہ اس سے گناہ بے حیائی اور فحش کو ختم کرتا ہے۔

میں نے مختصراً رمضان کے تین معنی بیان کر دیئے ہیں: (1) جلانا (2) دھونا (3) تیز کرنا۔ روزہ یہی تین کام کرتا ہے کہ وہ برائیوں کو جلا دیتا ہے۔ گناہ کو دھو دیتا ہے اور تقویٰ کی تلوار سے گناہ اور بے حیائی کو ختم کرتا ہے۔ کسی روزہ دار سے اگر یہ کہا جائے کہ تم چند منٹ پہلے روزہ افطار کر لو میں تمہیں لاکھ روپیہ دوں گا تو شاید وہ قبول نہ کرے۔

دکان میں بیٹھ کر چند ٹکوں کی خاطر کم تولتا ہے۔، ملاوٹ کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، اگر روزہ اسے ان برائیوں سے باز نہیں رکھتا تو اس کا مطلب ہے کہ اس کا خنجر روزے سے تیز نہیں ہوا۔ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہوتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تمہیں رمضان المبارک کے انعامات کا علم ہو جائے تو تم یہ تمنا کرو کہ اللہ تعالیٰ سارے سال کو رمضان میں بدل دے۔'' [1]

رمضان المبارک میں انسان کا کھانا پینا اور سونا سب کچھ کم ہو جاتا ہے۔ دوسری لذتوں اور ....

[1] تنقیح الدر المنثور ا۔ :186/2، باب شہر رمضان ابو مسعود انصاری، الاصبھانی فی الترغیب، البیہقی

دلچسپیوں پر بھی بعض پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ نفس کے شہوانی میلانات کی پرواز کم ہو جاتی ہے اس لئے بندہ اپنے رب کے قریب تر ہو جاتا ہے روزے میں انسان لذات د[نیا] ترک کر کے ملائکہ سے مناسبت اور تشبہ حاصل کرتا ہے کیونکہ ملائکہ کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں۔ ان کے ہاں جنسی خواہش نہیں۔ دوسرا وہ ہر وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ روزے میں مومن کی بھی یہی حالت ہوتی ہے اس لئے اللہ کا ارشاد ہے:

''ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے مگر روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی
اس کا اجر دوں گا۔''

اللہ اپنی رحمتوں اور برکتوں کا نزول اس مہینے میں کس طرح کرتا ہے اسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں بیان کیا ہے۔ اسے امام ابو القاسم الطبرانی نے اپنی معجم میں نقل کیا ہے۔ اس کے راوی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبادہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو خزرج سے تھا وہ ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں جنہوں نے مکہ میں جا کر اسلام قبول کیا اور بیعت عقبہ میں شرکت کا شرف حاصل کیا۔

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں تبلیغ کیلئے بارہ نقیب مقرر کئے کہ وہ اپنے اپنے قبیلے کی تربیت کریں تو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بھی ان خوش نصیب انسانوں میں سے تھے جنہیں نقیب مقرر کیا گیا جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو عبادہ رضی اللہ عنہ کا شمار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثار اور قریبی صحابہ میں ہوتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں دمشق کے قاضی تھے اور اپنی حق گوئی کیلئے مشہور تھے۔ اور فیصلہ کرتے وقت کسی حکمران کا بھی خیال نہیں کرتے تھے۔

''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! رمضان المبارک آ گیا ہے۔ یہ بڑا ہی بابرکت مہینہ ہے۔ اللہ اس مہینے کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ دیتا ہے۔ اس میں اللہ اپنی رحمتیں نازل کرتا ہے۔ تمہارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ تمہاری دعائیں قبول کر کے دنیا اور آخرت کی حاجات پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اپنے روزہ دار بندے پر فخر کرتا ہے۔ اپنے رب کے دربار میں نیکیوں کے تحائف بھیجو! بدنصیب ہے وہ شخص جو اس مہینے میں بھی اللہ کی رحمت سے محروم رہا۔ [1]

تاریخ کی کتابوں میں زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ رمضان کے پورے مہینے میں تسبیح و استغفار کے علاوہ کوئی بات نہ کرتے۔

[1] فتح الربانی: 9، 235/10، عبادہ بن صامت زوائد الباب فیما ورد فی فضل شہر رمضان۔

جو لوگ بھی یہ عزم کرتے ہیں کہ میں نے اس مہینے کو اسی طرح گزارنا ہے جیسے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا۔ اور صحابہ اور نیک لوگوں نے اسے گزارا اللہ ان کے عزم کو ضرور پورا کرے گا انسان کا کام کوشش کرنا ہے۔ اگر اس میں کوئی کمی رہ جائے تو اللہ اپنے فضل و کرم سے اسے پورا کر دے گا۔ رمضان المبارک کو کس طرح گزارنا ہے اس کیلئے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوۂ تلاش کرنا چاہئے:

''خیر الھدی ھدی محمد''

''سب سے بہتر طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔''

آپ کسی درزی کو کپڑا سینے کے لئے دیں اور اس کے ساتھ کوئی نمونہ بھی دیں کہ اس کے مطابق سینا ہے۔ اگر درزی اس نمونے سے ہٹ کر بہت بیل بوٹے کاڑھ کر بڑی محنت سے بھی سی دے تو آپ لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس نے آپ کے نمونے کے مطابق لباس تیار نہیں کیا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ یہ مثال دے کر لکھتے ہیں کہ اللہ نے بھی دین دے کر ساتھ ہی نمونہ بھی ہمیں دیا کہ دین پر اس طرح عمل کرنا ہے جس طرح میرے نبی نے اسے کر کے دکھایا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''تمہارے لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہترین نمونہ بنایا ہے۔''

اللہ نے اپنے بندوں کو بتا دیا کہ انسانو! میں میری عبدیت اور بندگی کی معراج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے۔ جس نے اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال لیا وہ کامیاب ہو گیا۔ جس نے اس سے ہٹ کر جنگلوں کی خاک چھانی اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا مگر رسول کا اتباع نہیں کیا اس کی تمام مشقت ضائع گئی۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اللہ نے ہم پر کتنے احسانات کیے، دین میں ہمارے لئے کتنی آسانیاں پیدا کیں، اس کی ایک مثال سحری ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل کتاب کا روزہ شام سے شام تک تھا۔ جب وہ سو گئے اس کے بعد انہیں کچھ کھانے کی اجازت نہ تھی۔

مسلمانوں کے لئے بھی جب اللہ نے روزے فرض کئے تو انہوں نے سمجھا کہ ہمارا روزہ بھی اہل کتاب کی ہی طرح ہے اس لئے وہ سحری نہ کھاتے۔ افطار کے وقت جو کچھ کھا لیا اس کے ساتھ ہی اگلا روزہ شروع ہو جاتا۔

اللہ نے قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ کی بدولت مسلمانوں پر یہ فضل کیا کہ سحری کا حکم ناز
ہوا۔ جس طرح لوگوں کو مسائل پیش آتے گئے اسی طرح اللہ اپنے احکام نازل کرتا گیا۔ ہم
ان احکام کے شان نزول پڑھنے چاہئیں تا کہ ہمارا ایمان پختہ ہو کہ اللہ اپنے بندوں پر ک
طرح مہربان ہے۔ قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ کا تعلق انصار سے تھا۔ اہل مدینہ کے اسلام لانے
پہلے ہی وہ مروجہ دین سے بیزار تھے انہوں نے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ شراب پینے سے تو
کر لی اور عیسائی مذہب قبول کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف
لائے تو قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسلام قبول کر لیا اس وقت وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے
ایک دن افطاری کے وقت گھر آئے بیوی سے کہا کہ گھر میں کھانے کے لئے کچھ ہے؟ اس
کہا کہ گھر میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں کہیں سے کھانے کی کوئی چیز لاتی ہوں۔ وہ دن بھر
مشقت سے تھکے ہوئے تھے انہیں نیند آ گئی۔ جب بیوی کھانے کا سامان لے کر آئی اور انہیں
جگایا کہ کچھ کھا لو! انہوں نے کہا: نہیں اب اگلا روزہ شروع ہو گیا ہے! گرمی کے دن تھے اگ
دن دوپہر کے وقت بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو گئے۔ اللہ کو اپنے بندے کی حالت پر ر
آیا۔ اللہ نے حکم نازل فرمایا:

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ [2/البقرہ:187]

”اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ رکھ کر رات تک پورا کرو۔“ [1]

اب صرف یہ سہولت نہیں رہی کہ سحری کھا لی روزہ آسانی سے پورا ہو جائے بلکہ اسے انعام اور رحمت کا موجب قرار دیا: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”سحری کیا کرو کیونکہ سحری میں برکت ہے“

سحری کھانے والوں پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ سحری کھاتے وقت بند
اپنے خالق کا تصور ذہن میں لائے کہ میں یہ کھانا اپنے آقا اور مالک کے حکم سے کھا رہا ہوں میں
اپنے رب کے لنگر پر بیٹھا ہوں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری کھا رہے تھے ایک صحابی آیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس ناشتے میں

[1] تفسیر ابن کثیر: 331/1،

شرکت کرو جس میں بہت خیر و برکت ہے۔ آپ نے فرمایا سحری کھایا کرو! اسے کھانے سے برکت نازل ہوتی ہے۔ [1]

سحری میں ایک سنت کو بھی زندہ کرنا چاہئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری کے وقت کھجور کھاتے تھے۔ افطاری میں تو ہم کھجور کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ مگر سحری میں اس کا خیال نہیں کرتے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ“

”مومن کی سب سے اچھی سحری یہ ہے کہ وہ کھجور کھائے۔“ [2]

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ دین کیا ہے میرا جواب یہ ہے کہ دین رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع پیروی اور نقش قدم پر چلنے کا نام ہے۔

تو بہر رہے کہ رفتی سر خود نہیم آں جا
بامید آں کہ روزے قدمے نہادہ باشی

”اے محبوب! تو جہاں جہاں سے گزرا ہے ہم وہاں وہاں سجدے کرتے جاتے ہیں تا کہ ہمارا سر کسی ایسی جگہ سجدہ ریز ہو جائے جہاں تیرے قدم پڑے ہوں۔“

رسول نے فرمایا:

”سحری دیر سے کھاؤ اور جلد افطار کرو۔“

حدیث پاک میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحری نماز سے اتنی دیر پہلے ختم کرتے جتنی دیر میں پچاس آیات پڑھی جا سکیں۔ [3]

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھانا رکھ کر بیٹھے رہیں جب اذان کا وقت قریب ہو تو کھانا شروع کر دیں اور اذان کے درمیان بھی کھاتے رہیں۔ یہ عمل اپنے روزے کو برباد کرنے والا ہے۔ مؤذن کے اللہ اکبر کہنے کے بعد ایک لقمہ بھی منہ میں ڈالنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص افطاری سے ایک منٹ پہلے روزہ کھول لے۔ جب آفتاب غروب ہو جائے تو ایک سیکنڈ کی احتیاط کرنی بھی جائز نہیں۔ جب سورج کی ٹکڑی غروب ہو مؤذن اذان کہہ دے۔

[1] صحیح سنن ابوداؤد: کتاب الصیام باب من سمی السحور رلغداء: 446/2، 2054،
[2] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب اصوم باب فی السحور: 216/2، ح: 1998، صحیح
[3] ابوداؤد کتاب الصوم باب من سمی السحور الغداء: 446/2، ح: 2055،
صحیح مسلم باب فضل السحور وتاکید استحبابہ ص: 447، ح: 2552،

ایک شخص نے کسی ولی اللہ کو اپنا خواب سنایا کہ میں لوگوں کے منہ اور شرم گاہوں پر مہر لگا رہا ہوں! ولی اللہ نے پوچھا کیا تم مؤذن ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ ہاں! ولی اللہ نے کہا کہ وقت سے پہلے اذان دے دیتے ہو جس کی وجہ سے لوگ کھانا پینا بند کر دیتے ہیں تم شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہو۔ یہ مؤذن کی ذمہ داری ہے کہ وہ صحیح وقت پر اذان دے نہ ایک منٹ پہلے اور نہ ایک منٹ بعد۔ لیکن جب مؤذن اللہ اکبر کہہ دے اس کے بعد سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے جو شخص اس کے بعد کھاتا ہے وہ شریعت کی مخالفت کرتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس مختصر حدیث سے دھوکہ کھایا۔ جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

”جب تمہارے ہاتھ میں کھانے کا برتن ہو اور اذان ہو جائے تو تم کھانا ختم کرلو (یعنی پورا کرلو)“ [1]

لیکن دوسری حدیثوں میں اس کی وضاحت ہوگئی کہ بلال کی اذان تمہیں کھانے سے نہ روکے۔ کیونکہ بلال رضی اللہ عنہ اذان سحری کا وقت ختم ہونے سے کچھ وقت پہلے دیتے تھے۔ لوگوں میں یہ تہجد کی اذان مشہور ہوگئی ہے۔ اور اس دور میں اس کا عام رواج ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ اذان اس لئے ہوتی تھی کہ لوگ نماز تہجد ختم کر دیں اور سحری کھالیں۔ اور جو لوگ تہجد کے لئے نہیں جاگے وہ بھی اٹھ کر سحری کھالیں۔ [2]

رسول ﷺ کا ارشاد ہے: کہ اذان اتنی دیر پہلے دی جائے کہ تہجد پڑھنے والے نماز ختم کر کے سحری کا اہتمام کرلیں۔ سحری ختم کرنے والی اذان عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہتے تھے۔ اس اذان کے دوران کھانے کی ممانعت تھی کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کی اذان شروع ہوتے ہی کھانے سے ہاتھ روک لو۔ [3]

سحری روزے کے لئے لازمی نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص نیند سے نہیں جاگا اور سحری کا وقت ختم ہو گیا تو اس کا روزہ ویسے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اگر کسی شخص کو غسل کی حاجت ہو تو وہ وضو کر کے کھانا کھا سکتا ہے سحری کیلئے پاک ہونا شرط نہیں ہے، نماز سے پہلے غسل کرنا فرض ہے۔ ایک اور مسئلہ لوگوں کو پریشان رکھتا ہے کہ اگر منہ بھر کر قے آجائے، تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے“ یہ بات بالکل غلط ہے۔ خود بخود قے آنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، لیکن اگر کوئی شخص حلق میں انگلیاں مار

[1] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب الصوم باب فی السحور: 213/2، ح: 1988، سنن ابو داؤد
[2] تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ: 23/2،
[3] الفتح الربانی: 35/4، باب الاذان فی اول الوقت ح: 284،

کر یا کوئی دوائی کھا کر خود قے لائے تو اس کا روزہ البتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر دن کے وقت آدمی کو غسل کی حاجت ہو جائے تو اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

رسول ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں روزے کو ختم نہیں کرتیں (1) قے کا آنا (2) غسل کی حاجت ہونا (3) پچھنے لگوانا۔ [1]

لیکن اس کے احتیاط کرنی چاہئے۔ کیونکہ خون زیادہ بہہ جانے کی صورت میں کمزوری ہو سکتی ہے جس سے روزے کے نقصان کا احتمال ہے۔

روزے کو توڑنے والی تین باتیں ہیں (1) جان بوجھ کر کھانا پینا (2) جنسی خواہش پوری کرنا (3) خود قے لانا۔ اس کے علاوہ کسی چیز سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ روزے کی حالت میں مسواک کرنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ظہر کے بعد مسواک نہیں کرنی چاہئے۔ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ سارا دن مسواک کر سکتا ہے۔ رسول ﷺ نے فرمایا: مسواک منہ کو صاف کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش کرتی ہے۔ [2] آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”کہ مسواک کر کے وضو کرنے سے نماز کا ستر گنا ثواب ملتا ہے۔“ [3]

اگر آدمی یہ تصور کرکے کہ میں نے اللہ ﷻ کا نام جس منہ سے لینا ہے اسے پاک صاف ہونا چاہئے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس نیت پر بے شمار اجر و ثواب دے گا۔

رسول ﷺ نے فرمایا کہ افطار کرنے میں جلدی کرنی چاہئے خود رسول ﷺ کا یہ عمل تھا کہ وہ کسی آدمی کو بلندی پر کھڑا کر دیتے اور ہاتھ میں کھجور پکڑ لیتے جونہی وہ اشارہ کرتا رسول اللہ افطار کر لیتے۔ [4]

اللہ ﷻ نے فرمایا: مجھے سب سے زیادہ وہی لوگ پیارے ہیں جو روزہ کھولنے میں جلدی کرتے ہیں۔ [5]

رسول ﷺ اونٹنی پر سوار تھے جب سورج چھپ گیا تو بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا لسی لاؤ میں

[1] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب الصوم باب تنزیہ الصوم: 223/2، ح: 2015، ترمذی
[2] مشہوۃ مترجم صادق خلیل کتاب الطہارۃ باب السواک: 188/1، ح: 281، ترمذی شافعی مسند احمد، دارمی، نسائی صحیح بخاری
[3] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب الطہارۃ باب السواک: 19/1، ح: 389، بیہقی فی شعب الایمان تنقیح الرواۃ: 74/2، باب السواک
[4] مجمع الزوائد: 45/3، باب تعجیل الافطار و تاخیر السحور، الطبرانی فی الکبیر
[5] کنز العمال: 82/7، ح: 18064، اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح ووافقہ الذہبی۔

روزہ افطار کروں! حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! ابھی سرخی باقی ہے اور دن لگ رہا ہے۔ آپ نے لسی لے کر اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے روزہ افطار کرلیا اور فرمایا: جب سورج چھپ جائے اور دوسری طرف سے سیاہی نظر آنے لگے تو روزے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ [1]

روزہ کھجور سے افطار کرنا چاہئے اگر وہ میسر نہ ہو تو چھوہارے سے افطار کرے اگر وہ بھی نہ ملے تو پانی سے افطار کر سکتا ہے۔ [2]

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کھجور موجود ہو اور کسی دوسری چیز سے افطار کیا جائے تو اس سے روزہ باطل ہو جاتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے ساتھ آپ کا ارشاد بھی ہے کہ روزہ کھجور سے افطار کرو۔ [3]

افطار کے بعد کی دو مسنون دعائیں ہیں کہ جب روزہ افطار کرلے تو کہے:

"اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ" [4]

"کہ یا اللہ تیری رضا کے لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی دیئے ہوئے رزق سے افطار کیا۔"

اس دعا میں لوگوں نے اضافہ کرلیا ہے جو بالکل ناجائز ہے۔ ایک اور دعا بھی ہے کہ:

"ذَھَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ"

"یا اللہ بھوک جاتی رہی اور پیاس بھی ختم ہوگئی اس کے ساتھ تیری رحمت سے یہ بھی امید ہے کہ اس کا اجر بھی تیرے پاس محفوظ ہوگیا۔" [5]

رمضان المبارک میں ایک عبادت کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ ویسے تو سارا سال ہی اس کا اہتمام کرنا چاہئے مگر رمضان میں تو ضرور اس کا التزام کرے کیونکہ ایک تو ماحول ایسا ہوتا ہے دوسرا اس میں جاگنے کی بھی سہولت ہے کہ سحری کے لئے اٹھنا ہوتا ہے۔ ایک گھنٹہ پہلے بیدار

....

[1] فتح الربانی: 4/10، ابواب الافطار والسحور وآدابھما ما یتعلق بھما باب وقت جواز الفطر

[2] تنقیح الرواۃ 1، 22/2، مشکوۃ؟ مترجم صادق خلیل کتاب الصوم باب فی السحور: 214/2، 1991،

[3] مشکوۃ مترجم صادق خلیل کتاب الصوم فی السحور: 213/2، ح: 1990، مشکوۃ؟ مترجم صادق خلیل کتاب الصوم باب فی السحور: 214/2 ح: 1994، ابوداود کتاب الصیام

[4] ابوداود کتاب الصیام باب القول عند الافطار، مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الصوم باب فی السحور: 214/2، :1993،

[5] تنقیح الرواۃ: 225/2، باب التحریض علی قیام اللیل مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الصلوٰۃ باب التحریض علی قیام اللیل: 531/1 ح: 1227،

ہو جائے جب انسان سجدے کی حالت میں ہوتا ہے تو اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ مگر رب بندے کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب بندہ تہجد میں اپنے رب سے راز و نیاز کرتا ہے۔ اس وقت وہ اعلان کرتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں! کوئی ہے جو بخشش مانگے میں اسے بخش دوں! کوئی ہے جو مصیبت میں مجھ سے اعانت طلب کرے میں اس کی مدد کروں!

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تمہارا رب دربار لگائے تو اس میں حاضر ہو کر اس کا قرب حاصل کرو۔

میں نے مختصراً رمضان کا مطلب، اس کی فضیلت اور روزے کے مسائل بیان کر دیئے ہیں اس سے آپ کو روزے کی اہمیت اور فضیلت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ اس مہینے کو کیسے گزارنا چاہئے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے، اسے بیان کرنے سے پہلے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کئے دیتا ہوں جس سے بات کو سمجھنے میں آسانی ہوگی، شاہ عبدالعزیز نے خواب میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ امیر المؤمنین! اس دور میں صوفیاء اور اہل طریقت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے مختلف وظائف اور ریاضتیں کرتے ہیں۔ آپ کے زمانے میں لوگ اللہ سے نسبت اور قرب کس طریقے سے حاصل کرتے تھے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم تین کام کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: صبح میں نے قرآن پاک پڑھا تو اس میں بھی یہی بات بیان کی گئی تھی۔

﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾

[29/العنکبوت:45]

”جو کتاب تم پر اتاری گئی اس کی تلاوت کرو! نماز کے پابند رہو کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا کام جو بتایا وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت کرو اس زمانے میں ہماری سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا ہے۔ ہمارے پڑھے لکھے

لوگ دنیا جہاں کی کتابیں پڑھتے ہیں مگر قرآن کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ تمام دنیاوی علوم و فنون کو سیکھتے ہیں مگر قرآن پاک کا علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بہت ہوا تو رمضان میں دو چار قرآن پاک ختم کر لئے اگر ان سے پوچھا جائے کہ اتنے قرآن پاک ختم کئے تمہیں کیا حاصل ہوا؟ تو جواب ملے گا: ہر حرف پر دس نیکیاں۔

اللہ فرماتا ہے: میں نے اسے کتاب ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ اس میں امر اور نہی کے احکام ہیں اس میں پرانی امتوں کے حالات ہیں تا کہ ہم ان سے عبرت حاصل کریں اس میں اللہ نے قیامت کی ہولناکی سے ڈرایا ہے۔ جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کا ذکر کیا ہے۔ ہم اس سے کچھ حاصل نہیں کرتے عربی متن پڑھ کر فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں۔

اسے اس طرح پڑھنا چاہیے کہ اس کی تلاوت کریں اور اُسے سمجھیں کہ اللہ نے اس میں کیا بیان کیا ہے؟ پھر اس پر عمل کریں۔ اگر پورے رمضان المبارک میں ایک سورت ہی اس طرح پڑھ لی تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ عرب کے بدوؤں نے اسے پڑھ کر کس طرح قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں الٹ دیں تھیں۔

قرآن پاک حق و باطل کو پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ ہم دنیا کے تمام علوم کو اس کے مطابق پرکھیں گے۔ پرانی الہامی کتابوں کو اس کے مطابق پرکھا جائے گا۔

قرآن پاک آسمان سے اترا ہوا نور ہے۔ آپ اس کی روشنی میں چلیں! یہ آپ کو بھٹکنے نہیں دے گا۔ عالم کوئی بات کرتا ہے آپ اسے قرآن پاک کی کسوٹی پر پرکھیں۔ آپ کو صحیح اور غلط کا علم ہو جائے گا۔ اسی لئے مولوی کہتے ہیں: کہ قرآن پاک کا ترجمہ نہ پڑھو! گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہ لوگ کہتے ہیں: قرآن پاک سمجھنے کے لئے چودہ علوم درکار ہیں۔ حالانکہ یہ عرب کے بدوؤں اور ان پڑھ لوگوں کے لئے اُترا تھا انہوں نے اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا اور اسی کی برکت سے وہ دنیا کے امام اور پیشوا بن گئے۔

ایسی بات کرنا اللہ پر تہمت ہے کہ اس نے ایسا معمہ لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے نازل کیا جس کو سمجھنے والے چند ہزار لوگ ہیں۔ اللہ نے اتنی آسان عربی میں نازل کیا ہے کہ سب لوگوں کی سمجھ میں آئے۔

آپ قرآن پاک کو ترجمے کے ذریعے پڑھیں۔ چند مقامات کو چھوڑ کر یہ آپ کی سمجھ میں آ جائے گا۔ جہاں سے سمجھ نہ آئے اسے کسی تفسیر میں دیکھ لیں! یا کسی عالم سے پوچھ لیں! قرآن

پاک کو سمجھ کر پڑھیں! اسی طرح آپ اس کی برکات سے فیض یاب ہو سکیں گے۔ یہ عام کتاب نہیں ہے۔ اسے بغیر وضو چھونے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گورنروں کو یہ ہدایت کرتے تھے کہ جس علاقے میں بھی جاؤ وہاں کے لوگوں کو تعلیم دو کہ اسے بغیر وضو چھوا نہ جائے۔ [1]

یہ حکم اس لئے دیا تا کہ تمہیں اس کی عظمت اور بلندی کا اندازہ ہو سکے۔ اللہ نے فرمایا: یہ ایسی مخفی جگہ رکھا گیا ہے کہ جہاں پاک فرشتوں کے علاوہ کوئی نہیں جا سکتا اور اس میں کسی طرف سے بھی کوئی غلط بات داخل نہیں ہو سکتی۔

دنیا کے تمام علوم، سائنسدان اور فلسفی غلط ہو سکتے ہیں۔ لیکن اس پاک کتاب میں لکھا ہوا ایک حرف بھی قیامت تک غلط نہیں ہو سکتا۔ تمام علوم کی تھیوریاں تجربات کے ذریعے بدلتی رہتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جو اس قرآن مبین میں فرمایا: وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہو سکتا۔

قرآن پاک نے کس طرح لوگوں کی زندگیوں کو بدل دیا اس کی ایک مثال حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ انتہائی سخت دل اور مسلمانوں کے دشمن تھے۔ جو بھی مسلمان ہوتا اسے ایذاء پہنچاتے۔ ایک رات خانہ کعبہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ادھر آ نکلے جب انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن پاک سنا (اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورۃ الحاقۃ کی تلاوت فرما رہے تھے) تو دل کی حالت بدل گئی اور ایمان قبول کر لیا۔ جب امیر المؤمنین تھے کبھی فرصت ہوتی تو کسی قاری کو بلاتے اس سے قرآن پاک سنتے قرآن پاک سن کر اتنا روتے کہ رخساروں پر آنسو بہنے لگتے۔ [2]

قرآن پاک کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے: اگر میں اس قرآن کو پہاڑوں پر اتارتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ بڑے بڑے سنگدل انسان اسے سن کر موم ہو گئے۔

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ڈاکو تھے۔ کسی قافلے میں شامل قاری سے یہ آیت سن کر کہ ابھی وقت نہیں آیا کہ قرآن سن کر لوگوں کے دل لرز جائیں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ تائب ہو گئے۔ پھر ساری عمر مسجد حرام میں گزار دی۔

کئی صدیاں گزرنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ احمد بن سیار رحمۃ اللہ علیہ نے کوئی علاقہ فتح کیا فتح کی

[1] صحیح الجامع الصغیر: 1284/2، حدیث: 7780، مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الطہارۃ باب مخالطۃ الجنب: 219/1، الارواء حدیث: 122،

[2] تفسیر ابن کثیر: 417/4، سورۃ الحاقۃ۔

خوشی میں وہاں دربار لگایا۔ قاری کو حکم دیا کہ تلاوت کرو! احمد بن سیار رحمۃ اللہ علیہ تخت پر بیٹھا تھا۔ قاری نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی قیامت کے دن کا منظر بیان کیا کہ زمین و آسمان میری مٹھی میں لپٹے ہوں گے میں اس دن کہوں گا دنیا میں کون بڑا بنتا تھا میں ہی اس دنیا کا حقیقی بادشاہ ہوں۔ احمد بن سیار رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ آیات سنیں تو تاج اتار کر رکھا اور سجدہ ریز ہو گیا۔ کہنے لگا: یا اللہ! تو ہی اس دنیا کا حقیقی بادشاہ ہے۔

اسی لئے اللہ نے پہلا حکم یہ دیا کہ قرآن پاک کی تلاوت کرو یہ نور ہدایت ہے اللہ نے سورہ یونس میں فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ [10/یونس: 57]

''لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت، دلوں کی بیماری کے لئے شفا اور مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔''

پہلے عمل کی خرابی کی نشان دہی کی کہ عمل میں جو خرابیاں شراب، جوا، زنا وغیرہ ہیں ان سے بچاؤ کی نصیحت کرتا ہے اس کے بعد عقیدے کی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا کہ دل میں شرک کی بیماری ہے۔ حسد، ریاکاری یا بغض ہے۔ تو قرآن پاک اس کا بھی علاج کرتا ہے اگر عمل اور عقیدہ درست ہو جائے تو اس کے بعد یہ رہنمائی کرے گا کہ کیا کام کرنے ہیں اور کن سے رک جانا ہے اس کے بعد دنیا اور آخرت میں رحمت ہی رحمت ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں قیامت کے دن قرآن پاک حسین جمیل نوجوان کی شکل میں گزرے گا۔ تمام لوگ اسے اپنی طرف بلائیں گے مگر وہ چلتا ہوا اللہ کے دائیں طرف کھڑا ہو جائے گا اور اللہ سے کہے گا: کہ جن لوگوں نے دنیا میں مجھے عزت اور شان دی تو انہیں انعام دے! اللہ فرمائے گا: مجھے اپنی عظمت اور کبریائی کی قسم جن لوگوں نے تجھے دنیا میں عزت بخشی! میں آج انہیں عزت اور شان بخشتا ہوں۔

قرآن پاک کی تلاوت کے بعد حکم دیا: ﴿واقم الصلوٰۃ﴾ کہ نماز پڑھو اس طرح جیسا کہ اسے پڑھنے کا حق ہے جہاں بھی واقیموا آ جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کام ایسے کرو کہ اسے کرنے کا حق ادا ہو جائے۔ جیسے: ((اقم الوزن)) ''کہ اس طرح تولو! کہ کوئی کمی نہ رہے۔ کنڈا بھی درست ہو، باٹ بھی پورے ہوں اور وزن بھی پورا ہو، اسے کہا جائے گا اس نے وزن

قائم کیا۔ قَوّٰامِیْنَ بِالْقِسْطِ: کہ انصاف کرو! جس طرح کرنے کا حق ہے۔

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ﴾ کا مطلب ہے کہ نمازی کا دھیان مکمل طور پر اللہ کی طرف ہو ساری دنیا کے ساتھ تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ سے جڑ جائے۔

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو اس طرح ساکت کھڑے ہوتے کہ کبوتر آ کر ان کے کندھوں پر بیٹھ جاتے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک نوجوان ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ تھا وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتا۔ بنوامیہ اور بنوعباس کے حکمرانوں کے غیر اسلامی کاموں کی طرف اشارہ کر کے کہتا: کہ امام! آپ ان لوگوں کے خلاف علم بغاوت بلند کریں۔ قیامت کے دن جب اللہ تجھ سے پوچھے گا: کہ تمہیں اتنا علم دیا تیرے سامنے دین کے احکام پس پشت ڈالے جاتے رہے، دین کی حدود پامال ہوتیں رہیں، تو نے کیا کیا؟

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے جانے کے بعد فرماتے: یہ نوجوان مجھے لاجواب کر دیتا ہے۔ ایک دن وہ امام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر تو ان کے خلاف بغاوت نہیں کرتا تو قیامت کے دن کے لئے جواب سوچ لے! میں حق کی آواز بلند کرنے لگا ہوں وہ خراسان گیا بنوعباس کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا اور ابو مسلم خراسانی کے ہاتھوں بری طرح مارا گیا۔

اسی ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ابو داؤد لکھتے ہیں: کہ وہ سنار کا کام کرتے تھے۔ وہ زیور تیار کر رہے ہوتے اس کی تیاری میں ایک چوٹ کی کسر ہوتی مؤذن اللہ اکبر کہہ دیتا: وہیں ہتھوڑی چھوڑ دیتے کہ مالک کا حکم آ گیا۔ اگر نماز کی طرف اس طرح کا دھیان ہو جائے تو نماز اللہ سے ملاقات کروا دیتی ہے۔ اگر ہماری طرح کی نماز پڑھنی ہے کہ دنیا کے باقی کاموں کی طرح یہ بھی ایک کام ہے۔ بد دلی سے وقت بے وقت پڑھ لی اور نماز کے دوران بھی دنیا کے کاموں کے بارے میں سوچتے رہے تو ایسی نماز نہ دنیا میں کوئی فائدہ دے گی اور نہ آخرت میں کسی کام آئیگی۔

ہمارے آقا و مولیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حدیث پاک کی کتابوں میں ہے کہ جب نماز کا وقت ہوتا تو فرماتے: بلال (رضی اللہ عنہ) اٹھو! نماز کا انتظام کرو میرے دل کی تسکین کا بندوبست کرو! کون سا دکھ ہے جو کفار نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہنچایا۔ مگر جب آپ نماز کے لئے کھڑے

ہوتے تو تمام تکلیفیں بھول جاتیں۔ [1]

اللہ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ﴾ انسان نماز پڑھتا رہے برائیاں خود بخود چھوٹ جاتی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی نوجوان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی: کہ یہ دن کو نمازیں پڑھتا ہے رات کو چوریاں کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُسے نماز پڑھنے دو! یہ خود ہی اس سے چوریاں چھڑا دے گی۔ [2]

پھر ایسا ہی ہوا وہ چوریاں چھوڑ کر ولی اللہ بن گیا۔ تیسری بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی:

﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾

"کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑا ہے۔"

ویسے تو قرآن پاک اور نماز بھی اللہ کے ذکر ہیں مگر یہاں ذکر اللہ کا علیحدہ سے فرمایا: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ مجاہدین میں سے کس کا درجہ بلند ہے؟ آپ نے فرمایا: جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک صحابی نے اسی طرح نمازیوں اور روزے داروں کے بارے میں بھی پوچھا کہ ان میں سے کس کا مرتبہ بلند ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی فرمایا: کہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ [3]

اللہ کا ایک ذکر تو یہ ہے کہ ہم زبان سے ((سبحان اللہ ،الحمد للہ)) کہتے ہیں یہ بھی اللہ کا ذکر ہے مگر یہاں ذکر اللہ سے مراد اللہ کی یاد ہے۔ کہ اللہ بندے کے دل میں سما جائے۔ وہ کوئی کام بھی کرنے لگے اللہ کے حکم کا خیال کرے۔ برائی کرنے لگے تو اسے اللہ کا خیال آ جائے اور وہ رک جائے۔ کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرنے لگے اسے اللہ کا خیال آ جائے تو اس سے اچھا اور نیکی کا سلوک کرے۔ اس لئے فرمایا: ((ولذکر اللہ اکبر))

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے کہا: کہ یا رسول اللہ! میں سیدھا سا آدمی ہوں دین کی زیادہ باتیں مجھے یاد نہیں رہیں گی۔ مجھے کوئی عام فہم سی بات بتا دیں آپ نے فرمایا: اپنی زبان اللہ کے ذکر سے تر رکھ۔ [4]

....

[1] مسند احمد بن حنبل :363/5، 371،

[2] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الصلوۃ باب التحریض علی قیام اللیل :5341، مسند احمد بن حنبل بیہقی فی شعب الایمان، تفسیر ابن کثیر :415/3،

[3] تفہیم القرآن :97/4، مسند احمد بن حنبل

[4] تنقیح الرواۃ :73/2، باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ، مشکوۃ مترجم صادق خلیل کتاب الدعوات باب ذکر اللہ عزوجل والتقرب الیہ :329/2، ح :2279،

دست بہ کار دل بہ یار

کہ ہاتھ کام میں لگے ہوں اور دل یار کی طرف لگا ہو۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو علم ہوگا کہ آپ کا دل کس طرح اپنے رب سے جڑا ہوا تھا۔ کوئی کام شروع کرتے، بسم اللہ کہتے۔ اس کا اختتام ہوتا، اللہ کی تعریف کرتے اور حمد کرتے۔ حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتے، سواری پر سوار ہوتے، سفر کے لئے روانہ ہوتے، سفر سے واپس ہوتے، نئے چاند کو دیکھتے ہر وقت اللہ کی تسبیح اور حمد بیان کرتے، اس سے پناہ مانگتے، اس کا شکر ادا کرتے۔ رمضان المبارک کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اذکار بتائے ہیں ان میں سے چند کا میں ذکر کر دیتا ہوں۔ یہ بیش بہا خزانہ ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھ پر دس مرتبہ صبح، دس مرتبہ شام کو درود بھیجتا ہے۔ وہ امید رکھے کہ قیامت کے دن میں اس کی سفارش کروں گا۔ [1]

یہ بہت چھوٹا سا کورس ہے۔ ورنہ تو ہم ہر لمحے بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجیں تو ان کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہم کو جو ہدایت نصیب ہوئی درود پاک اس کا ادنیٰ سا بدلہ ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص صبح سو مرتبہ ((سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ)) پڑھے: اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ [2]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص روزانہ سو دفعہ

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ"

پڑھے اس کا اتنا اجر ملتا ہے جیسے اس نے دس غلام آزاد کئے۔ اس کے نامہ اعمال میں سو نیکیاں لکھی گئیں اس کے سو گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ شام تک کے لئے وہ اللہ کی پناہ میں آ کر شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ [3]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کی نیکی اس سے بڑھ کر نہیں ہوگی سوائے اس شخص کے جو

[1] صحیح الجامع الصغیر: 1088/2، حدیث: 6357، الترغیب: 232،

[2] صحیح بخاری کتاب الدعوات باب فضل التسبیح ح: 6405،

[3] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الدعوات باب ثواب التسبیح والتحمید والتھلیل والتکبیر: 341/2، ح: 2302، تنقیح الرواۃ: 76/2،

اسے اس سے زیادہ مرتبہ پڑھے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ان کلمات کو فجر اور مغرب کی نماز کے بعد دس دس مرتبہ پڑھے گا۔ اسے اتنا اجر ملے گا جیسے اس نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی غلام کو آزاد کیا۔ [1]

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے رسول رحمۃ اللہ علیہ کی مسنون دعاؤں کو جمع کیا ہے مولانا محمد صادق خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اردو میں ترجمہ بھی کر دیا ہے۔ یہ اذکار مسنونہ کے نام سے ملتا ہے۔ تمام لوگ حاصل کر کے اس کا مطالعہ کریں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص رسول رحمۃ اللہ علیہ کی مسنون دعاؤں کا ورد کرے گا وہ اتنی منازل طے کرے گا کہ صوفیاء کے فتحیہ اور ظلیہ اذکار اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان دعاؤں میں تمام اچھی باتیں جمع کی گئیں ہیں بری باتوں سے پناہ مانگی ہے۔ ایک دعا بتا رہا ہوں یہ اتنی جامع ہے کہ اسے مانگنے کے بعد کسی اور دعا کی ضرورت نہیں رہتی:

" اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ مِنْ كُلِّ خَيْرٍ اَحَاطَ بِهٖ عِلْمُكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ اَحَاطَ بِهٖ عِلْمُكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِيْ الْاُمُوْرِ كُلِّهَا وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ "

"اے اللہ میں تمام اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہیں اور ان بری چیزوں سے پناہ مانگتا ہوں جو تیرے علم میں ہیں، اے اللہ مجھے دنیا اور آخرت میں خیر اور بھلائی عطا فرما اور دنیا اور آخرت میں جتنی دکھ دینے والی چیزیں ہیں ان سے بچا کر رکھنا۔"

لوگ معاشی طور پر بہت پریشان ہیں۔ آپ لوگ اس دعا کو فرض نماز کے سجدوں میں پڑھیں! اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاشی پریشانیاں دور کر دے گا:

"يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ اُرْزُقْنِيْ وَارْزُقْ عِيَالِيْ مِنْ فَضْلِكَ الْوَاسِعِ فَاِنَّكَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ"

"اے سب سے اعلیٰ جس سے مانگا جائے اور اے سب سے اعلیٰ داتا مجھے اور میرے بچوں کو اپنے کھلے فضل سے رزق عطا فرما: یا اللہ! تو سب سے

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الدعوات باب مایقول عند الصباح والمساء والمنام: 382/2، ح: 2395، تنقیح الرواۃ: 91/2، ابوداود، ابن ماجہ۔

زیادہ فضل کا مالک ہے۔''

اللہ ﷻ نے یہی تین کام کرنے کا حکم دیا ہے اگر کوئی اسے خلوص نیت سے ادا کرے تو اس کے لئے ولائت کے راستے کھل جاتے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں اللہ ﷻ سے نسبت حاصل کرنے کے یہی تین طریقے بتائے تھے۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ذکر فرمایا ہے کہ: قرآن پاک کی تلاوت کرو، نماز ادا کرو، اور اللہ ﷻ کا ذکر کرو۔ اس کے بعد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ﴾ ''جو بھی تم کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے۔''

یہ مراقبہ ہے کہ ہر وقت اس بات کا دھیان رہے کہ جو بھی میں کرتا ہوں اللہ ﷻ اس سے باخبر ہے۔ بلکہ جو میرے دل میں ہے اللہ ﷻ اس سے بھی باخبر ہے۔

ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں
یہ کارگاہ ساری دوکان شیشہ گر ہے

اللہ ﷻ ماہ رمضان میں اپنی رحمت اور فضل کے دروازے کھول دیتا ہے بدنصیب ہوگا وہ شخص جو اتنے اچھے موسم میں نیکیوں کی فصل نہیں بوتا۔ جب اللہ ﷻ سحری کھانے اور افطار کرنے پر ثواب دیتا ہے تو عبادت کرنے پر کتنا اجر و ثواب عطا کرے گا۔ اس کا انسان اندازہ بھی نہیں کر سکتا، اللہ ﷻ خود فرماتا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اور اس کا میں اجر دوں گا۔ اللہ ﷻ کے رحم و کرم کو اپنے تصور میں لایئے پھر اس ثواب کا اندازہ کیجئے جس کا اس نے وعدہ کیا ہے۔

حج بیت اللہ

چند دن بعد دنیائے اسلام کا ایک عظیم اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ اہل دل کے قافلے اس گھر کی جانب رواں دواں ہیں بہت ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس اہم دینی فریضے کی ادائیگی کے لئے عازم سوئے حرم ہیں۔ ان سے معزز اور کون لوگ ہو سکتے ہیں جنہیں مالک دو جہاں خود دعوت دے کر اپنے گھر بلاتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے مہمان ہیں اس سفر کا ترانہ ہی یہ ہے:

''لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ''

''حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔''

جو لوگ اس سفر میں نہیں جا سکتے ان کو بھی تسلی دی ہے کہ وہ نماز کے لئے قبلہ کی طرف منہ کر لیں اور یہ تڑپ ہی پیدا کر لیں کہ الٰہی تیرے گھر تک پہنچ نہیں سکتے۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا دراصل تمام دنیاوی خداؤں کو چھوڑ کر اللہ پاک کی طرف رخ کرنا ہے۔ یہ اخلاص اور توحید کی علامت ہے کہ میں نے تمام باطل نظاموں اور آستانوں سے رشتہ ختم کر کے اللہ ﷻ سے ناتا جوڑ لیا ہے۔ قبلہ دراصل ہمارے لئے مرکز و محور ہے۔ مسلمانوں میں دو ایسی چیزیں موجود ہیں جن کی وجہ سے اسلام کبھی ختم نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمانوں کا اس کے بارہ میں کوئی اختلاف ہے۔ ایک ہے قرآن پاک اور دوسرا بیت اللہ۔

ہم اس پتھروں کی عمارت کے گرد نہیں گھومتے۔ ہمارا مرکز و محور دراصل اللہ ﷻ ہے۔ کیونکہ ہماری نماز ہمارا حج ہمارا جینا ہمارا مرنا سب اللہ کے لئے ہے۔ بیت اللہ کے گرد چکر لگانا اسی بات کی علامت ہے۔ کعبۃ اللہ یہاں اللہ ﷻ کے قائم مقام ہے۔ زمین والوں کے لئے یہ اللہ ﷻ کا عرش ہے۔ آسمانوں پر اللہ کا عرش بیت المعمور ہے وہاں بھی قبلہ ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب معراج پر گئے تو وہاں بیت المعمور میں قبلہ کی دیوار سے ابراہیم علیہ السلام کو ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے دیکھا: وہاں اس قبلہ کے متولی بھی ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ ستر ہزار (70000) فرشتے اس میں داخل ہو کر نماز پڑھتے ہیں اور طواف کرتے ہیں جو ایک دفعہ یہ عمل سرانجام دیں دوبارہ قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ [1]

آسمان پر جو قبلہ ہے وہ اگر زمین پر اتارا جائے تو عین مکہ مکرمہ میں قبلہ کے اوپر ہوگا قبلہ زمین والوں کے لئے مرکز اور دارالحکومت ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ ﷻ فرماتا ہے: قبلہ تمہارے لئے

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان لاسراء برسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی السموات وفرض الصلوات ص:83 ح:411،

مرکز اور امن کی جگہ ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ نے فرمایا:

﴿فاستبقوا الخیرات﴾

''پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔''

جس طرح دوڑ لگانے والوں کے لئے ایک نشان مقرر کیا جاتا ہے جس کی طرف دوڑتے ہیں عربی میں اسے استباق کہتے ہیں۔ سب لوگ اس نشان کو مرکز بنا کر دوڑتے ہیں۔ اس طرح کعبہ ہمارے لئے نشان (ٹارگٹ) مقرر کیا گیا ہے تاکہ ہم اس کی طرف دوڑیں۔ اس آیت میں اللہ فرماتا ہے: کہ تم جہاں بھی ہوگے اللہ تمہیں پالے گا۔

اب ہمیں سوچنا چاہئے کہ بیت اللہ کس چیز کی علامت ہے اس کے ایک ایک پتھر پر کیا چیز نقش ہے۔ اگر ہم اس پر غور نہیں کرتے تو ہماری نمازیں، ہماری تمام عبادات کا کچھ بھی حاصل نہیں۔ اگر ہم وہاں جا کر طواف کرتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ قبلہ کی تاریخ کیا ہے، اس میں فلسفہ اور حکمت کیا ہے تو ہم پتھروں کی اس عمارت کے پھیرے لگا کر واپس آجاتے ہیں ہم اس سے کچھ حاصل نہیں کرتے۔

دو باتیں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کا نچوڑ ہیں۔ رضا اور تسلیم، کعبہ انہی دو باتوں کا مظہر ہے۔ اللہ کا امر تکوین ہو، کوئی حادثہ ہو جائے، موت آجائے، ہماری کوئی متاع عزیز ہم سے چھن جائے تو وہاں اللہ رضا چاہتا ہے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی پر نظر کریں کہ عراق میں پیدا ہوئے۔ گھر میں بت خانہ ہے باپ ملک کا چیف پروہت ہے۔ وہاں کیا آسانی سے دعوت توحید دی ہوگی؟ آگ میں ڈالا گیا تو اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے صرف یہ کہا:

﴿حَسْبِیَ اللہ﴾

''میرے لئے میرا رب ہی کافی ہے''

آخری عمر میں جب اللہ سے دعا کی یا اللہ! تو کافروں کو اولاد دیتا ہے وہ تیرے نبی کا مذاق اڑاتے ہیں کہ یہ اللہ کا کیسا پیارا ہے اس کو اولاد بھی نہیں دی۔ تو اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی جو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ بچے کے پیدا ہوتے ہی اللہ نے حکم دیا: بیوی اور بچے کو ساتھ لو اور دور کسی مقام پر چھوڑ آؤ!۔

تفسیر کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو لے کر نکلے تو جبریل علیہ السلام بھی ساتھ تھے راستے میں کئی جگہ نخلستان یا چشمے دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے پوچھا کہ یہاں چھوڑ دیں؟ لیکن جبریل علیہ السلام اشارہ کرتے کہ نہیں! جب مکہ کی سرزمین میں پہنچے جہاں اب بھی جلے ہوئے پہاڑوں کے سوا کچھ نہیں، چٹیل میدان، اردگرد کالے پہاڑ، چرند نہ پرند نہ سبزہ نہ پانی۔

ذرا تصور کریں! یہ بھی اس معصوم پر چھری چلا دینے سے کم نہ تھا۔ وہاں بس اس وقت ایک ٹیلہ تھا یہاں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو چھوڑ دیا۔ ابراہیم علیہ السلام جب واپسی کے لئے لوٹے تو ہاجرہ نے پوچھا ابراہیم علیہ السلام کسی ناراضگی کی وجہ سے چھوڑ کر جا رہے ہو یا یہ اللہ کا حکم ہے؟ دو مرتبہ تو ابراہیم علیہ السلام جواب ہی نہ دے سکے۔ لیکن جب آپ پہاڑ کی اوٹ میں ہونے لگے تو ہاجرہ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا۔ اس وقت فرمایا رب کا حکم ہے۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا کس کے سپرد کر کے جا رہے ہو؟ ابرہیم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ کے سپرد! تو حضرت ہاجرا نے فرمایا: پھر خود ہی وہ ہماری خبر لے گا۔

اب ذرا تصور کریں ایک چند ماہ کا معصوم لخت جگر ہے۔ دوسری ان کی عزت ہے انہیں صرف اللہ کے حکم پر وطن سے اتنی دور چھوڑ دیا۔ اسے کہتے ہیں تسلیم۔ جب زاد راہ ختم ہو گیا تو معصوم بچہ پیاس سے بلکنے لگا۔ حضرت ہاجرہ نے پریشان ہو کر صفا اور مروہ کے درمیان پانی کی تلاش شروع کی۔ ساتویں چکر پر جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضرت ہاجرہ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ فرمایا: میں ابراہیم علیہ السلام کے بچے کی ماں ہوں! پوچھا کہ تو اس اجاڑ بیاباں میں کیا کر رہی ہے؟ فرمایا: وہ اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ گیا ہے۔ پوچھا کہ اس نے جاتے ہوئے کیا کہا تھا؟ تو ہاجرہ نے کہا: اس نے کہا تھا کہ میں اللہ کے حکم پر چھوڑ کر جا رہا ہوں اور اس نے کہا تھا کہ اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کے حکم سے آ گیا ہوں۔ پانی کا چشمہ جاری ہو گیا ہے۔ آ کر بچے کو سنبھال۔ اللہ کو حضرت ہاجرہ کا پانی کی تلاش میں دوڑنے کا عمل اتنا پسند آیا کہ اسے ہمیشہ کے لئے امر کر دیا۔ جب بھی کوئی زیارت کعبہ کے لئے جاتا ہے صفا مروہ کے درمیان سعی کو ان کے لئے لازمی قرار دے دیا۔

طواف مکمل کرنے کے بعد اللہ حکم دیتا ہے کہ مقام ابراہیم کو نماز کے لئے مصلیٰ بناؤ! اب مقام ابراہیم پر کھڑا ہونے سے پہلے لازم ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کی طرف دیکھے۔ اگر اتنی قربانیاں دینے کا عہد کر سکے تو وہاں کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھے۔ کعبہ تعمیر کرنے والوں کی تاریخ ہمیں یہی سبق دیتی ہے۔

جب تقدیر کا معاملہ ہو اور وہ بے شک ہمارے مزاج کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو ہمارا ایمان یہ ہونا چاہئے کہ اللہ کے اذن کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا اور اللہ کا کوئی بھی کام غلط نہیں ہو سکتا۔ وہ کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہے جو طاقت ور ہونے کی وجہ سے ظلم کرے۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اللہ کے ہر فیصلہ پر راضی ہو۔ جب اللہ کا شریعت کے بارے میں کوئی حکم ہو تو اسے بے چون چرا تسلیم کر لے۔ یہی ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے ہمیں سبق ملتا ہے۔ یہ سفر حج کا حاصل ہے یہی اسلام ہے۔ اللہ نے جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا حکم دیا تو باپ نے اسے لٹا لیا اور بیٹا لیٹ گیا۔

"سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے"

تو اس وقت اللہ نے فرمایا: وہ دونوں مسلم ہو گئے۔ اب اسلام تو اللہ پاک کی نظر میں یہ ہے۔ ہم اپنی طرف دیکھیں کہ ہم مسلم ہیں۔ اب آپ تلبیہ پر غور کریں:

لبيك اللهم لبيك لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك"

"اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں۔ تمام تعریفیں تیرے لئے۔ تمام نعمتیں تیری طرف سے، تمام ملک تیرا ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔"

اب آپ ذرا غور کریں! جس کا کوئی ملک اور حکومت ہی نہ ہو وہ نعمت کیسے بخش سکتا ہے۔ جو نعمت ہی نہ دے وہ تعریف کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ اب کتنے افسوس کی بات ہے کہ زائر یہ ترانہ تو بلند کرے مگر اس کا عمل اس کے خلاف ہو۔ وہ دنیاوی آستانوں اور بادشاہوں کی طرف دیکھے۔ نعمت تو اللہ تعالیٰ بخشے، شکر کسی اور کا ادا کرے۔ اب حج کے مناسک پر غور کریں۔

طواف

جب کوئی شخص کسی چیز کے گرد چکر لگاتا ہے اس کا ایک مقصد تو اس کی حقیقت کو معلوم کرنا ہوتا ہے دوسرا محبت ہوتی ہے۔ بلبل پھول کے گرد گھومتا ہے یا پروانہ شمع کے گرد۔ طواف کرتے وقت یہ دونوں باتیں ہمارے ذہن نشین ہونی چاہئیں۔

وقوف عرفات

وقوف عرفات حج کا سب سے اہم رکن ہے۔ عرفات میں دن ڈھلے سے غروب تک قیام ہے۔ عرفات کے ایک معنی معرفت کے ہیں۔ کہ ہم وہاں اللہ پاک کی معرفت کے حصول کے لئے

حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرا معنی اعتراف ہے کہ ہم وہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

مزدلفہ

عرفات کے بعد اگلا پڑاؤ مزدلفہ ہے۔ مزدلفہ کے معنی قرب کے ہیں۔ انسان یہاں یہ سوچے کہ میں عرفات میں اعتراف گناہ اور اللہ کی معرفت کے بعد اللہ عزوجل کے قریب آ گیا ہوں۔

منیٰ

منیٰ کا مطلب بہانا ہے۔ کیونکہ یہاں قربانی دی جاتی ہے اور خون بہایا جاتا ہے۔ بکرے پر چھری چلاتے ہوئے ذہن میں یہ ہونا چاہئے کہ میں اپنے نفس پر چھری چلا رہا ہوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح کسی عزیز ترین چیز دولت یا اولاد کو قربان کرنے سے دریغ نہیں کروں گا۔

رمی جمار

ایک عمل رمی جمار ہے۔ جس میں برجیوں کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ تین برجیاں ہیں جن کو سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

اللہ قرآن میں فرماتا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں جن سے لوگ اس میں داخل ہوں گے۔ اب ہم ذرا غور کریں کہ کون کون سے گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ اعمال کی طرف دیکھیں تو سات چیزیں ہیں جن سے انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔

1. کان: جن سے بری باتیں یا گناہ کی چیزیں مثلاً موسیقی وغیرہ سنتا ہے۔
2. آنکھ: جن سے بری چیزیں دیکھتا ہے۔
3. زبان: جس سے کسی کو گالیاں دیتا ہے، کسی کو برا بھلا کہتا ہے، کسی پر بہتان لگاتا ہے، چغلی کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔
4. ہاتھ: جن سے برے افعال سرانجام دیتا ہے کسی پر ظلم کرتا ہے۔
5. پاؤں: جن سے چل کر بری جگہوں میں جاتا ہے۔
6. فرج: شرم گاہ
7. شکم: جس کے ذریعے حرام مال کھاتا ہے۔

اسی طرح اخلاق میں سات گناہ ہیں جسے شرور النفس کہا گیا ہے۔

1. حرص: دولت جائیداد اور دوسری چیزوں کی تمنا کرتا ہے
2. میلان: پھر دولت اور جائیداد سے محبت کرنے لگتا ہے اور اللہ کو اور مخلوق خدا کے حقوق بھول جاتا ہے۔
3. کینہ: دوسروں سے بغض رکھتا ہے۔
4. حسد: دوسروں کو جو نعمتیں حاصل ہیں ان سے جلتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ ان سے چھن جائیں۔
5. غضب: انتقام کی آگ میں اندھا ہو جاتا ہے
6. شہوت: ناجائز چیزوں کے حصول کے لئے حدود اللہ کو پامال کرتا ہے۔
7. کبر: تکبر کرتا ہے

اسی طرح عقیدہ میں بھی سات چیزیں ہیں۔

1. غفلت: اللہ اور دین کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔
2. شک: یقین نہیں ہوتا کہ اللہ ہے، فرشتے ہیں، متذبذب رہتا ہے۔
3. جحود: (انکار) یہ شک کے بعد کی منزل ہے۔ انکار ہی کر دیتا ہے کہ اللہ ہے ہی نہیں۔
4. شرک: اللہ کو مانتا تو ہے مگر اس کی ذات وصفات وافعال وحقوق میں اوروں کو بھی شریک کر لیتا ہے۔
5. تجسیم وتشبیہ: اللہ کو مخلوق کی طرح سمجھنا کہ وہ غضب ناک ہو کر جو چاہے کر دے یا کسی کی سفارش مان کر اپنی سنت ہی ختم کر دے۔
6. ہدایت کا انکار: اللہ کو تو مانیں مگر انبیاء علیہم السلام کا انکار کرے کہ اس نے انسانوں کو پیدا تو کر دیا مگر ان کی ہدایت کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔
7. عدل کا انکار: اس بات کا انکار کہ قیامت کے روز اللہ جزا سزا دے گا۔

کنکریاں مارتے وقت اپنے اعمال اخلاق اور عقیدہ کا محاسبہ کریں کہ ان برائیوں میں سے کوئی چیز مجھ میں تو نہیں، اگر ہے تو میں اسے چھوڑنے کا عہد کرتا ہوں۔ اس طرح حج کرے تو ضرور قبول ہوگا جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حج کے بعد بندہ ایسے ہو جاتا ہے جیسے آج ہی پیدا ہوا ہو۔

فلسفہ حج

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو پھر اللہ نے حکم دیا کہ ہر سال دیوانہ وار اس کی طرف سفر کرنا ہے۔ ہمارا حج اب بہت مختلف ہو گیا ہے۔ ہم تو آخر تک حجامتیں وغیرہ کرواتے رہتے ہیں اور یہاں سے سفر کر کے دو گھنٹے میں وہاں پہنچ جاتے ہیں، وہ دیوانگی، للّٰہیت اور دیوانہ پن جو اس سفر کا اصل مقصود ہے، ہم میں نظر نہیں آتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا سب سے اعلیٰ حاجی کون سا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: جس کے بال بکھرے ہوئے ہوں اور وہ گرد وغبار میں اٹا ہوا ہو۔ [1]

حج دراصل عشق کی عبادت ہے، اس میں جنوں درکار ہے۔ نماز صفائی کی عبادت ہے۔ کپڑے صاف ستھرے ہوں، جسم صاف ہو، خوشبو لگا رکھی ہو، اللہ کے حضور جتنا بن سنور کر آئے اتنا ہی اعلیٰ ہے۔ سفر حج میں جتنا میلا کچیلا لباس بال بکھرے پریشان حال نظر آئے اتنا ہی بہتر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حج کا سفر بالکل موت کے سفر کی طرح ہے۔ بیوی بچے، دولت، جائداد اور عزیز واقارب سب پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کفن کی طرح کا ان سلا لباس ہوتا ہے۔ بندرگاہ یا ائیر پورٹ پر مال واسباب اور ویزہ وغیرہ کی چیکنگ کرنے والے لوگوں کی طرح وہاں منکر نکیر کھڑے ہوں گے جو زندگی کا حساب کتاب طلب کریں گے۔ میدان عرفات تو بالکل قیامت کا منظر ہے۔

جس طرح اللہ آواز دیتا ہے: تو آدمی لبیک لبیک کہتا ہوا سوئے منزل روانہ ہوتا ہے! اسی طرح اللہ تمام مردوں کو زندہ ہونے کا حکم دے گا تمام لوگ اللہ کے عرش کے نیچے پریشان حال کھڑے ہوں گے۔ جس طرح میدان عرفات میں لوگ برہنہ سر بے آب وگیاہ چٹیل میدان میں ننگے آسمان تلے روتے گڑگڑاتے معافیاں مانگتے ہیں۔

اسی طرح روز قیامت نگاہیں اللہ کے عرش کی طرف ہوں گی کہ جنت ملتی ہے یا دوزخ ٹھکانہ بنتا ہے۔ اللہ اس سفر میں موت کے سفر کی یاددہانی کرواتا ہے۔ اللہ توفیق بخشے تو کچھ ایسی ہی باتیں انسان کے پیش نظر ہونی چاہئیں۔ جو لوگ جاتے ہیں ان میں کچھ ایسی باتوں کا ظہور ہونا

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب المناسک: 436/2، ح 2527، تنقیح الرواۃ: 113/2:،

چاہئے جو اس سفر سے مطلوب ہیں ایسا نہ ہو کہ ایسا تھکا دینے والا سفر کرے مگر اس کے دل میں کوئی تبدیلی نہ ہو۔ دین اسلام کا یہ کمال اور خوبی ہے کہ اس میں ظاہر و باطن دونوں چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے، یہ نہ ہو کہ اس کا ظاہر تو ٹھیک ہو مگر اس کا باطن غیبت اور ریا کاری سے لتھڑا ہوا ہو، داڑھی شریعت کے مطابق ہو، تہبند شلوار پنڈلیوں تک ہو، مگر اس سے کوئی معاملات کرے تو پچھتائے اور توبہ توبہ کرے۔ یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ظاہر سنوارنے پر بہت زور دیا ہے۔

دوسرے لوگ جو یہ کہتے ہیں نماز روزہ حج کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اپنے اندر کچھ تبدیلیاں کرلے بس یہی کافی ہے۔ یہ دونوں نکتہ ہائے نظر غلط اور گمراہی پر مبنی ہیں۔ اللہ کے دین میں یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ جس طرح اس دنیا میں جسم اور روح دونوں اکٹھے ہوں تو انسان زندہ کہلاتا ہے۔ اکیلی روح ہو تو وہ بھی اپنے فعل سرانجام نہیں دے سکتی اکیلا جسم ویسے ہی مردہ ہوتا ہے جس طرح جسم اور روح مل کر اس دنیا کو چلا رہے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے اپنے دین میں ظاہر اور باطن دونوں کے سنوارنے کا اہتمام کیا ہے۔ ظاہری باتوں کا حکم بھی دیا کہ وضو کرو! نماز پڑھو! روزہ رکھو! اس کے ساتھ اس بات کا بھی حکم دیا: کہ اس عبادت میں اخلاص ہونا چاہئے ریا کاری نہیں ہونی چاہئے۔ جس طرح قربانی کا حکم دیا کہ جانور کو چھری پھیرو! اس کے ساتھ ہی اللہ نے فرمایا:

”کہ اللہ کو نہ تو خون چاہئے اور نہ اسے گوشت کی ضرورت ہے بلکہ اللہ کو تقویٰ درکار ہے۔“

تم نے یہ قربانی کس خلوص اللہ سے اپنائیت اور محبت سے دی ہے اور تم اللہ سے کتنا ڈرتے ہو اور تم نے جانور کے ساتھ ساتھ اپنے نفس پر بھی چھری پھیری ہے۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب جانور کو چھری پھیرے اس کے ساتھ خواہش نفس اور طمع پر بھی چھری چلائے۔ جانور کو چھری پھیر دی۔ مگر دل میں یہ طمع ہے کہ ساری دنیا کی مال و دولت میرے پاس اکٹھی ہو جائے۔ میرے نفس کے مخالف مجھے کوئی حکم نہ دیا جائے۔ یہ اسی طرح ہے کہ جسم تو ہے مگر بغیر روح کے ہے۔

اسی طرح اللہ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ [2/البقرہ:177]

”اس میں کوئی نیکی نہیں کہ تم نے منہ مشرق کی طرف کیا یا مغرب کی طرف،

اللہ یہ دیکھتا ہے کہ اس میں ایمان اخلاص اور تقویٰ کتنا ہے۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ [23/عنکبوت:45]

”کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔“

ظاہری روزہ بھی رکھے کہ صبح سے شام تک کھانے پینے اور عورتوں کے قرب سے رکا رہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی اللہ نے فرمایا: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ روزہ کا مقصد یہ ہے کہ اپنے جذبات و شہوات پر قابو حاصل ہو جائے تاکہ وہ زندگی کے مختلف مرحلوں میں اللہ کے حدود کی حفاظت کر سکے اور اللہ کے حکم ماننے کی عادت پڑ جائے۔ اگر کھانا پینا چھوڑ دے مگر بے حیائی کے کاموں کو ترک نہ کرے تو اللہ کو تمہارے بھوکے رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

ان تمام مثالوں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ ظاہری حکم کے ساتھ ساتھ باطن کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ایک دعا کی تعلیم دی ہے دعا کے الفاظ یہ ہیں:

((اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَرِيْرَتِىْ خَيْرًا مِنْ عَلَانِيَتِىْ وَاجْعَلْ عَلَانِيَتِىْ صَالِحَةً اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْاَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِى النَّاسَ مِنَ الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ غَيْرَ الضَّالِ وَلَا الْمُضِلِّ))

”اے اللہ! میرے باطن کو ظاہر سے بہتر بنا دے اور میرے ظاہر کو بھی درست کر دے۔ اے اللہ! مجھے کنبہ، اولاد اور مال جو بھی اچھی چیزیں تو لوگوں کو دیتا ہے مجھے بھی عطا فرما: اس کیساتھ ہی میں پناہ مانگتا ہوں کہ یہ چیزیں نہ تو مجھے گمراہ کریں نہ خود گمراہ ہوں۔“ [1]

اللہ کے دین میں یہ دونوں باتیں بیک وقت ملتی ہیں کہ باطن کی بھی اصلاح ہو مگر اس کے ساتھ ساتھ ظاہر بھی اچھا نظر آئے۔ مگر اب ہماری بدقسمتی سے یہ دونوں شعبے آپس میں ٹکراتے نظر آتے ہیں۔ فقہ ظاہری قوانین وضوابط پر مشتمل ہے اس میں نماز کی درست ادائیگی، روزے کے ظاہری معاملات کے بارے میں احکامات ملتے ہیں، یہ فقیہ کی ذمہ داری ہے۔ باطن میں کیا خرابیاں ہیں اور ان کی اصلاح کیسے ممکن ہے۔ اس کا نام تصوف ہے۔ گمراہ صوفیوں سے ہٹ کر جو

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل الدعوات باب جامع الدعاء: 2/418، ح: 2504، تنقیح الرواۃ: 2/109،

نیک صوفیاء ہیں اور قرآن وسنت کی اتباع کرتے ہیں وہ صوفی اور فقیہ دین کی بڑی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح دین کا اصل مطلوب ہے۔ مکمل مسلمان وہی ہے جو ظاہر میں بھی شریعت کی مکمل پابندی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ غیبت، بغض، ریاکاری اور چغلی سے بھی اپنے دامن کو محفوظ رکھے ہوئے ہوں۔

بات حج کی ہو رہی تھی۔ اس میں بھی اللہ کا دین یہی مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت جنون کی حد تک ہونی چاہئے۔ سر کے بالوں کی خبر نہیں، خوشبو نہیں لگانی، کپڑے بالکل کفن کی طرح کے پہننے ہیں، عورت کا ساتھ ہو تو اس کے ساتھ شہوت کی بات نہیں کرنی، شکار بالکل قریب ہو اس کو ہاتھ نہیں لگانا، بالکل اس دنیا میں فقیر اور تارک الدنیا نظر آئے اس کی کیفیت یہ نظر آئے

دوست را گر نمی توانی دید
خانہ دوست را تماشہ کن

اگر تو محبوب کو اس دنیا میں نہیں دیکھ سکتا تو اس کا گھر ہی دیکھ کر دل کی تسکین کا سامان کر لے! اس کائنات میں محبت ایسی چیز ہے کہ وہ انسان سے ہر کام کروا لیتی ہے۔

محبت اور جنون کی لازوال داستان کا ایک کردار قیس عامری جسے ہم مجنوں کہہ دیتے ہیں۔ خلیفہ عبدالملک کے زمانے کا یہ کردار ہے۔ نیک لوگ لکھتے ہیں کہ قیس عامری کا باپ اسے خانہ کعبہ میں لے گیا اسے حطیم میں کھڑا کر کے کہا: کہ قیس تو دعا کر! کہ اے اللہ! تو میرے دل سے لیلیٰ کی محبت چھین لے! مگر قیس نے دعا کی کہ یا اللہ مجھ سے سب کچھ چھین لے مگر لیلیٰ کی محبت نہ نکالنا۔

اس بات کا حوالہ دے کر مولانا اخلاق حسین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ اگر اللہ نے روز قیامت یہ پوچھ لیا کہ تمہیں مجھ سے اتنی محبت بھی نہیں تھی جتنی قیس کے دل میں ایک عورت کی تھی کہ اس نے کہا: کہ مجھ سے سب کچھ چھین لے سوائے لیلیٰ کی محبت کے! مگر تم تو اللہ کی محبت کے دعویدار تھے۔ ہماری محبت تو ذرا سی آزمائش میں بھی پوری نہیں اترتی۔ اللہ سو (100) میں سے اڑھائی (2-1/2) روپے مانگتا ہے۔ ہم حیلے بہانے ڈھونڈنے شروع کر دیتے ہیں کہ اس سے تو مال کم ہو جائے گا۔ اور سود جس کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا: ''کہ سود کے گناہ کے ستر (70) حصے ہیں سب سے معمولی حصہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ [1]

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب البیوع باب الربا: 561/2، ح2826، تنقیح الرواۃ: 163/2، صحیح الجامع الصغیر: 663/1، ح: 3537، 3539،

یہی سود ہے۔ سارے ملک میں رائج ہے اور ہم اسے بلا اکراہ کھا رہے ہیں۔ تمام اسلامی ملکوں کی معیشت سود کی بنیاد پر کھڑی ہے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ اللہ اور رسول سے محبت ہے مگر درحقیقت اللہ اور رسول سے کھلی جنگ کر رہے ہیں، اس طرح کی خالی محبت نہیں چلتی۔ یہ کھوٹے سکے ہیں جن کا قیامت کے دن کوئی مول نہیں پڑے گا۔ محبت تو یہ ہے کہ انسان پر اتنی غالب آ جائے کہ وہ سب کچھ قربان کر دے مگر اللہ کے حکم کو نہ چھوڑے۔

اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ہے اللہ کا حکم نازل ہوا کہ دارالکفر میں مسلمانوں کا رہنا حرام ہے یا تو وہاں انقلاب کی کوشش کریں ورنہ دارالسلام کی طرف ہجرت کر جائیں۔ مسلمان کی غیرت کا تقاضا ہے کہ جس جگہ اللہ کے احکام سے متصادم قوانین رائج ہوں: وہاں نہ رہے۔

کتنے افسوس کا مقام ہے: کہ اب لوگ گھربار، زیور، جائداد بیچ کر بہت شوق سے یورپی ممالک میں جاتے ہیں۔ وہاں ان سے جس طرح کا بدتر سلوک کیا جاتا ہے اس کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ وہاں بے حیائی اور بے غیرتی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حالانکہ جو لوگ دارالکفر میں رہتے ہیں ان کا اولین فریضہ یہ ہے کہ نماز اور حج سے بڑھ کر کہ وہ دارالسلام کی طرف مراجعت اختیار کریں۔ وہاں ان کا ایک ایک لمحہ کفر کی حالت میں گزرتا ہے۔

اللہ نے وعید سنائی کہ ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فوت ہوئے ان کے بارے میں فرمایا: جب فرشتوں نے ان کی جان قبض کرتے ہوئے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم وہاں بے بس تھے۔ تو فرشتوں نے کہا: کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

سورۃ النساء میں یہ آیات نازل ہوئیں تو ایک صحابی جو بیمار تھے اور چلنے پھرنے سے عاجز تھے انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: کہ میری چارپائی اٹھائیں اور مدینہ کی طرف چلیں! بچے اٹھا کر نکلے مکہ سے باہر نکلے ہی تھے کہ فوت ہو گئے۔ اس موقعہ پر کئی لوگوں نے کہا: کہ اس کے لئے کیا اجر ہوگا وہ تو مدینہ پہنچا ہی نہیں؟ اس موقعہ پر اللہ نے فرمایا:

﴿ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لئے نکلے اور اسے

موت آجائے تو اس کا ثواب اللہ ﷻ کے ذمہ لازم ہو چکا ہے۔ اللہ ﷻ نیتیں دیکھتا ہے۔ جو شخص کسی نیک کام کا ارادہ کر لیتا ہے پھر اس میں اللہ کی طرف سے رکاوٹ آجائے تو اس نیت اور ارادہ پر بھی اللہ ﷻ ثواب دیتا ہے۔ وہ جذبات کی قدر کرتا ہے۔'' [4 /النساء: 100]

اسی طرح کا ایک واقعہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر پیش آیا۔ ایک صحابی میدان عرفات پر اپنی اونٹنی سے گرا اور اس کے پاؤں کے نیچے آ کر فوت ہو گیا۔ لوگوں نے کہا: اس کا حج پورا نہیں ہوا۔ رسول اللہ نے فرمایا: اسے غسل دو! مگر خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا چہرہ ڈھانپنا! سر بھی ننگا رہنے دینا۔ قیامت کے روز جب یہ قبر سے نکلے گا تو اسی طرح لبیک لبیک کہہ رہا ہوگا۔ [1]

اس کا حج پورا ہو گیا ہے اللہ ﷻ اسے پورا اجر دے گا اللہ ﷻ تو بندے کا شوق اور محبت دیکھتا ہے۔ اصل قدر اسی جذبہ کی ہے جو اس کے پیچھے کارفرما ہے۔

ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں واقع اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ باغ بہت گھنا تھا اس کی شاخیں اس قدر پیوست تھیں کہ ایک چڑیا اس میں گھس گئی مگر نکل نہ سکی وہ پھڑ پھڑانے لگی۔ صحابی رسول ؓ کی توجہ اس طرف ایسی مبذول ہوئی کہ ان کا دھیان نماز کی طرف نہ رہا۔ صحابی ؓ کو اپنی نماز ضائع ہونے کا بہت افسوس ہوا وہ خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان ؓ کی خدمت میں پیش ہوئے اور کہا کہ میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں کیونکہ اس کی وجہ سے میری نماز کا نقصان ہوا۔

امام مالک ؒ لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں وہ باغ پچاس ہزار درہم میں بکا اللہ ﷻ کا دین یہی مطالبہ کرتا ہے کہ انسان جو بھی عبادت کرے اس میں روح ہونی چاہیے یہ نہ ہو کہ رسم ادا کر دی بس کافی ہے۔ ڈھائی فیصد زکوٰۃ دے کر سمجھے کہ میں نے فرض ادا کر دیا ہے اب مخلوق بے شک بھوکی مرے مجھے اس سے کیا غرض ہے۔ اس نے زکوٰۃ کی رسم تو ادا کر دی مگر اس کی روح اس میں پیدا نہ ہوئی۔

زکوٰۃ کا تو یہ مطلب ہے کہ انسان اپنے آپ کو بخل اور کنجوسی سے پاک کر دے۔ ڈھائی فیصد تو عادت ڈالنے کے لئے ہے ورنہ اصل مطالبہ تو انفاق کا ہے۔ کہ جو تیری ضرورت سے زائد ہے وہ مسکینوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دے۔ جب بھی ایسا موقعہ آئے تو خوشدلی سے اپنی

[1] مشکوٰۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الجنائز باب غسل المیت وتکفینہ :59/2، ح:1637، تنقیح الرواۃ:316/2،

تجوری کا منہ کھول دے۔ کیفیت یہ ہونی چاہیے۔ جب کہ قرآن پاک میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ [3 /آل عمران: 92]

''(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (راہ خدا میں) صرف نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے۔''

ایک دوسری جگہ اللہ ﷻ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ ﴾ [2 /البقرة: 267]

''اللہ ﷻ کی راہ میں بری چیز دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ وہ چیز اگر تمہیں دی جائے تو تمہیں ناگوار گزرے۔''

تیمّم کا مطلب قصد کرنا (ارادہ کرنا) ہے۔ پانی نہ ملنے پر تیمّم کرنا بھی اسی لئے تیمّم ہے کہ دھیان مٹی کی طرف کر لو۔ اللہ ﷻ تمہاری اس بری نیت سے کی گئی خیرات کا محتاج نہیں ہے وہ تو غنی اور بے نیاز ہے۔ حلیم کا مطلب ہے کہ یہ اس کی درگزر ہے۔ ورنہ وہ تمہیں اسی وقت زمین میں دھنسا دے۔ اپنے مہمانوں کے لئے تو اہتمام کیا جائے مگر کوئی مسکین اللہ کی راہ میں مانگے تو اسے سوکھے ٹکڑے پر ٹرخا دیا جائے۔ صرف ظاہری افعال ہی مطلوب نہیں ہیں بلکہ اسے اس طرح سرانجام دیا جائے کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ زکوٰۃ کا مغز اور روح یہ ہے کہ اگر زکوٰۃ دی جائے تو اس سے اس کا دل بخل سے پاک ہو جائے گا۔ نماز پڑھے تو اس کے دل سے غفلت نکل جائے وہ کسی حال میں بھی خدا کو نہ بھولے۔

حج کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی محبت اس کے دل میں اس طرح رچ بس جائے کہ جس طرح اب گھر بار کاروبار چھوڑ کر سفر حج پہ نکل کھڑا ہوا، کبھی وقت آیا اور اللہ ﷻ کی محبت میں سب کچھ بھی قربان کرنا پڑا تو میں دریغ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بڑا اجر اور انعام ہے۔

رسول ﷺ نے فرمایا: جس نے حج کیا اور کوئی بے حیائی کا کام نہیں کیا وہ اس طرح واپس آیا جس طرح اس کی ماں نے آج ہی جنا ہے۔ [1]

امام زمخشری ؒ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ ؒ اس بات میں متردد تھے کہ چاروں عبادتوں نماز روزہ حج اور زکوٰۃ میں سے کون سی عبادت افضل ہے؟ پھر جب انہیں حج کی سعادت

[1] مشکوٰۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب المناسک :430/2، :2507، تنقیح الرواۃ:110/2،

نصیب ہوئی تو وہ یکسو ہو گئے کہ باقی تین عبادتوں میں جو کچھ ہے ان سب کی روح حج میں موجود ہے اس میں نماز بھی ہے زکوٰۃ کی طرح خرچ بھی ہے روزے کی طرح پابندیاں بھی ہیں۔ بلکہ کئی ایک چیزیں ہیں جو ان تینوں عبادتوں میں نہیں ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا: کہ افضل عبادت حج ہے۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان کی بخشش کے دو مواقع ہیں۔ ایک تو رمضان المبارک کہ اس میں قیام اللیل کے ذریعے اعتکاف کے ذریعے نوافل کے ذریعے سے بخشش حاصل کر لیں۔ اگر کوئی بدقسمت یہ موقعہ گنوا دے تو پھر وہ عرفات میں جا کر روئے، گڑگڑائے معافیاں مانگے اللہ تعالیٰ ضرور اسے بخش دے گا۔

حدیث پاک میں ہے: کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں غروب آفتاب کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ لوگوں کو خاموشی کا حکم دو! اور اعلان کرو: کہ جتنے لوگ اس میدان میں موجود ہیں اللہ تعالیٰ نے سب کو بخش دیا ہے۔ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کی وجہ سے۔ اور گناہ گاروں کو ان کی توبہ کی وجہ سے اور نیک لوگوں کی دعاؤں کی وجہ سے بخش دیا ہے۔ [1]

مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے دل کو صاف کرے۔ سچے دل سے توبہ کر کے آئے۔ یا اللہ تعالیٰ! بڑی عمر نافرمانی اور سرکشی میں گزاری ہے۔ قصوروار ہوں مگر اپنی رحمت اور فضل سے مجھے بخش دے۔ اگر وہاں اپنی نیکیوں پر فخر کرے گا تو اسے حج میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ جس جگہ بھی جائے یہی کہے: کہ الٰہی! میں اس مجمع میں سب سے نکما اور ناکارہ بندہ ہوں۔

حضرت مطرف ابن الشخیر رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کہ میدان عرفات میں کھڑے ہو کر کہا: یا اللہ! اگر میں اس مجمع میں نہ ہوتا تو شاید یہ سارا مجمع بخش دیا جاتا۔ حالانکہ وہ بہت بڑے ولی تھے بس یہ سوچنا چاہئے:

بادشاہ جرم ما را درگزار
گناہ گاریم تو آمرزگار

''یا اللہ ہم قصوروار ہیں تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔''

❁❁❁

[1] الاحادیث الصحیحہ: 4/163، ح:1624،

لبیک

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک کھربوں انسان اس دنیا میں آئے ان میں ایک لاکھ سے زائد پیغمبر اور رسول بھی گزرے۔ ان میں بے شمار لوگوں نے کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کے کارناموں کی بازگشت آج بھی سنائی دیتی ہے۔ ان لوگوں کی شخصی عظمت کی تاریخ گواہ ہے مگر ان لوگوں کے مستند حالات زندگی آج ہمارے پاس موجود نہیں۔ چند انبیاء کرام علیہم السلام کے کچھ حالات اور چند معجزات ہم تک پہنچے ہیں ان لوگوں کے حالات بھی قرآن پاک کے طفیل ہم تک پہنچے۔ ان کھربوں انسانوں میں سے یہ اعزاز صرف ایک ہستی کو حاصل ہے کہ اس کے مکمل حالات زندگی تمام تر صحت کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس ہستی کا نام نامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: کہ اگر مجھ سے کوئی میرے آباؤ اجداد کے بارے میں پوچھے تو ایک دو پشتوں سے زیادہ میں کچھ بھی بتا نہیں سکوں گا۔ لیکن اگر مجھ سے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں دریافت کرے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کئی پشتوں تک گزرنے والے لوگوں کے نام اور حالات بتا سکتا ہوں۔ ان کے چچاؤں پھوپھیوں کے بارے میں، ان کی اولاد کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مشیت ہے کہ اللہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہبر اور ہادی بنانا چاہتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے اولوالعزم موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر داؤد علیہ السلام جیسے عبادت گزار صالح علیہ السلام جیسے متقی انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں آئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق ادا کر دیا۔ لیکن اگر آج کوئی شخص چاہے کہ میں ان میں سے کسی کو اپنے لئے اسوہ اور نمونہ بنانا چاہوں تو اسے ان کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ انہوں نے نماز کیسے پڑھی، ان کی نشست و برخاست کیسی تھی، بیوی اور بچوں کے ساتھ ان کے معاملات کیا تھے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا کیا رویہ تھا؟ یہ اعزاز صرف حبیب خدا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے کہ ہم آج بھی انہیں اپنے سامنے موجود پاتے ہیں کہ وہ کس طرح بیٹھتے تھے، کس طرح لیٹتے تھے، کس طرح سوار ہوتے تھے، کس طرح کھانا کھاتے تھے۔ ہمیں اس بارے میں ذرا بھی تشنگی نہیں کہ ہمیں یہ پچھتاوا ہو کہ اگر ہم اس وقت ہوتے تو یہ بات معلوم کر لیتے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مفصل حالات ہم تک پہنچنا کسی معجزے سے کم نہیں اور ان کی ذات

گرامی پہ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ پہلی صدی سے ہی لوگ اس مشن کے لئے لگا دیئے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات آنے والے لوگوں کیلئے محفوظ کر لئے جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کے ہزاروں ساتھیوں کے حالات بھی ہم تک انتہائی مستند طریقے سے پہنچے ہیں کہ ان کے باپ دادا کا کیا نام تھا، ان کا تعلق کس قبیلے سے تھا، وہ کب مسلمان ہوا، کب اس کی وفات ہوئی، بلکہ یہاں تک کہ کون سے شہر میں کون سا صحابی آخر میں فوت ہوا۔ مدینہ منورہ میں جو صحابی سب سے آخر میں فوت ہوئے ان کا نام سہل رضی اللہ عنہ تھا ان کا نام پہلے حزن تھا جس کا مطلب سخت اور کھردرا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے لوگوں کے نام میں کوئی خرابی دیکھی تو بدل دیا اسی سلسلہ میں ان کا نام حزن سے سہل (آسان نرم طبیعت) کر دیا۔ [1]

اِن ہی سہل بن سعد بن ساعدی نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے:

((قال ما من ملب یلبی الا لبی ما عن یمینه و شماله من حجر او شجر او مدر حتیٰ تنقطع الارض من ھھنا و ھھنا))

''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی لبیک کہنے والا لبیک کہتا ہے: تو اس کے دائیں طرف جتنی چیزیں پتھر درخت وغیرہ اسی طرح بائیں طرف جتنی چیزیں ہیں وہ سب اس کے ساتھ لبیک کہتی ہیں، زمین کی انتہا تک دونوں طرف۔'' [2]

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کا ارادہ کیا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام عرب قبائل میں اعلان کروا دیا کہ میں اس سال حج بیت اللہ کے لئے جا رہا ہوں: تمام مسلمان وہاں پہنچیں! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد دس سال تک حج نہیں کیا۔ جب مکہ فتح ہو گیا اس سال بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کیلئے نہیں گئے بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کیا۔ اس سال مسلمانوں اور مشرکوں نے اکھٹے حج کیا۔ اسی موقعہ پر وہاں اعلان کر دیا گیا کہ اگلے سال کوئی بھی مشرک حج نہیں کر سکے گا۔

[1] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل باب الاسامی:4/62، ح:4781،
[2] صحیح سنن ترمذی ابواب الحج باب فضل التلبیۃ والنحر :1/249، ح:662، صحیح سنن ابن ماجہ:2/155، مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب المناسک:2/444، مستدرک حاکم۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان کے بعد لوگ قافلہ در قافلہ مدینہ منورہ پہنچنا شروع ہو گئے۔ صدیوں بعد ابراہیم علیہ السلام کا تعمیر کردہ خانہ خدا اللہ وحدہ لاشریک لہ کے ماننے والوں کے لئے خالص ہو گیا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کا وہ خواب تعبیر پانے والا تھا کہ یہ گھر صرف ایک خدا کے ماننے والے کے لئے ہو جائے۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تو لوگوں کا ایک سمندر تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں سوئے حرم رواں تھا۔ شمع رسالت کے پروانوں کا یہ قافلہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش عظیم سے دیکھا تو جبرئیل علیہ السلام کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قافلہ بہت پسند آیا ہے۔ صدیوں بعد موحدین کا قافلہ اللہ تعالیٰ کے گھر کی طرف رواں دواں تھا۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اونٹنی سے ادھر ادھر دیکھا تو ہر طرف سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔ چشم آسمان نے بھی یہ منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ماننے والوں کا اتنا بڑا گروہ کہیں اکٹھا ہوا ہو۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: کہ ان قدسیوں کو حکم دیجئے کہ لبیک ذرا بلند آواز سے پکاریں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ترانہ بہت پسند ہے۔ [1]

جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ ہم فج الروحاء تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ ہمارے گلے بیٹھ گئے۔ جب یہ قافلہ جا رہا تھا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا: کہ یہ فلاں مقام ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وادی میں سے گزر رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس طرح کا لباس پہن رکھا ہے اور لبیک پکارتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ [2]

علماء کرام نے اس کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے: کہ موسیٰ علیہ السلام اسی وقت گزر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بات بھی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے مسجد اقصیٰ میں معراج کے موقعہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کو اکٹھا کر چکا تھا۔ لیکن یہاں یہ بات درست نہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ جب کئی سو سال پہلے موسیٰ علیہ السلام کا یہاں سے گزر ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی فلم چلا دی اور آپ نے وہ تمام مناظر دیکھ لئے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی لبیک پکار رہے ہیں۔ جب زائر لبیک

[1] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل باب الاحرام والتلبیۃ:2/444، ح:2549، مالک، ترمذی، ابوداوٗد، نسائی، ابن ماجہ
[2] صحیح بخاری کتاب الحج باب التلبیۃ اذا انحدر فی الوادی ص:309، ح1555، 3355، 5913،

کہے اسے سوچنا چاہئے کہ اس وقت میں اکیلا لبیک نہیں کہہ رہا۔ یہ فضا، چرند، پرند، یہ شجر، پہاڑ دریا، سمندر بلکہ ساری کائنات کا ہر ذرہ اس وقت میرے ساتھ نغمہ خواں ہے اور اس کائنات کے مالک اور شہنشاہ کے لئے اپنی فرماں برداری کا اعلان کر رہے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن جب لبیک کہتا ہے تو اس کے دائیں بائیں آگے پیچھے ہر چیز لَبَّیْكَ کہتی ہے۔ اس ازلی اور ابدی موسیقار کی لَے میں کائنات کی ہر چیز نغمہ الاپنے لگتی ہے۔ لبیک کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ "میں حاضر ہوں" کسی بھی بات کا دوسری زبان میں ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ مگر عربی زبان کے کسی لفظ کا جب دوسری زبان میں ترجمہ کیا جائے تو اس کے مفہوم کی جان نکل جاتی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ لبیک کو کیوں حج کے لئے شعار اور ترانہ قرار دیا گیا ہے۔

اسلام کے ساتھ کفار نے بہت ظلم کیا۔ مگر ہم نے دین کو تباہ کرنے میں خود بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جس طرح دین کی ہر بات میں اصل کے ساتھ کچھ ملمع بھی چڑھایا گیا ہے اسی طرح لَبَّیْكَ کے سلسلے میں بھی ایک کہانی کتابوں میں لکھی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر مکمل کر لی تو اللہ نے حکم دیا کہ اعلان کرو کہ لوگو! حج کے لئے اس گھر کا سفر کرو! ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یا اللہ میرا اعلان ساری دنیا میں کیسے پہنچے گا؟ اللہ تعالیٰ نے کہا: کہ تم اعلان کردو پہنچانا میرا کام ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے اعلان کیا اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو نیچے کر دیا اور وادیوں کو اوپر کر دیا اور یہ اعلان زمین کے ہر گوشے میں پہنچ گیا۔ بلکہ باپوں کی پشتوں اور ماؤں کی رحموں میں بھی پہنچ گیا۔ حتیٰ کہ قیامت تک آنے والے لوگوں تک یہ پیغام پہنچ گیا اور انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان پر لبیک کہا اور جس نے جتنی دفعہ لبیک کہا وہ اتنی دفعہ اس گھر کا سفر کرے گا۔

اس کہانی کو بڑے بڑے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں درج کیا۔ یہ کہانی بالکل من گھڑت ہے، اس میں ذرا بھی حقیقت نہیں۔ اس روایت میں شامل ایک راوی قابوس بن ظبیان ہے جس نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب کیا ہے۔ قابوس ضعیف ہے۔ علمائے حدیث نے اسے رد کر دیا ہے۔ "ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ اعلان کردو: کہ اللہ کے گھر کا طواف کریں اور حج کریں!" اس کے علاوہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے کہ قیامت تک کے آنے والے لوگوں نے اس کو سنا اور اس پر لبیک کہا: بالکل من گھڑت کہانی ہے۔ یہ اعلان ایسا ہی تھا جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ کفار کے لئے مہلت ختم ہوگئی۔ آئندہ سال کوئی بھی مشرک حج نہیں کر سکے گا اور انہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ مکہ سے نکل جائیں۔ اسی طرح کا اعلان ابراہیم علیہ السلام نے کیا تھا جو

لوگوں کے ذریعے آنے والی نسلوں تک پہنچتا رہا اور اسی کی تجدید رسول علیہ السلام نے فرمادی۔

امام ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح شریعت کے دیگر اعلان ہوئے۔ جیسے نماز، زکوۃ، روزہ وغیرہ، اسی طرح حج کا اعلان کیا گیا۔ جہاں تک اس بات کے امکان کا تعلق ہے کہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اعلان کرے اور اللہ اسے آنے والی نسلوں تک پہنچا دے تو اللہ قادر مطلق ہے کوئی بھی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں اور اس کی قدرت سے کوئی بھی بات بعید نہیں۔ لیکن بحث اس کے وقوع کی ہے کہ کیا ایسا واقعہ پیش آیا تو اس کا جواب نفی میں ہے کیونکہ کوئی بھی صحیح روایت یہ بات ثابت نہیں کرتی کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہو۔ اب یہ بات طے ہوگئی کہ لبیک ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کا جواب نہیں ہے۔

تو پھر کس بات کا جواب ہے؟ اس بارے میں امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے تہذیب السنن میں [1] لَبَّیْكَ کے آٹھ (8) معنی لکھے ہیں: امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں لبیک کا مطلب ہے کہ یا اللہ! میں تیری دعوت کو قبول کرتا ہوں، اور بار بار قبول کرتا ہوں، اگر لَبَّكَ ہوتا تو اس کا مطلب "میں قبول کرتا ہوں" ہوتا اس میں "جوی" کا اضافہ کیا گیا ہے اس میں دوام اور تسلسل آ گیا، اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا تو نمازی کہے: کہ یا اللہ! میں تیرے اس حکم کو بار بار قبول کرتا ہوں۔ پہلے اس دعوت کے جواب میں زبان سے لَبَّیْكَ کہے: اس کے بعد اسے ماننے کے لئے کمر بستہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی حکم ملے کہ نماز پڑھ! زکوۃ ادا کر! روزہ رکھ! تو اس کے جواب میں کہے: یا اللہ! میں نے تیرے حکم کو تسلیم کیا اس کے بعد اس کے حکم کی تعمیل عملی طور پر کرے۔

اللہ کی دعوت اور پکار دو طرح کی ہے۔ پہلی دعوت کی پکار کے جواب میں اس کائنات کی ہر چیز چرند، پرند، آسمان و زمین، سورج، چاند، ستارے، نباتات، جمادات لبیک کہتی ہے۔ یہ زبان سے لبیک نہیں کہتے۔ ہوسکتا ہے کہتے بھی ہوں۔ جسے ہم سن اور سمجھ نہیں سکتے مگر عملی طور پر کائنات کی ہر چیز اللہ کے حکم کی تعمیل کے لئے سرپٹ دوڑ رہی ہے۔ جیسے سورج کیلئے راستہ رفتار اور زمین سے اس کا فاصلہ متعین کر دیا گیا ہے۔ کروڑوں اربوں سال ہوگئے وہ اپنے متعین کردہ راستے پر چل رہا ہے۔ اگر وہ اس میں ایک انچ کا بھی فرق ڈال دے تو ساری کائنات تباہ ہو جائے۔

آپ اس کائنات کا مطالعہ کریں۔ جس کے بارے میں اللہ قرآن پاک میں بار بار کہتا ہے آپ کو اس کائنات کی ہر چیز اللہ کی فرماں برداری کرتی ہوئی نظر آئے گی۔ اللہ سورۃ بنی

[1] ابوداؤد شریف کی شرح تہذیب السنن ص:235،

کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا وہ اس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ وہ ہمیں موت دے گا اور ایک دن اس مالک کے دربار میں حاضری ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سورۂ اعلیٰ میں فرماتا ہے: کہ

﴿ سبح اسم ربك الاعلىٰ ﴾

''(اے نبی) اپنے رب کے نام کی تسبیح کرو۔''

سجدے میں ((سبحان ربی الاعلیٰ)) اسی آیت کا جواب ہے اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنے رب کا نام جپ ہر لمحے اور ہر گھڑی۔

رب کا مطلب ہے وہ ذات جو ہر لمحہ اپنے بندے کی ضرورتوں کو مہیا کرے خالق کا لفظ اس مطلب کو پورا نہیں کرتا اس کا مطلب ایک دفعہ بنانے والا ہے رب کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز اس نے بنائی اگر وہ اس سے ایک لمحے کیلئے بھی جدا ہو جائے تو قائم نہ رہ سکے۔

تسبیح کا حکم دینے کے بعد وہ چار کام بتائے جس بناء پر تسبیح کی جائے۔ پہلا کام ﴿الذی خلق فسوی﴾ خلق کا ایک معنیٰ پیدا کرنا ہے اور اس کا ایک معنیٰ ڈیزائن یا نقشہ بنانا بھی ہے اسے تقدیر کہتے ہیں۔ جس طرح ہم عمارت بنانے یا کوئی مشین تیار کرنے سے پہلے اس کا نقشہ تیار کرتے ہیں کہ اس کی ظاہری شکل وصورت یوں ہوگی اور یہ اس طرح کام کرے گی۔ اسی طرح اللہ نے اس کائنات میں جو چیز بھی تخلیق کی اسے الل ٹپ نہیں بنا دیا بلکہ اس کا ڈیزائن تیار کیا۔ اس سے اگلا مرحلہ فسویٰ کہ اس نقشے کے مطابق اسے بنایا اور اسے اسی طرح بنایا جیسے کہ اسے بنانا چاہئے تھا۔ کہ اسے دیکھ کر کوئی نقص نہ نکال سکے۔ اسے اللہ نے سورۂ سجدہ میں یوں بیان کیا ہے:

﴿اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ﴾ [32 /سجدہ: 7]

''کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی بنائی خوب ہی بنائی۔''

﴿وَالَّذِیْ قَدَّرَ﴾ ''اس کی تقدیر بنائی یعنی اس کے لئے ایک پروگرام تشکیل دیا کہ وہ کس طرح کام کریگا۔ اس کی کیا ذمہ داریاں ہوں گی؟ کب تک اس دنیا میں رہے گا؟ جس طرح کمپیوٹر میں ایک پروگرام داخل کر دیا جاتا ہے اور وہ اس کے مطابق کام کرتا ہے۔

اسی طرح اس کائنات میں جس کے ذمہ جو کام ہے وہ بتا دیا گیا ہے اسے اللہ تعالیٰ وحی کہتا ہے: زمین وآسمان کی ہر چیز کو وحی کی جاتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز کو اس کا پروگرام بتا دیا جاتا ہے جسے ہم فطرت کہتے ہیں۔ کہ چیل کو دیکھ کر مرغی کے بچے اپنی ماں کی طرف دوڑتے ہیں اور ماں فوراً

پر پھیلا دیتی ہے۔ حالانکہ ان بچوں کو کوئی بھی تعلیم نہیں دیتا کہ چیل تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جیسے ایک مچھلی ہے وہ ایک خاص جزیرے میں پیدا ہوتی ہے پھر سمندر میں پھیل جاتی ہے۔ لیکن جب اس کی موت کا وقت آتا ہے وہ واپس اسی جزیرے میں چلی جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا ﴿ فهدیٰ ﴾ پھر راہ دکھائی یعنی پیدا کرنے اور پروگرام دینے کے بعد یوں ہی چھوڑ نہیں دیا بلکہ جس کام کے لئے اسے بنایا اس کا طریقہ بھی بتاتا ہے وہ صرف خالق نہیں بلکہ ہادی بھی ہے۔ یہ بات اس نے اپنے ذمہ لے لی ہے کہ جو چیز جس کام کے لئے پیدا کی اسے اسی کے مطابق ہدایت دے۔ ایک ہدایت اس کائنات کی ہر چیز سورج، چاند، ستاروں، نباتات و جمادات، چرند و پرند سب کے لئے ہے جس پر وہ عمل پیرا ہے۔ اسی طرح کی ہدایت انسان کے لئے بھی ہے اور اس کی دو الگ حیثیتیں ہیں۔ پہلی ہدایت اس کی حیوانی زندگی کیلئے ہے جس کے مطابق بچہ پیدا ہوتے ہی دودھ پینا شروع کر دیتا ہے اور جسم کے سارے اعضاء اس ہدایت کے مطابق اپنے افعال سرانجام دیتے ہیں۔

اور دوسری ہدایت اس کی عقلی اور شعوری زندگی کے لئے ہے۔ کیسی غیر منطقی بات ہے جو کافر کرتے ہیں کہ اس کی عقلی اور شعوری زندگی کے لئے ہدایت کا سلسلہ جاری نہ کیا ہو۔ انسان اس ہدایت سے منہ موڑنے کے لئے کتنی بھی حجت بازیاں کرے لیکن یہ بات ماننے کے لائق نہیں کہ جس خدا نے اس کائنات میں ہر چیز کیلئے اس کی ساخت اور حیثیت کے مطابق ہدایت کا انتظام کیا ہے۔ اس خدا نے انسان کو اختیار تو دے دیا مگر اسے استعمال کرنے کا طریقہ نہ بتایا ہو۔

لَبَّیْك کا پہلا مطلب یہ: کہ اے مالک! میں بار بار تیرا حکم ماننے کے لئے بالکل تیار ہوں: اللہ کی دوسری پکار اور دعوت انبیاء کرام علیہم السلام کے پیغامات ہیں۔ اللہ نے انسان کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے اپنے نبی اور رسول بھیجے اور جن لوگوں نے اللہ کی اس دعوت پر لَبَّیْك کہا ان پر شریعت کی پابندیاں عائد کر دی گئیں اسے انقیاد کہتے ہیں۔ جیسے کوئی اونٹ کی نکیل پکڑ لے تو اونٹ مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے پیچھے پیچھے چلے۔ اللہ اپنے نبی کے ذریعے شریعت کا کوئی حکم اتارے تو اس پر لبیک کہے۔

لَبَّیْك کا تیسرا معنیٰ کسی جگہ جم کر بیٹھ جائے اور پھر نہ ہلے جیسے ((لبه بالمقام)) کہ ''وہ اس جگہ پر مقیم ہو گیا۔'' اس کا مفہوم یہ ہے کہ اب میں تیری اطاعت پر ڈیرہ لگا کر بیٹھ جاؤں گا! اب میں کبھی نافرمانی نہیں کروں گا۔ میں اب تیری اطاعت اور فرماں برداری سے کبھی باہر نہیں نکلوں گا

لَبَّيْكَ کا چوتھا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے اب تیری طرف رخ کرلیا ہے اب کبھی بھی تیرے احکام سے منہ نہیں موڑوں گا۔ صرف تیری طرف متوجہ رہوں گا۔

اس کا پانچواں معنیٰ ((امرأة لبة)) یہ ایسی عورت کے لئے بولا جاتا ہے جو اپنے شوہر سے بہت محبت کرے۔ لبیک کا پانچواں معنیٰ: محبت کا ہے کہ یا اللہ! میں تیرے احکامات اس طرح مانوں گا جیسے کوئی محب اپنے محبوب کی باتوں کو مانتا ہے۔ یعنی تیرے احکام بادل نخواستہ نہیں بلکہ انتہائی محبت کے ساتھ سرانجام دوں گا۔

لَبَّيْكَ کا چھٹا معنیٰ خالص ہے۔ جیسے حکیم کسی چیز کا لب یعنی خلاصہ تیار کرلیتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ یا اللہ میں نے اپنے دل کو خالص تیرے لئے کرلیا ہے اب اس میں کسی دوسرے کی محبت داخل نہیں ہوگی۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والقلب بيت الله جل جلاله

حبا واخلاصا مع الاحسان

''کہ اللہ تعالیٰ کا اصل گھر تو بندے کا دل ہے تو اس میں اس کی محبت اخلاص اور احسان ڈال دے اور دنیا کے کوڑا کرکٹ کو اس میں جگہ نہ دے انسان اپنے دل کو اللہ کی محبت کے لئے خالص کرلے۔''

لَبَّيْكَ کا ساتواں معنیٰ انشراح صدر ہے کہ وہ جب نیکی کرتے ہیں تو مجبوری سے نہیں بلکہ انتہائی شوق کے ساتھ۔ جیسے نماز کا وقت ہو تو ان کی حالت ماہی بے آب کی طرح ہوجاتی ہے انہیں اس وقت تک سکون نہیں ملتا جب تک وہ نماز ادا نہ کرلیں۔ ان کا دل نیکیوں کے لئے کھول دیا جاتا ہے۔

اس کا آٹھواں اور آخری معنی اقتراب ہے یہ قرب سے نکلا ہے۔ جس کا معنی قریب ہونا ہے اس کا مفہوم رب سے قربت ہے کہ انسان تمام دوریاں ختم کرکے اپنے اللہ کے قریب ہوجائے

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تو نے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے

اللہ تو اپنے بندے کے بہت قریب ہے مگر اس نے نسیان اور غفلت سے اسے دور کر رکھا ہے۔ وگرنہ انسان یہ محسوس کرے کہ اس کے اذن اور حکم کے بغیر تو میں ایک سانس بھی نہیں لے سکتا۔ یہ بات بیان کرنی بہت مشکل ہے اور لوگ اس کا مطلب کچھ اور سمجھ لیتے ہیں۔ اللہ کے نیک بندے ہر لمحے اپنے رب کو اپنے پاس سمجھتے تھے۔ کتا بولتا! تو کہتے: لبیک یا مولیٰ کہ: اے آقا! میں

کے بغیر کبھی بھی بول نہیں سکتا وہ کتے کو رب نہیں کہتے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ سمجھتا ہوں کہ یہ تیرے اذن اسے طاقت دی تو یہ بولا۔ اگر اللہ اسے جان نہ دیتا اس کو بولنا نہ سکھاتا تو کیا فاعل اللہ ہے اللہ نے کتا بول سکتا تھا؟ خلق افعال عباد کہ اللہ پردے کے پیچھے سے ڈوریاں ہلاتا ہے تو پتلیاں متحرک ہوجاتی ہیں۔ ورنہ تو وہ کپڑے کی بے جان گڑیاں ہوتی ہیں۔

اسی طرح انسان کیا ہے مٹی کا بے جان بت اللہ عرش عظیم پر بیٹھا ذرا سا بٹن دباتا ہے تو یہ حرکت میں آجاتا ہے۔ بٹن سے ہاتھ اٹھاتا ہے تو وہی بے جان بت رہ جاتا ہے۔ ایک صوفی یہ بات سمجھ گیا اس نے کہا کہ یا اللہ میں تو جو چیز بھی دیکھتا ہوں اسی میں تو ہی نظر آتا ہے۔ ایک بے ایمان وہاں کھڑا تھا اس نے کہا: کہ گدھا بھی! صوفی نے اس آدمی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ وہ تو ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ زندگی دینا اسے قائم رکھنا رزق دینا سب اللہ کے اذن اور حکم سے ہے۔

تو جس طرح محب محبوب کے قریب ہوجاتا ہے تو لَبَّيْكَ کہنے والا اسی طرح اللہ کے قریب ہوجاتا ہے، جب زائر یہ سب مفہوم اپنے ذہن میں رکھ کر لَبَّيْكَ کہے گا اسے محسوس ہوگا کہ ساری کائنات اس کے ساتھ لَبَّيْكَ کہہ رہی ہے وہ زبان سے کہہ رہا ہے زمین وآسمان کی ہر چیز اپنے افعال سے لَبَّيْكَ کہہ رہی ہے۔

کسی دوست نے مجھ سے سوال کیا کہ نماز میں رکوع کیوں ایک ہے اور سجدے کیوں دو ہیں؟ میں نے اسے جواب دیا کہ اس کی حکمت تو اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں مگر نیک لوگوں نے سوچ وبچار کے بعد جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ میں پیش کئے دیتا ہوں کہ جب مزدور بہت زیادہ وزن اٹھاتا ہے تو کمر کو خم دے دیتا ہے۔ وزن کی زیادتی اس کی کمر دوہری کردیتی ہے۔ اسی طرح ہمارے اوپر بھی دو ایسے بوجھ ہیں اگر انسان انہیں محسوس کرے تو اپنے رب کے سامنے سر نہیں اٹھا سکتا۔

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: کہ ایک نوجوان نے مجھے لاجواب کردیا وہ ہر وقت خاموش رہتا۔ میں نے اس سے خاموشی کا سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا: دو بوجھ ہیں جو مجھے بولنے نہیں دیتے۔

1. ایک تو جب اللہ کی نعمتوں کو دیکھتا ہوں کہ ایک لمحے کیلئے بھی اس کا سلسلہ نہیں رکتا
2. دوسری طرف اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی طرف دیکھتا ہوں تو یہ بوجھ مجھے کسی بھی لمحے سوچ وفکر سے آزاد نہیں چھوڑتا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب توبہ کا طریقہ پوچھا گیا تو آپ نے جو دعا بتائی اسے سید

الاستغفار کہتے ہیں: ''ابوء لك وبنعمتك علي وابوء بذنبي ''ایک طرف تیری نعمتوں کا سلسلہ نہیں رکتا۔ دوسرے میں اپنی طرف دیکھتا ہوں تو گناہوں اور نافرمانیوں کا سلسلہ نہیں رکتا اگر انسان اللہ کی نعمتوں اور اپنی نافرمانیوں پر غور کرے تو کھڑا نہیں رہ سکتا اور وہ شرم ساری سے جھک جاتا ہے۔ یہی رکوع کی حقیقت ہے۔ [1]

اور جہاں تک دو سجدوں کا تعلق ہے شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو سجدوں میں تیری کہانی بیان کی گئی ہے۔ کہ ایک دور تھا کہ تیرا وجود نہ تھا تو صرف مٹی تھا پھر تو بن گیا۔ یہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کا وقفہ ہے اور پھر ایک دن آئے گا جب تو نہیں ہوگا۔ دوسرا سجدہ موت کی علامت ہے۔ اس کے بعد پھر بیٹھ جاتا ہے یہ قیامت کے وقت کا منظر ہے۔ اللہ نے قرآن پاک میں اسے یوں بیان کیا ہے:

﴿كُنتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [2/البقرة:28]

''ایک وقت تھا جب تم بے جان تھے۔ پھر اس نے تم کو زندگی بخشی۔ وہی تم کو مارتا ہے پھر زندہ کرے گا پھر تم اسی طرف لوٹ کر جاؤ گے''۔

عبادت کس طرح نیک لوگوں کے لئے عادت بن جاتی ہے انہیں اس کے بغیر کسی طرح سکون نہیں ملتا۔ سن لیجئے:

امام الہند شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوست حاجی عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ مجدد صاحب نے پوچھا؟ عبدالواحد! کیا جنت میں نماز ہوگی تو عبدالواحد صاحب نے جواب دیا شیخ! جنت میں نماز تو نہیں ہوگی؟ مجدد صاحب یہ بات سن کر بہت روئے۔ کہنے لگے اگر جنت میں نماز نہ ہوئی تو اس جنت کا کیا مزہ: کیونکہ وہ یہ بات سمجھتے تھے کہ نماز تو مالک دو جہاں کے ساتھ راز و نیاز کا ذریعہ ہے۔ نماز کے دوران تو اللہ سے دوریاں مٹ جاتی ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندہ سجدے کے دوران اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ میں نے لبیک کے جو آٹھ معانی بتائے ہیں لبیک کہتے وقت کسی کے ذہن میں ایک بھی رہ گیا تو اس کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ اللہ ہماری لبیک قبول فرمائے، آمین

❀❀❀

[1] مشکوۃ مترجم صادق خلیل کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبۃ: 355/2، ح: 2335، صحیح بخاری

جہاد

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾ [2/البقرة:207]

''اور انسانوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کا سودا کر لیتے ہیں اور اللہ بندوں کے حق میں بے حد مہربان ہے۔''

اس سے اوپر کی آیت میں انسانوں کے ایک ایسے طبقہ کا بیان ہوا ہے جس کو اگر قوت و اقتدار حاصل ہو جاتا ہے، فتح و اقبال اگر اس کے قدم چومتی ہے تو ایسے لوگ زمین میں ظلم وستم کرتے ہیں۔ وہ اپنی اغراض کے بندے ہوتے ہیں اور اپنی خواہشات اور اغراض کے مطابق حکمرانی کرتے ہیں۔ نتیجۂ زمین میں ظلم و فساد پھیل جاتا ہے، زندگی اجیرن ہو جاتی ہے، جینا مصیبت بن جاتا ہے۔ ان کے لئے فرمایا گیا: کہ ایسے لوگوں کو اگر نصیحت بھی کی جائے کہ آپ لوگ اللہ سے ڈریں۔ آپ کو اللہ نے حکومت دی ہے تو آپ زمین میں عدل و انصاف قائم کریں، نیکی اور بھلائی کے کام کریں تو وہ تکبر اور غرور دکھاتے ہیں اور حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ نصیحت قبول نہیں کرتے۔ ان کا علاج تو یہی ہے کہ جیسے وہ تکبر کر رہے ہیں کہ انہیں جہنم میں بھیجا جائے۔ یہی ان لوگوں کی بیماری کا علاج ہے وہاں ان کا تکبر اور غرور نکل جائے گا۔

ایسے ظالموں کے مقابلہ میں دوسرے طبقہ کا ذکر کیا جس سے بہتر انسان پھر تصور میں نہیں آسکتا۔ ان میں اپنی کوئی غرض اور خواہش نہیں ہوتی۔ ان کا مقصود اصلی صرف یہی ہوتا ہے کہ جب ہم یہاں سے رخصت ہوں تو ہمارا حقیقی مالک اللہ پاک ہم سے خوش ہو جائے! اللہ نے ایسے لوگوں کا ذکر فرمایا کہ وہ لوگ بھی آپ نے دیکھے ہیں ان میں وہ سب خواہشات موجود ہوتی ہیں مگر اس کے باوجود جب وہ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ زندگی عارضی ہے ہمیں مرنا ہے تو وہ یہ طے کر لیتے ہیں کہ حالات کیسے بھی ہوں ہم نے اپنے اللہ کو خوش کرنا ہے۔ تو اللہ پاک فرماتا ہے: کہ میں نے ایسے لوگوں ہی کے لئے یہ زمین بنائی ہے ورنہ اس دنیا کو بنانے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

جب فرشتوں نے کہا تھا کہ یہ انسان زمین میں فساد پھیلائیں گے تو اللہ نے ان کی اس

بات کی تردید نہیں کی تھی بلکہ فرمایا تھا کہ اگر ہزار میں سے ایک بھی اچھا نکل آیا تو وہ جبریل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے بہتر ہوگا۔

انسانوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے خود کو بیچ دیا ہے وہ اپنی جان مال اور جو کچھ ان کے پاس ہے ان میں سے کسی چیز کو اپنا نہیں سمجھتے وہ اسے اللہ کا سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت میں بھی ہر چیز اللہ کی ہی ہے اور اسے اللہ کے احکام کے مطابق ہی صرف کرتے ہیں

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

انسان اپنی مرضی سے اس دنیا میں نہیں آتا بلکہ اللہ کی مرضی کے مطابق آتا ہے۔ انسانوں میں جتنی صلاحیتیں بھی ہیں سب اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ جو لوگ اس حقیقت کو سمجھ لیتے ہیں وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت یہی ہے۔ سورۃ التوبۃ میں اللہ نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ اصل میں ایمان ہے کیا چیز؟ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جان اور مال جنت کے عوض خرید لیا ہے۔'' [9 /التوبة:111]

''مومن اللہ کے ساتھ تجارت کرتا ہے اپنی جان بیچ دیتا ہے اللہ سے وعدہ کرتا ہے کہ جہاں تو حکم دے گا وہیں اپنی جان و مال کو صرف کروں گا اپنی مرضی سے نہیں کروں گا اور فرماتا ہے: اس کے بدلے میں تمہیں جنت ملے گی'' اور اسی آیت میں کتنے خوبصورت الفاظ میں فرمایا:

﴿وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ﴾

''اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو کون پورا کر سکتا ہے''

تم اس دنیا میں اللہ کو خوش کرو! وہ مرنے کے بعد تمہیں ابدی جنت عطا کرے گا۔

﴿فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ﴾

''تو یہ سودا جو تم نے اللہ سے کر لیا ہے اس پر خوش ہو جاؤ۔''

﴿وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

''اور حقیقت میں کامیابی تو یہی ہے۔''

اس کے برعکس اگر کسی کو قارون کے خزانے بھی مل گئے اور مرتے ہی وہ عذاب کا شکار ہو گیا

تو اس نے کچھ بھی حاصل نہ کیا۔ اسی طرح اللہ نے سورۃ الصّف میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

''اے مومنو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جس سے تم اس دردناک عذاب سے بچ جاؤ جو تمہاری گھات میں ہے۔'' [61 /الصف:10]

ارشاد ربانی ہے:

﴿تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ﴾ [61 /الصف:11]

''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔''

﴿ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ [61 /الصف:11]

''اگر تم میں عقل و شعور ہو تو اس سے بہتر سودا تم کر نہیں سکتے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: جن اغراض و مقاصد کے پیچھے تم لگے ہو یہ سب عارضی اور فانی ہیں اگر تم اپنے جان و مال اللہ کی راہ میں صرف کر دو تو تمہاری کامیابی ہے ورنہ وہ تمہارے پاس ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ جن لوگوں نے اپنا جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا۔ انہی کے متعلق اللہ پاک نے فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

''ایسے بندوں پر اللہ مہربان ہے۔''

اس کی رحمتوں اور خزانوں کا تم اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے اپنے مال لٹائے، جانیں دیں مگر اس سے ان کی کوئی ذاتی غرض اور مقصد نہ تھا حکومت کا لالچ، نہ کسی علاقہ کی طمع۔

لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کوئی مال غنیمت کے لئے جہاد کرتا ہے کوئی شہرت کی خاطر جہاد کرتا ہے کوئی قبیلہ کے لئے جہاد کرتا ہے تو ان میں سے کون اللہ کی راہ میں ہے؟ آپ نے فرمایا: ان میں سے کوئی بھی نہیں! پھر فرمایا:

((مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا وَهُوَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

''جو اللہ کے کلمہ اور دین کو بلند کرنے کیلئے جہاد کرتا ہے وہی جہاد فی سبیل

اللہ کرتا ہے۔" [1]

جس جہاد کے ذریعے زمین پر عدل وانصاف قائم ہو، ظلم وستم کا خاتمہ ہو، اللہ کے بندے چین اور امن سے زندگی بسر کریں وہی حقیقی جہاد ہے۔

ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ایک شخص جہاد کرتا ہے تاکہ اسے مال وغیرہ حاصل ہو جائے؟ آپ نے فرمایا:

((لَیْسَ بِشَیْءٍ))

"اس کا جہاد میں کوئی حصہ نہیں۔"

وہ شخص پریشان ہوا اور چار مرتبہ اسی سوال کو دہرایا لیکن آپ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا اور فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا))

"اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔"

جس کی نیت اور مقصد اللہ کو راضی کرنا ہو اسی کے جہاد کو اللہ قبول کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیا انہی کے لئے جنت بنائی گئی ہے اگر ان کو جنت نہ ملی تو پھر اس کا کیا فائدہ! ان لوگوں کو خود اللہ فرمائے گا:

﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴾

"میری طرف سے تمہارے لئے سلامتی ہے۔"

تم نے سب کچھ میرے لئے لٹا دیا۔ دوسرے لوگوں نے حرام ذرائع سے بے شمار دولت اکٹھی کر لی لیکن ان لوگوں نے اللہ کی رضا کے لئے یہ سب کچھ قربان کر دیا۔ ان کے بچے ترستے رہے۔ مگر انہوں نے دنیا کے عیش وعشرت پر اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دی۔

جب کچھ لوگوں کو حکومت مل جاتی ہے تو وہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں دولت اکٹھی کرتے ہیں اور لوگوں پر ظلم وستم کرتے ہیں۔ لیکن جب اللہ والوں کو حکومت ملتی ہے تو لوگ آرام کرتے ہیں لیکن وہ راتوں کو گشت کرتے ہیں۔ لوگ اچھے کپڑے پہنتے ہیں لیکن خلیفہ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوتے ہیں۔ خود کو انہوں نے اللہ کے لئے مٹایا۔ انہوں نے اپنی اولاد اور کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ فقط اللہ کی رضا کو پیش نظر رکھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کو اسی کام کے لئے وقف کر دیا۔

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الجہاد: 282/3، ح: 2335، بخاری مسلم، عون المعبود شرح ابوداود: 321/2، باب فیمن یغزو ویلتمس۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنی بچیوں کے گھروں میں گئے انہوں نے پیاز کھایا ہوا تھا تو وہ اپنی جس بچی کے پاس جاتے وہ اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیتی۔ تو آپ نے پوچھا تم ایسا کیوں کرتی ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم نے پیاز کھا رکھا ہے ناک پر کپڑا اس لیے رکھا ہے تاکہ پیاز کی بو آپ تک نہ پہنچے۔ تو انہوں نے کہا تمہارا باپ اس دنیا میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کر سکتا ہے لیکن قیامت کے دن نبی کے سامنے ذلیل نہیں ہو سکتا۔ میں جب اللہ کی عدالت میں پیش کیا جاؤں گا تو اس وقت میرے اوپر یہ جرم عائد نہ کیا جائے کہ اس نے بیت المال کا ناجائز استعمال کیا۔ یہ لوگ بھی تو گوشت پوست کے انسان تھے ان میں بھی خواہشات واغراض تھیں۔ یہ لوگ بھی اچھے کھانے اور کپڑوں کی تمنا رکھتے تھے لیکن انہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر یہ سب کچھ قربان کر دیا۔

انہی کو اللہ پاک سلام کہے گا اور فرشتے بھی ان کا استقبال کریں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ﴾ [39/الزمر: 73]

"تم پر سلامتی ہو تم نے بہت اچھا کام کیا اب جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔"

انہی کے متعلق علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

ان کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

لوگوں کو صالحین کی حکومت سے یہ پتہ چلا کہ یہ بادشاہ نہیں بنتے۔ بلکہ یہ حکمران بن کر فقیر ہو جاتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الفاروق" میں لکھا: عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بیمار ہو گئے اور طبیب نے ان کے لئے شہد تجویز کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد لوگوں میں اعلان کیا کہ میری بیماری کے لئے طبیب نے شہد تجویز کیا ہے تو کیا میں مسلمانوں کے بیت المال سے شہد لے سکتا ہوں؟ سب نے کہا: کہ آپ کا بیت المال میں اتنا ہی حق ہے جتنا مسلمانوں کا! آپ لے سکتے ہیں یعنی ان لوگوں نے بیت المال سے معمول چیز بھی مسلمانوں کی اجازت کے بغیر لینی گوارا نہ کی۔ اگر آپ چاہتے تو لے سکتے تھے۔ لیکن آپ خود کو حکمران نہیں بلکہ مسلمانوں کا خدمت گار سمجھتے تھے۔ جب ایران کا شہر فارس فتح ہوا تو گورنری کے لئے قرعہ سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نام نکلا عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فارس بھیج دیا۔ جب یہ گئے تو ان کے ساتھ کوئی محافظ اور سپاہی نہ تھا۔ اکیلے چلے

گئے۔ جب جارہے تھے تو راستے میں آپ کو ایک شخص ملا جس کے پاس کچھ سامان تھا جو اس سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا: مدائن۔ آپ نے فرمایا: میں بھی وہاں جارہا ہوں۔ یہ سامان میں اٹھالیتا ہوں تو آپ نے وہ سامان اٹھالیا۔ جب شہر میں پہنچے تو لوگوں نے آپ کو سلام کرنا شروع کردیا تو تب پتہ چلا۔ وہ شخص پریشان ہوگیا کہ میں نے آپ سے سامان کیوں اٹھوایا؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے بندے پریشان نہ ہو! میں نے تمہارا سامان یہاں تک پہنچادیا۔ مجھے خوشی ہے کہ میں نے اللہ کے ایک بندے کی مدد کی۔ اللہ مجھے اس کا صلہ اور اجر دے گا۔

آپ وہاں بغیر مکان کے رہا کرتے تھے۔ مسجد میں فیصلے کرتے تھے۔ نیند کا وقت آجاتا تو مسجد میں یا کسی درخت کے نیچے سوجاتے۔ لوگوں نے کہا کہ ہم آپ کے لئے کوئی مکان تعمیر کردیتے ہیں۔ تو آپ کے لئے ایک چھوٹا سا مکان تعمیر کردیا گیا وہ بھی مٹی کا۔ آپ ایک اینٹ کے اوپر سر رکھ کر سوجاتے تھے۔ صرف ایک گھڑا آپ کے پاس پانی پینے کے لئے تھا۔

جب موت کا وقت آیا تو آپ رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سلمان رضی اللہ عنہ ہم اہل بیت میں سے ہیں'' آپ نے ساری زندگی دین کے مطابق بسر کی۔ تو انہوں نے جواب دیا: نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا ''مومن کے لئے اتنا سامان ہی کافی ہے جتنا مسافر کے لئے کافی ہوتا ہے'' اور مجھے خطرہ ہے کہ میں نے زیادہ سامان اکٹھا کرلیا تو میں پل صراط سے کیسے گزروں گا۔

یہ لوگ تھے جنہوں نے زمین پر اللہ کی حکومت کو قائم کیا اور ان کی حکومت اتنی بڑی تھی کہ موجودہ حکمرانوں کو ان سے دسواں حصہ بھی حکومت کا نہیں ملا۔ فلسطین سے لے کر سندھ تک ان کی حکومت تھی لیکن یہ حکمران نہ بنے بلکہ نگہبان بنے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے انہی کے متعلق کہا تھا

آن مسلمانان کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

شہنشاہ روم قیصر نے کہا تھا کہ ایک عام آدمی جب فقیری اختیار کرتا ہے تو مجھے کوئی تعجب نہیں ہوتا کیونکہ اس کے پاس کچھ ہوتا ہی نہیں اس لئے وہ فقیر بن جاتا ہے۔ لیکن جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فقیری اختیار کی تو اس وقت مجھے تعجب ہوا کہ اتنا بڑا حکمران جو پہلے قیمتی اور نفیس

لباس پہنتا تھا اور بہترین خوشبوئیں استعمال کرتا تھا لیکن اب وہ سادہ اور معمولی لباس پہنتا ہے۔

خلافت سے پہلے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ ملازم کو کپڑا لینے کے لئے بھیجتے تو اسے کہتے کہ دکان میں جو سب سے مہنگا اور قیمتی کپڑا ہو وہ لے کر آنا اور جو کپڑا ایک مرتبہ پہن لیتے دوبارہ ایک سال تک اس کی باری نہیں آتی تھی۔ لیکن جب آپ خلیفہ بن گئے تو اپنے ملازم کو کچھ پیسے دیئے اور کہا جو دکان میں سب سے معمولی کپڑا ہو وہ لے کر آنا۔ جب وہ لے کر آیا تو آپ نے کپڑے کو دیکھا اور فرمایا میں نے تجھ سے معمولی کپڑا لانے کو کہا تھا یہ تو مجھے نرم لگتا ہے تو ملازم نے کہا اس سے زیادہ معمولی اور کھردرا کپڑا دکان میں نہیں تھا۔

آپ کی بیوی فاطمہ عبدالملک کی بیٹی ولید اور سلیمان کی بہن تھی یہ سب حکمران تھے اور انہوں نے عیش وعشرت میں زندگی بسر کی تھی۔ اس کے پاس ایک قیمتی ہار تھا جو عبدالملک نے اسے جہیز میں دیا تھا۔ جب آپ کو لوگوں نے آپ کی مرضی کے بغیر خلیفہ بنادیا تو آپ اپنی بیوی کے پاس گئے اور کہا: جو ہار تمہیں تمہارے باپ نے دیا تھا اس کو بیت المال میں جمع کرادو اب میں خلیفہ بن چکا ہوں، اور امت کی ذمہ داری میرے کندھوں پر آچکی ہے تو انہوں نے وہ ہار بیت المال میں جمع کرادیا۔

آپ حکمران کیسے بنے؟ یہ بھی دلچسپ واقعہ ہے۔ سلیمان جو آپ کا برادر نسبتی تھا جب وہ مرنے لگا تو اس نے پوچھا حکمران کس کو بناؤں تو وزیر اعظم نے جو نیک تھا اس نے کہا اب تک بد حکمران بنتے رہے ہیں۔ آپ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بنادیں عبدالملک اپنے چار بیٹوں کے لیے وصیت کرگیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے بعد حکمران بنیں گے۔ دو بن چکے تھے اور دو ابھی باقی تھے۔ وزیر اعظم نے وصیت پر سلیمان کے دستخط کروالئے کہ اس کے بعد خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہوگا کسی کو اس بات کا وہم وگمان بھی نہ تھا اس نے وہ وصیت نامہ لفافہ میں بند کرلیا اور لوگوں سے کہا کہ جس شخص کا نام اس وصیت نامہ میں ہے اس کی بیعت کرو تو لوگوں نے جلدی جلدی بیعت کی یزید اور ہشام نے بھی بیعت کرلی کیونکہ انہیں بھی یقین تھا کہ ہم حکمران بنیں گے لیکن جب لفافہ کھولا اور اس میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا نام نکلا تو سب حیران رہ گئے۔

عمر رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چلا تو وہ ایک کمرے میں داخل ہوگئے اور رونے لگے۔ لوگ آپ کو مبارکباد دینے آئے۔ تو آپ نے کہا: مجھے مبارکباد نہ دو! بلکہ افسوس کرو کہ مجھے مشرق سے لے کر مغرب تک مسلمانوں کا نگران مقرر کردیا گیا ہوں اور قیامت کے دن اللہ مجھ سے ان کے متعلق

پوچھے گا تو اس وقت مجھے جواب دینا پڑے گا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کا قول نقل کیا ہے کہ جو حکمران بیت المال کی دولت پر عیش کرتے رہے اور اپنے بچوں کو مال و دولت کے ڈھیر دے کر گئے میں نے ان کو بھیک مانگتے دیکھا اور جن کے والد نیک تھے وہ اپنی اولاد کے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہ گئے ان کو مال دار دیکھا۔

جب عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی موت کا وقت قریب آیا تو اپنے بچوں کو جمع کر کے کہنے لگے کہ میں نے تمہارے لئے مال و دولت تو نہیں چھوڑی لیکن تمہاری تربیت اچھی کی ہے۔ پھر اللہ نے ان کو مال و دولت سے بھی اس قدر نوازا کہ ان کے ایک ایک بیٹے نے جہاد کے لئے پچاس پچاس گھوڑے دیئے۔

جو لوگ نیک کام کرتے ہیں اور اللہ کی رضا کیلئے اپنے مفادات کو ترک کر دیتے ہیں تو اللہ ان کے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اگر چہ یہ کام مشکل ہے۔ مگر جس طرح نیم پینا مشکل ہے کہ وہ کڑوی ہوتی ہے لیکن اس سے فائدہ بہت ہوتا ہے کہ خون صاف ہو جاتا ہے اور فاسد مادے ختم ہو جاتے ہیں اسی طرح ان کو وقتی طور پر کچھ تکلیف تو ہوتی ہے لیکن اس کے بعد جو فوائد حاصل ہوتے ہیں ہم ان کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ابراہیم علیہ السلام نے

﴿لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ﴾ [6/ الانعام:76]

''میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

کہہ کر اس بات کا اعلان کر دیا کہ کچھ دن کی یہ دنیا ہے۔ اس سے متأثر ہونے کی بجائے ہمیشہ رہنے والی زندگی کو ترجیح دوں۔

فرعون، نمرود، قارون وغیرہ کچھ دن کے لئے اس دنیا کے حکمران بنے اور ان کی شہرت ہوئی لیکن بالآخر لعنت کے مستحق بن گئے۔

﴿وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾

''دنیا میں بھی ان پر لعنت ہوئی اور قیامت کے دن بھی وہ سخت عذاب میں مبتلاء ہوں گے۔''

برے القاب سے ہی ان کو پہچانا جاتا ہے اور دوسری طرف وہ لوگ بھی ہیں جن کو تکلیفیں آئیں اور معمولی لباس اور مکان میں انہوں نے زندگی گزاری۔ لیکن آج ان کو لوگ رضی اللہ عنہ

اور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ سیدنا عمر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما کہتے ہیں اور منبر و محراب میں ان کا ذکر خیر ہوتا ہے۔

صنم کدہ ہے جہاں مرد حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

یہ دنیا ایک بت خانہ ہے اسے توڑ دو اور اللہ سے لو لگا لو! اس راز کو انہی پاکباز لوگوں نے ظاہر کیا۔ جب ان لوگوں کو گھر بار اور بیوی بچوں کو چھوڑنے کا حکم دیا گیا تو انہوں نے یہ بھی کر دکھایا ابو جحش رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے ان کی بیوی فارعہ معاویہ کی بہن تھی یہ نابینا بھی تھے۔ جب یہ ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو ان کی بیوی ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو تو انہوں نے کہا کہ مجھے تم سے بہت زیادہ محبت ہے اور میں کبھی تمہیں چھوڑ کر نہ جاتا لیکن اب معاملہ اللہ کے رسول کا ہے اس لئے میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں اور گرتے پڑتے مدینہ پہنچ گئے۔ اللہ ان ہی کی تعریف کرتا ہے اور فرماتا ہے: حقیقت میں یہ میرے بندے ہیں جنہوں نے میری خاطر ہر چیز چھوڑ دی اور جو میں نے حکم دیا اسے بجالانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

جنگ احد کے موقعہ پر عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ (جو کہ لنگڑے تھے) اور ان کے بیٹوں میں جھگڑا ہو گیا باپ کہتا تھا کہ میں جنگ میں جاؤں گا! بیٹے کہتے تھے: آپ کو اللہ نے اجازت دی ہے کیونکہ معذور آدمی کو دین اجازت دیتا ہے کہ اگر وہ جنگ میں نہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ان کے بیٹوں نے کہا جو چار تھے، ہم جنگ میں جا رہے ہیں آپ نہ جائیں! لیکن انہوں نے کہا: میں بھی جاؤں گا یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے اور اپنا واقعہ بیان کیا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارے بیٹے درست کہتے ہیں تمہارے لئے اجازت ہے تو یہ لنگڑا کر چلے اور کہنے لگے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں لنگڑا کر جنت میں پہنچ جاؤں اور وہاں کی سیر کروں کیونکہ شہید کے لئے آپ نے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان کو نہ روکو! یہ جنگ میں گئے اور جو لوگ سب سے پہلے شہید ہوئے ہیں ان میں یہ بھی شامل تھے۔ [1]

ایک اور صحابی اور ان کے بیٹے میں جنگ بدر میں جانے کے لئے بحث مباحثہ ہو گیا۔ باپ کہتا تھا میں جاؤں گا اور بیٹا کہتا تھا میں جاؤں گا۔ تو دونوں نے قرعہ اندازی کی قرعہ بیٹے کے نام نکلا تو باپ کہنے لگا کہ تجھے پھر بھی موقع مل جائے گا اس لئے اب مجھے جا لینے دو! بیٹا کہنے لگا: اور کوئی

[1] زاد المعاد باب غزوۃ احد:2/96۔

معاملہ ہوتا تو میں کبھی خود کو آپ پر ترجیح نہ دیتا لیکن اب معاملہ جنت کا ہے اس لئے میں آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ بیٹا جنگ بدر میں گیا اور شہید ہوا۔ بعد میں باپ نے خواب میں اپنے بیٹے کو جنت میں دیکھا اور پوچھا کہ تم تو فوت ہو گئے تھے اس نے جواب دیا شہید ہو کر میں جنت میں پہنچ گیا۔

موت کے بعد زندگی ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ موت کے بعد بھی زندگی قائم رہتی ہے اور اپنے اعمال کے مطابق ہر کسی کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے یہ ضمانت کسی اور کو نہیں کہ اسے جنت ملتی ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔ یہ صرف شہیدوں کے لئے کہا گیا ہے کہ یہ یہاں گردن کٹاتے ہیں اور فوراً جنت میں پہنچ جاتے ہیں:

﴿عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾

''اور انہیں اپنے رب کے پاس سے رزق ملتا ہے۔''

جابر رضی اللہ عنہ کو ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غمگین دیکھا تو اس کی وجہ پوچھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرے ابا جان شہید ہو گئے نو (9) بیٹیاں چھوڑ گئے ہیں اور قرض بھی ان پر بہت تھا اس وجہ سے میں غمگین ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ نے تمہارے باپ کے ساتھ کیا سلوک کیا تو انہوں نے کہا اللہ اور رسول کو ہی بہتر معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ نے تمہارے باپ کو سامنے کھڑا کیا اور پوچھا: کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا: اے اللہ تو نے تمام نعمتیں عطا کر دی ہیں جنت عطا کر دی' اس کے علاوہ اور کس چیز کا سوال کروں؟ لیکن اللہ نے فرمایا: مانگو! تو اس نے کہا اے اللہ مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج کہ میں پھر تیری راہ میں شہید کیا جاؤں۔ تو اللہ نے فرمایا یہ دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ جس کو میں ایک مرتبہ دنیا میں بھیج دوں اس کو دوسری بار نہیں بھیجوں گا۔ تو انہوں نے کہا: میری اطلاع پیچھے والوں کو بھیج تو اللہ پاک نے یہ آیت اتاری:

﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ط بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ [3/آل عمران:169]

''جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے ہیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔''

ارشاد ربانی ہے:

﴿فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ﴾ [3 /آل عمران: 170]

''جو کچھ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دیا ہے اس پر وہ لوگ خوش ہوتے ہیں اور جو لوگ پیچھے رہ گئے ان کی نسبت بھی خوشیاں مناتے ہیں کہ یہ شہید ہو کر ان میں شامل ہو جائیں گے۔'' [1]

اسی لئے شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے

کس نہ داند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را

شہید کے علاوہ کسی نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا کہ اس موت کے آگے بھی زندگی ہے۔ اسی وجہ سے اس نے اپنی جان قربان کی۔ اگر اسے اس پر یقین نہ ہوتا تو پھر وہ اپنی جان کیوں قربان کرتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے وعدوں کو سچا جانا اور اس دنیا کو فانی سمجھا اور اپنی زندگی کو احکام دین کے تابع کر دیا۔ اسی لئے ان کا ذکر باقی ہے اور ہم ان کا ذکر کر رہے ہیں اللہ ہم سب کو ان پاک نفوس کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و الہ و صحبہ اجمعین۔

❁❁❁

[1] آل عمران: 170 تفسیر ابن کثیر سورۃ آل عمران: 1/427، بیہقی دلائل النبوۃ

تعلق بالقرآن

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِهٖ وَلِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾

[38/ص:29]

کسی شئے کے ساتھ صحیح تعلق قائم ہونے اور اس سے کامل نفع اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بارے میں ہمیں حقیقی معرفت حاصل ہو اور ہمارا تصور اس کے متعلق درست ہو، اگر ہمارا تصور بنیادی طور پر غلط ہو تو اس شے سے ہمارا صحیح ربط قائم ہو سکتا ہے اور نہ وہ فائدہ ہم اس چیز سے حاصل کر سکتے ہیں جس کے حصول کا وہ شئے ذریعہ ہے۔امم سابقہ کی گمراہی اور ہلاکت کا اصل سبب اور حقیقی باعث یہی تصورات کی نادرستی تھا۔مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود
زانکہ بر جندل گماں بردند عود

تعلق بالقرآن کے حوالہ سے اگر امت مسلمہ کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے متعلق ایسی غلط فہمیاں مسلمانوں کے اندر موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے ممکن نہیں کہ اس کو اس توجہ اور اہتمام کا مستحق سمجھا جائے جو اس سے حقیقی استفادہ کے لئے ضروری ہے کچھ لوگ اس کو محض حلال وحرام کا فقہی ضابطہ سمجھتے ہیں اور فقہ کے احکام علیحدہ مرتب ہو جانے کے بعد ان کی نگاہوں میں قرآن کی اہمیت صرف تبرک کے لئے تلاوت کی غرض سے رہ گئی ہے۔ بہت سے لوگ اس کو نزع کی سختیوں کے دور کرنے اور ایصال ثواب کی کتاب سمجھتے ہیں

خبر ایں کارے نداری
با آیاتش تراکارے جزیں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری

بعض لوگ اس کو دفع آفات وبلیات کا تعویذ سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ عرب کے بدوؤں کے لئے یہ کتاب مفید تھی لیکن موجودہ زمانے کے پیچیدہ مسائل کے حل کے لئے وہ اس کو ناکافی سمجھتے ہیں اس قسم کے مغالطوں میں پڑے ہوئے لوگ ناممکن ہے کہ قرآن حکیم

سے وہ فائدہ اٹھا سکیں جس کے لئے وہ فی الحقیقت نازل ہوا ہے اپنے غلط نظریات کے تحت وہ اس کو اپنی اغراض کے لئے استعمال کرتے رہیں گے۔

اس لئے ضروری ہے کہ قرآن حمید کے بارے میں صحیح تصور اجاگر کرنے کے لئے چند امتیازات وخصائص کا ذکر کیا جائے جس سے اس کتاب عظیم کی حقیقی قدرومنزلت ذہن میں جاگزیں ہو تاکہ جو شخص خلوص نیت سے اللہ تک پہنچنا چاہے اور اس کی رضا کا طالب ہو وہ اس ((حبل اللہ المتین)) ''اللہ سے تعلق کے مضبوط وسیلہ'' کے ساتھ اپنی ٹھیک ٹھیک وابستگی قائم کر سکے۔اس سلسلے میں پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی عظمت وجلالت دل میں پوری طرح متمکن ہو۔اس کو عام کتابوں میں سے ایک کتاب نہ سمجھا جائے۔

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

بلکہ اللہ رب العالمین کا کلام مانا جائے اور چونکہ کلام متکلم کی صفات وکمالات کا عکس اور آئینہ ہوتا ہے اس لئے جیسے اللہ عزوجل بے مثل و بے نظیر ہے اسی طرح جن وانس مل کر بھی قرآن کریم کی ایک سورت کی مثل لانے سے عاجز ہیں اور اس کتاب عزیز میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کر سکتے، یہ خدا کا آخری مکمل اور محفوظ پیغام ہے۔

نوع انسان را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعالمین

امام جعفر الصادق رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

((واللہ لقد تجلی اللہ لخلقه فی کلامه ولکن لا یبصرون))

''خدا کی قسم اللہ اپنے کلام کے اندر مخلوقات کے لئے جلوہ گر ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں۔''

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

قرآن مقدس کے بارے میں دوسری بات جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

((اِنَّ اللہ تَعَالیٰ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَیَضَعُ بِھَا آخَرِیْن))

''کہ اس قرآن پر ایمان اوراس کے احکام کی اطاعت کی وجہ سے قوموں کو دنیا اور آخرت میں سر بلندی نصیب ہوگی اور اس سے انحراف اور اعراض کی سزا کے طور پر آسمان کی بلندیوں سے نیچے گرادی جائیں گی۔''

مسلمانوں کی آج تک کی تاریخ اس حدیث کی صداقت کی گواہ اور اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کی آئینہ دار ہے

خوار از مہجوریٔ قرآن شدی
شکوہ سنج سختی دوراں شدی

وہ معزز تھے زمانے میں مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

ایک اور حقیقت جس کا قرآن کے بارے میں متحضر رہنا لازمی ہے وہ یہ ہے کہ اب قیامت تک یہ ہدایت کا واحد سرچشمہ ہے۔علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے:

''من ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ'' [1]

''یعنی جو کوئی ہدایت کو قرآن کے سوا کسی اور چیز میں تلاش کرے گا اس کے حصہ میں صرف گمراہی آئیگی وہ ہدایت سے محروم رہے گا۔''

اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا:

'' قد ترکت فیکم مالم تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ'' [2]

''میں تم میں ایک چیز چھوڑے جا رہا ہوں جس کے ساتھ اگر تم نے رابطہ استوار رکھا تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے وہ اللہ کی کتاب ہے۔''

یہ کتاب اب صحف قدیمہ اور قیامت تک لکھی جانے والی کتابوں پر مہیمن ہے یعنی ان کے صحیح غلط کے جانچنے کیلئے معیار اور کسوٹی ہے۔

آن کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

....

[1] ترمذی، دارمی
[2] صحیح مسلم

حرف اُو را ریب نے تبدیل نے
آیۂ اش شرمندۂ تاویل نے

اندریں حالات کہ قرآن مجید اللہ عزیز وحکیم کا کلام ہے اور یہ ہماری دنیا وآخرت کی فلاح و سعادت کا ضامن ہے اور اس سے روگردانی ہماری شقاوت وہلاکت کا باعث ہے۔لازم ہے کہ ہم اس کے ساتھ اپنا تعلق ان بنیادوں پر استوار کریں جن کی ہدایت قرآن وسنت میں کی گئی ہے اسی صورت میں ہم اس کے خزانہ حکمت سے مستفید ہوسکیں گے اور دنیا وعقبٰی میں اس کی برکات ہمیں نصیب ہوں گی۔

گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

چنانچہ اہل اسلام میں سے ہر ایک کے لئے ان بنیادوں سے آگاہی ضروری ہے ورنہ وہ اسلام کی نگاہ میں مطلوب مقام سے دور رہے گا۔تعلق بالقرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز تلاوت وسماع ہے یعنی اس کو پڑھنا اور سننا ہماری زندگی کا معمول ہونا چاہئے۔قرآن مجید میں بھی اس کی بہت تاکید کی گئی ہے اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بکثرت احادیث میں بھی اس کے اجر وثواب کا ذکر اور اس کے مرغوب ومطلوب ہونے کا تذکرہ ہے۔خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلاناغہ اس کا ایک حزب تلاوت فرماتے تھے۔ [1]

کبھی کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پڑھوا کر سنتے تھے اور روتے تھے۔ [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے:

'' ذکرنا ربنا''

''ہمیں ہمارے رب کی یاد دلاؤ''

تو ابوموسیٰ قرآن کی تلاوت کرتے۔تلاوت سن کر عمر رضی اللہ عنہ روتے ، اسی طرح عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے پڑھوا کر سنتے ، ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں

''کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن''

''موت کو زیادہ یاد کرنے اور قرآن مجید کی تلاوت کو دلوں کا زنگ دور

....

[1] فتح عون المعبود شرح ابوداؤد:1/257، باب تحزیب القرآن
[2] فتح الباری شرح بخاری کتاب التفسیر باب فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید ،سورۃ النساء:8/250، ح:4582،

کرنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

از تلاوت بر تو خواہی حق دارد کتاب
پس از و کامے کہ می خواہی بیاب

آپ کی دعا تھی

''ان تجعل القرآن ربیع قلبی''

''اے اللہ! قرآن کو میرے دل کی بہار بنادے۔''

قرآن سے تعلق کی بنیاد تدبر ہے محض تبرک کے طور پر الفاظ کی تلاوت مقصود نہیں بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ قرآن کے معانی وتعلیمات دل ودماغ میں محفوظ ہو جائیں۔

تلاوت کا حقیقی فائدہ اس شکل میں حاصل کیا جاسکتا ہے کہ اس کو پورے غور وفکر کے ساتھ پڑھا جائے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ اور الخطیب البغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے:

'' لا خير فی قرأة ليس فيه تدبر ''

''بغیر سمجھے پڑھنے میں کوئی بھلائی نہیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''وتدبروا فيه لعلكم تفلحون'' [1]

''اس کے احکام اس کی ہدایات اور قصص ونصائح پر غور وفکر کیا کرو اس سے امید ہے کہ تم فلاح پا جاؤ گے۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: [2]

((وروح تلاوة القرآن ان يتوجه الى الله بشوق وتعظيم ويتدبر فی مواعظه ويشعر الانقياد فی احكامه ويعتبر بامثاله وقصصه ولا يمر بآية صفات الله وآياته الا قال سبحان اللهولا بآية الجنة والرحمة الا سأل الله من فضله ولا بآية النار والغضب الا تعوذ بالله))

[1] شعب الایمان

[2] حجۃ اللہ البالغۃ: 1/67،

''یعنی قرآن کی تلاوت کی روح یہ ہے کہ شوق وتعظیم کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو اس کی نصیحتوں پر غور کرے۔ اس کے احکام کی فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرے۔ اس کی مثالوں اور قصوں سے عبرت حاصل کرے۔ جب اللہ کی صفات اور اس کی نشانیوں کا بیان آئے تو سبحان اللہ کہے۔ جنت اور رحمت کا تذکرہ ہو تو اس کا سوال کرے اور جہنم اور غضب کا بیان ہو تو ان سے اللہ کی پناہ مانگے۔''

واتل بفهم كتاب الله فيه اتت
كل العلوم تدبره ترا لعجبا

''اللہ کی کتاب کو سمجھ کر پڑھ اس میں سب علوم مذکور ہیں تدبر کرے گا تو عجیب منظر سامنے آئے گا۔'' [1]

سنتے سنتے نغمہ ہائے محفل بدعات کو
کان بہرے ہو گئے دل مردہ ہو جانے کو ہے
آؤ سنوائیں تمہیں وہ نغمہ مشروع بھی
پارہ جس کے لحن سے کوہِ ھدیٰ ہونے کو ہے
حیف گر تاثیر اس کی تیرے دل پہ کچھ نہ ہو
کوہ جس سے خاشعا متصدعا ہونے کو ہے

تیسری چیز تفکر ہے۔ تفکر کے بغیر قرآن سے حقیقی نفع حاصل نہیں ہو سکتا تفکر سے مراد قرآن میں مذکور تین چیزوں کی تفاصیل یعنی افعال اللہ، ایام اللہ اور موت ومابعد موت کے بارے میں تفکر ہے۔

مظاہر فطرت کا مشاہدہ اقوام عالم کے عروج وزوال کی تاریخ اور دنیا ومافیہا کی بے ثباتی وناپائیداری کا یقین پیدا کرنے کے لئے گزشتگان (گزرے ہوئے لوگوں) کے آثار ومقابر کی زیارت اس سلسلہ میں بہت مفید ہے۔ سائنس کی دریافت حقائق، تاریخ عالم اور آثار قدیمہ اس کے خادم ہیں۔

از نقش و نگارِ در و دیوارِ شکستہ
آثار پدید است صنادیدِ عجم را

[1] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی: 1/41،

یہ سرائے دہر مسافرو بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو لوگ مقیم تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشاں نہیں

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات فجر تک روتے رہے اور دریافت کرنے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

" لقد انزلت علی اللیلة آیات، ویل لمن قرأها ولم یتفکر فیها ﴿ان فی خلق السموت والارض﴾" [1]

"آج رات مجھ پر ایسی آیات نازل ہوئی ہیں کہ جو ان کو پڑھے اور ان پر غور نہ کرے اس کے لئے ہلاکت ہے"

اس تفکر سے انسان کو ارض وسماء اور انفس وآفاق میں اللہ کے جلال و جمال کے مظاہر نظر آتے ہیں" اور وہ کہہ اٹھتا ہے کہ:

پایا نہ یوں کہ کرتے اس کی طرف اشارہ
ورنہ جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا

تعلق بالقرآن کے سلسلے کی آخری بات اقامت قرآن ہے جو مقصود اصلی اور غایت حقیقی ہے اس کے بغیر سب کچھ بیکار ہے اقامت قرآن سے مراد یہ ہے کہ قاری قرآن کے تقاضوں کے مطابق اپنے عقائد ونظریات ظاہر و باطن اعمال واخلاق وتعلقات اور وسائل معاش، الغرض اپنی پوری زندگی کو قرآنی ہدایات کے مطابق بنائے اور ایک صاحب عزم اور طالب صادق کی طرح ہر طرح کے مصائب جھیل کر اور ناگواریاں برداشت کر کے اپنے آپ کو قرآن کے سانچے میں ڈھالے اور اس معاملہ میں وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ بالفاظ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

حضور کے بارے میں کان خلقه القرآن کہ آپ کے اخلاق مجسم قرآن تھے، اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے اور دراسات اسلامیۃ میں فضل انتصار محمد بن عبداللہ میں سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

"وانتصر محمد بن عبد الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم صنع الصحابة علیهم

....

[1] ابن حبان فی صحیحه

رضوان الله صورامن ایمانه تاکل الطعام وتمشی فی الاسواق صاغ من کل منهم قرآنا یدب علی الارض یوم جعل مل کل فرد نموذجا مجسما للاسلام یراه الناس فیرون الاسلام"

"یعنی محمد بن عبداللہ نے حقیقی کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ صحابہ کو ایمان کی زندہ تصویریں بنا دیا جو کھاتی پیتی اور بازاروں میں چلتی پھرتی تھیں اور ان میں سے ہر ایک کو زمین پر چلنے پھرنے والا زندہ قرآن بنا دیا ان میں ہر ایک کو اسلام کا زندہ پیکر بنا دیا کہ لوگ انہیں دیکھ کر اسلام کو دیکھ لیتے تھے۔"

اقامت قرآن کا آخری اور مطلوب مرحلہ یہ ہے کہ مشرق ومغرب خدا کے نور سے چمک اٹھیں، ظلمت وکفر کافور ہو جائے۔ دین صرف اللہ عزوجل کا ہو اور زمین جس طرح ظلم و جور سے پر ہو گئی ہے، عدل وانصاف سے بھر جائے۔ امت مسلمہ کے وجود کا حقیقی مقصد یہی ہے اور قرآن کو ہاتھ میں لے کر تمام عالم میں اسلام کا غلبہ ہر مسلمان کی زندگی کا نصب العین ہے

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلمان میں اسی لئے نمازی
تا نہ خیزد بانگِ حق از عالمے
گر مسلمانی نیا سائی دمے

اگر فرد کی زندگی میں قرآن پر عمل نہ ہو اور اسلام کے عالمگیر غلبہ کی جدوجہد سے بے اعتنائی ہو تو اس سے بڑھ کر قرآن پر کوئی ظلم نہیں ہو سکتا اس صورت میں قرآن ہمارا شفیع اور ہمارے حق میں حجت ہونے کی بجائے ہمارے خلاف مدعی اور ہمارے خلاف حجت ہو گا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

" القرآن حجة لك او علیك " [1]

"یہ قرآن تیرے حق میں حجت ہو گا اگر اس کے مطابق عمل کیا ہو گا۔"

ورنہ یہی تیرے خلاف بطور ثبوت پیش ہو گا کہ قرآن جیسا نور رہتے ہوئے اس کے بھٹکنے کا کوئی جواز نہیں تھا اس لئے اس کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔

....

[1] صحیح مسلم

ترسم از شرمِ تو چوں روز شمار
پرسدت آں آبروئے کے روزگار
حرفِ حق از حضرتِ من بردہ ای
سب چرا با دیگراں نہ سپردہ ای
لست منی گویدت مولائے ما
وائے ما اے وائے ما اے وائے ما

میں اپنی گفتگو کے خاتمہ پر علامہ ملا علی قاری کی کتاب کا اقتباس پیش کرتا ہوں جو تمام کلام کا حاصل ہے: [1]

''ان من عمل بالقرآن فكانه يقرؤه دائما وان لم يقرأه ومن لم يعمل بالقرآن فكانه لم يقرأ وان قرأ دائما فقد قال الله تعالىٰ: ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ فمجرد التلاوة والحفظ لايعتبر اعتبار يترتب عليه المراتب العلية فى الجنة العالية''

''یعنی قرآن پر عمل کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ وہ اس کو ہمیشہ پڑھتا ہے اگرچہ اس نے کبھی نہ پڑھا ہو اور جو قرآن پر عمل نہیں کرتا وہ ایسے ہے کہ اس نے کبھی نہیں پڑھا اگرچہ وہ ہمیشہ تلاوت کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''یہ بابرکت کتاب ہے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل کی ہے کہ اس کی آیات پر غور وفکر کیا جائے اور اہل دانش اس کی تعلیمات کی بدولت خواب غفلت سے بیدار ہو کر اپنی اصلاح کر لیں۔ اس لئے محض اس کو پڑھ لینا اور حفظ کر لینا وہ قدر ومنزلت نہیں رکھتا کہ اس کی وجہ سے بہشت بریں میں بلند مدارج حاصل ہو جائیں۔''

خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو
شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ: 354/4،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن مجید کی حقیقی قدر پہچاننے اور اس کے علم وعمل کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آمین یارب العالمین

توبہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْآ اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ کی طرف لوٹو ایسا لوٹنا جو خالص ہو جس میں ملاوٹ نہ ہو۔''

[66/تحریم:8]

اس آیت کریمہ کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے ان میں جو چار الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس کی وضاحت کردوں! اللہ نے فرمایا: اے ایمان والو! ایمان کا لفظ ہم بولتے ہیں کہ ہم ایمان لائے یا ہم ایماندار ہیں، مگر اس کا صحیح مفہوم ذہن میں ہونا چاہئے۔

ہم ایمان کا مطلب مان لینا لیتے ہیں مگر یہ مفہوم صحیح نہیں۔ میں بول رہا ہوں: تو آپ لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں مان رہے ہیں کہ میں ایسا کر رہا ہوں، اس کو ایمان نہیں کہتے اس کو تصدیق کہہ سکتے ہیں۔

ایمان کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی بات مانی جائے۔ آپ نے ایک چیز نہیں دیکھی مگر کسی اور نے دیکھی ہے۔ آپ اس کو محض سچا جان کر اس کی بات مان لیں اس کو ایمان کہتے ہیں۔ اس لئے ایمان میں یہ شرط ہے کہ ہم مطالبہ نہ کریں کہ اللہ پاک کو دیکھ کر مانیں گے۔ اس طرح یقین تو ہو جائے گا جو ایمان سے بڑی بات ہے مگر اسے قبول نہیں کیا جائے گا اس کا روز قیامت اجر نہیں ملے۔ گا لوگ کہیں گے:

﴿ رَبَّنَآ اٰمَنَّا ﴾ ''کہ ہم نے دیکھ لیا ہم مان گئے''

مگر اللہ اسے تسلیم نہیں کرے گا، اللہ کا نبی آ کر یہ دعوٰی کرے کہ میں اللہ کا پیامبر ہوں، اللہ نے ایک یوم حساب مقرر کیا ہے، فرشتے ہیں جو اپنے رب کا حکم بجالاتے ہیں۔ اب لوگ یہ کر سکتے ہیں کہ دعوٰی کرنے والے کی شخصیت کو پرکھیں کہ وہ سچا ہے، ایماندار ہے، اس میں اس کی کوئی ذاتی غرض تو نہیں ہے۔ اگر اس کی شخصیت اس معیار پر پوری اترے تو پھر دیانت داری کا تقاضا ہے کہ آپ اس شخص کو سچا مان کر اس کے فرشتوں پر اور روز قیامت پر ایمان لے آئیں! تو یہ سچا ایمان ہوگا۔

اگر آپ یہ مطالبہ کریں ہم تو اللہ کو کسی معجزے کے ذریعے یا فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے

دیکھ کر ایمان لائیں گے تو یہ ایمان نہیں ہوگا۔ پھر تو اللہ کا نبیوں کو مبعوث فرمانے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ کچھ لوگ صوفی بن کر ریاضتیں کرتے ہیں کہ ہمیں کشف ہوگا تو ہم مانیں گے۔ ایسے لوگ ایمان کے وصف سے خالی ہیں۔ اب یہ تو طے ہوگیا کہ بن دیکھے مان لینے کو ایمان کہتے ہیں۔

اللہ فرماتے ہیں: اے ایمان والو! اللہ کی طرف لوٹو! یہاں لفظ ﴿تُوْبُوْا﴾ استعمال ہوا ہے۔ یہ مصدر سے امر کا جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے حکم ہے ﴿تُوْبُوْا﴾ ''لوٹ آؤ، باز آجاؤ''

ہم اپنے گناہوں سے باز آ کر اللہ کی طرف لوٹ آئیں تو ہم اس حکم پر عمل پیرا ہوں گے۔ اللہ ذاتی نام ہے، صفاتی نام تو بے شمار ہیں، ننانوے تو حدیث پاک میں بھی آئے ہیں۔ مشرکین مکہ بتوں کے لئے صفاتی ناموں میں سے کئی نام رکھ لیتے تھے مگر اللہ نہیں رکھتے تھے۔ کیونکہ یہ وہ بھی سمجھتے تھے کہ یہ رب کائنات کا ذاتی نام ہے اور اسی کیلئے خاص ہے۔ اللہ کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ یہ کسی اور لفظ سے نکلا ہے پہچان کے لئے اس کے کوئی معنیٰ بھی ہیں یا صرف نام ہی رکھ لیا ہے۔ یہ نہیں کہا: کہ رب کی طرف لوٹو! بلکہ یہ کہا کہ اللہ کی طرف لوٹو! اس نام میں اتنی کشش ہے جو کسی اور نام میں نہیں۔

برصغیر میں ایک بہت بڑے اور نیک عالم دین مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، بڑے بڑے اہل علم نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی احتیاط پسندی کا یہ حال تھا کہ ساری عمر چھت کے نیچے نہیں سوئے کہ تہجد قضا نہ ہو جائے اور موت کے وقت تک باجماعت نماز پڑھتے رہے۔ وہ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہندی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کرتے رہتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اللہ کا کیا معنیٰ ہے؟ تو مولانا نے جواب دیا: کہ ''مَن مُوہَن'' اس میں ایسی صفات اور خوبیاں ہیں کہ وہ آدمی کے دل کو موہ لیتا ہے۔

اسی لئے قرآن پاک میں ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾

''جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں ان کو اللہ سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ ساری دنیا اس کے سامنے ہیچ ہے۔''

قرآن وحدیث میں آتا ہے کہ اللہ سے ڈرو! اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کوئی ڈراونی چیز ہے، وہ تو محبوب اور پیارا ہے۔ کون سا وصف اور خوبی ہے جو آپ کے ذہن میں ہے کہ جس کی میں پوجا کرتا ہوں اس میں ہونی چاہئے اور وہ اللہ میں نہیں ہے۔ وہ اللہ نہیں جس میں تمام کمالات بدرجہ تمام

موجود نہ ہوں۔ وہ مہربان ہو، اسے میری حالت کا علم ہو، وہ سمیع اور بصیر ہو، وہ منصف مزاج ہو۔

غرض جو خوبی بھی آپ سوچیں گے وہ اللہ پاک میں موجود ہوگی۔ مہربان اتنا کہ دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ باخبر اتنا کہ اس سے کسی کو کہنے کی ضرورت ہی نہیں، جو دل کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی ہو وہ اس سے بھی باخبر ہے، وہ بغیر کچھ کہے بھی سب کی سن لے اور دیکھ لے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی شان توّاب کے بارے میں فرمایا: کہ جو شخص صبح وشام سو دفعہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾ پڑھے: اس کے سمندر کے برابر بھی گناہ بخش دے گا۔ [1]

سُبْحَان کیا ہے؟ بے عیب ہے، نیگٹو پازیٹو دونوں پہلوں سے اس کو پرکھ لیں! کہ اس میں یہ یہ خامیاں نہیں ہونی چاہئیں۔ وہ ان سب سے پاک ہوگا اور یہ خوبیاں اس میں ہونی چاہئیں وہ اس میں بدرجہ اتم موجود ہوں گی۔

ہے پرے سرحدِ اِدراک سے اپنا معبود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

جو لوگ یوم آخرت کو نہیں مانتے اللہ پاک نے انہیں کفار کہا ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کو مانتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی صفت قدرت کے منکر ہیں۔ جو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا وہ قادر مطلق کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ہے کہ وہ ہر روز مارے اور ہر روز زندہ کردے۔ اگر کوئی کہے: کہ وہ نیکی بدی کا کوئی اجر نہیں دے گا تو وہ اس کی شان عدل کا منکر ہوگا کہ اس کی حکومت اندھیر نگری چوپٹ راج ہے۔ یہ اس کی رحمت کا بھی تقاضا ہے کہ نیکوں کو ان کی بھلائی کا اجر دے اور بروں کو ان کی برائی کی سزا دے۔

اللہ فرماتے ہیں: کہ رحمت اس نے اپنے اوپر فرض کرلی ہے کہ وہ ظالموں کو سزا دے کر نیک لوگوں کے دلوں کو ٹھنڈک بخشے۔ ہاں! تو ذکر ہو رہا تھا کہ اللہ سے ڈرو! وہ اس طرح سے ڈرنا نہیں ہے کہ جیسا دشمن سے ڈرا جاتا ہے۔

تشبیہ ویسے تو حرام ہی ہے مگر سمجھانے کے لئے ضروری ہے جیسا کہ بچہ مہربان باپ سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے یہ کام نہ کیا تو باپ باز پرس کرے گا یہ اس کی بھلائی کے لئے ہوگا۔ کئی جگہ یہ بھی آیا ہے کہ رحمان سے ڈرو! بندہ کوئی نیکی کرتا ہے تو اللہ خوش ہوتا ہے حالانکہ اس میں اللہ کا کوئی بھلا

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الدعات باب ثواب التسبیح والتحمید والتہلیل والتکبیر: 341/2، ح: 2302، تنقیح الرواۃ: 76/2،

نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں وہ بات کہہ دی ہے جو کفر ہے مگر سمجھانے کے لئے ہے

ما از خدائے گم شدہ ایم اُو بہ جستجو ست
چوں ما نیاز مند و گرفتار آرزو است

”کہ ہم گناہ کر کے اللہ سے دور اور گم ہوگئے ہیں اور اللہ بے نیاز ہونے کے باوجود ہمیں ڈھونڈھتا پھرتا ہے جیسا کہ ناراض ہوکر جانے والے بچے کے لئے ماں دروازہ کھول کر اس کے آنے کی آس لگائے بیٹھی ہو۔“

اس سلسلہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک تمثیل بیان کی ہے: کہ ”اللہ کسی گناہ گار کے لوٹ آنے پر اس طرح خوش ہوتا ہے جیسا کہ کوئی مسافر صحراء میں ہو اور اس کا اونٹ زادراہ سمیت گم ہو جائے وہ مایوس ہوکر موت کے انتظار میں بیٹھا ہو۔ اسے ذرا سی اونگھ آئی اس کی آنکھ کھلی تو اس کا اونٹ سامان سمیت اپنے سامنے موجود پایا تو بے اختیار اس کے منہ سے نکلا کہ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں“ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰہ اس طرح خوش ہوتا ہے کہ میرا بندہ تو ہلاک ہوگیا تھا، بچ گیا ہے۔ [1]

حضرت مسیح علیہ السلام نے ایک تمثیل بیان کی ہے، کہ ایک آدمی کے پاس بہت سی بھیڑیں ہیں ان میں سے ایک بھیڑ گم ہوگئی وہ جو اس کے پاس موجود ہیں ان کی فکر نہیں کرتا بلکہ گمشدہ بھیڑ کو جنگلوں اور وادیوں میں تلاش کرتا ہے جب وہ مل جاتی ہے تو اس کو کندھوں پر اٹھا کر لاتا ہے اس کی ٹانگیں دباتا ہے اور لوگوں کو خوشی خوشی بتاتا ہے کہ میری بھیڑ گم ہوگئی تھی مل گئی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ تمثیل بیان کر کے فرماتے ہیں: کہ جب کوئی بھٹکا ہوا بندہ راہ راست پر آجاتا ہے تو اللہ پاک فرشتوں کو خوش ہوکر بتاتے ہیں کہ میرا بندہ مجھ سے دور ہوگیا تھا اب لوٹ آیا ہے، ذرا غور کریں کہ کیسی پرکشش ہے یہ ندا: کہ اے ایمان والو! لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف، انسان اپنے رب کی نافرمانی کر کے کتنی ہی پستی میں گر گیا ہو یہ اسے مایوس نہیں ہونے دیتی۔ بس شرط یہ ہے کہ اس کا لوٹنا خالص اور پختہ ہو ایسا نہ ہو کہ توبہ کرلی پھر موقعہ ملا تو پھر گناہ کرلیا۔ کسی شاعر نے اس کیفیت کو کچھ یوں بیان کیا ہے

جام میرا توبہ شکن توبہ میری جام شکن
سامنے میرے ڈھیر ہے ٹوٹے ہوئے پیمانوں کا

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الدعات باب الاستغفار والتوبہ: 350/2، ح: 2332، تنقیح الرواۃ: 81/2،

ہے ورنہ وہ تو مائل بہ کرم ہے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اگر اور کوئی نعمت نہ دیتا تب بھی صرف توبہ کا دروازہ کھول دینا ہی ایسا ہے کہ انسان اس پر ہی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے تو حق ادا نہیں ہوتا حالانکہ اگر وہ پہلی تقصیر پر ہی پکڑ لے تو اس کا حق ہے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تاریخ الہجرتین میں لکھتے ہیں: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''ساری زندگی مجھے کسی شخص نے لاجواب نہیں کیا سوائے ایک نوجوان کے وہ خاموش بیٹھا رہتا تھا۔ میں نے ایک دن اس سے پوچھا: کہ اے نوجوان! تو اس عمر میں کیوں اس طرح خاموش بیٹھا رہتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ حسن! جب اللہ تعالیٰ کے احسانات کو دیکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں تو شرم کے مارے مجھ سے گردن اٹھائی نہیں جاتی۔ وہ اپنے احسانات ہم سے نہیں روکتا اور ہم اپنے گناہوں سے باز نہیں آتے۔

یہ اللہ ہی کا حوصلہ ہے۔ ورنہ کونسا مالک ہے جو اپنے نوکر کی طرف سے اتنی غلطیوں پر درگزر کرے، مالک تو کجا اگر سگا باپ بھی ہو تو بیٹے کی طرف سے چند بار کی گئی نافرمانی کی وجہ سے گھر سے نکال دیتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں سانس کو ہی دیکھیں بیک وقت دو نعمتیں ہیں ایک دفعہ جب سانس لیتا ہے دوسری دفعہ جب سانس باہر نکالتا ہے۔ جن لوگوں کو دمہ ہوتا ہے ان کی حالت دیکھیں کہ سانس بھی کتنی بڑی نعمت ہے۔

توبہ کیسے ہوتی ہے یا کس طرح ہوتی ہے۔ اس کیلئے فضیل بن عیاض کا واقعہ سننے کے لائق ہے فضیل بن عیاض اپنی جوانی میں بہت بڑے بدمعاش اور ڈاکو تھے۔ قافلوں کو لوٹتے تھے۔ لوگ پناہ مانگتے تھے پھر ایک وقت آیا کہ فضیل رحمۃ اللہ علیہ کیلئے توبہ کا دروازہ کھل گیا۔ ہماری زندگی میں بھی ایسے مواقع آتے رہتے ہیں مگر افسوس! ہم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ ایک رات کہیں جارہے تھے کہ ایک خوبصورت لڑکی کو دیکھا برائی کی نیت سے دیوار پھلانگ کر اس کے گھر میں داخل ہوگئے تو اس وقت ایک قاری سورۃ الحدید کی تلاوت کر رہا تھا۔ جب قاری اس آیت پر پہنچا کہ:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ [57/الحدید:16]

''کیا جو لوگ قرآن کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانتے ہیں ان کیلئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اس کی آیات سن کر اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں۔''

یہ سن کر حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کی چیخیں نکل گئیں۔ کہا: کہ اے قاری! وہ وقت آگیا: توبہ کی نیت کرلی۔ واپس جارہے تھے کہ ایک قافلے کو جاتے ہوئے دیکھا جس میں کچھ لوگ اس خدشہ کا اظہار کررہے تھے کہ اس راستہ پر فضیل رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ساتھی کسی قافلے کو صحیح سالم گزرنے نہیں دیتے کہیں ہمیں بھی نہ مل جائیں۔ فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو بہت روئے کہ یا الٰہی! فضیل اتنا بدنام ہوگیا ہے کہ لوگ اس طرح باتیں کرتے ہیں۔ پھر سچی توبہ کرلی اور دو سال میں بغداد سے مکہ مکرمہ کا سفر کیا۔ ایک قدم اٹھاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ اس طرح سجدے کرتے اور معافیاں مانگتے حرم میں داخل ہوئے اور پھر حرم سے باہر نہیں نکلے۔ وہاں عبادت کرتے اور درس قرآن دیتے۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید ملاقات کے لئے آیا اور کہا: حضرت کوئی خدمت بتائیں؟ تو حضرت نے کہا: کہ خدمت یہی ہے کہ دوبارہ مجھے ملنے کے لئے نہ آنا میرا وقت ضائع ہوتا ہے۔ میں پہلے ہی بہت وقت برباد کرچکا ہوں۔ میں نے بہت زیادہ گناہ کئے ہیں اب میں ان کی تلافی چاہتا ہوں۔

ایک دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں تھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے۔ ایک عورت کو دیکھا جس کا بچہ کسی جنگ میں گم ہوگیا تھا۔ وہ عورت پریشانی کے عالم میں اپنے بچے کی عمر کے جس بچے کو دیکھتی اسے چومتی گلے سے لگاتی۔ آپ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا: اگر اس کا اصلی بچہ اس کو مل جائے تو کیا یہ اس کو آگ میں ڈال دیگی؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا: کہ یا رسول اللہ! یہ اس کی جدائی میں اس قدر بے کل اور پریشان ہے یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ بچہ ملنے کے بعد اسے آگ میں پھینک دے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا کہ تمہارا رب اس عورت سے کہیں زیادہ اپنے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اگر کوئی بندہ اپنے رب سے گم ہوکر واپس لوٹ آئے تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ وہ اسے دوزخ میں پھینک دے۔ یہی نہیں کہ اسے معاف کردیتا ہے بلکہ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔ [1]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ﴾

''ان کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیتا ہے۔'' [25/فرقان:70]

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل کتاب الدعاات باب باب رحمۃ اللہ :2/369، ح:2370، تنقیح الرواۃ:2/88،

ایسا ہونا بھی چاہئے ایک آدمی راستے سے بھٹک گیا ہو تو اس کو منزل پر پہنچنے کیلئے دوگنا سفر کرنا پڑتا ہے وہ سفر اسی طرح ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الفرقان میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا﴾

''جو توبہ کرتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف انتہائی عزت و شان کیساتھ لوٹتا ہے۔'' [25/فرقان:71]

یہ نہیں کہ مجرم آگیا ہے اس کو بے عزت کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ خود اس کا استقبال کرتے ہیں۔ فرشتوں میں خوشی سے اعلان کرتے ہیں کہ میرا یہ بندہ جو اپنے رب سے دور ہو گیا تھا واپس آ گیا ہے۔ ہاں تو بات اللہ تعالیٰ کے ہم پر احسانات کی ہو رہی تھی۔ ہم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کی کتنی ہی بارش ہو رہی ہو ہم اتنے کم ظرف ہیں کہ اس کی طرف سے تھوڑی سی بھی مصیبت آ جائے تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں۔ شکوے شروع کر دیتے ہیں۔

اس وقت حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ یاد آ رہا ہے کہ شیخ ایک دفعہ دمشق کی طرف جا رہے تھے ان کا جوتا ٹوٹا ہوا اور پرانا تھا۔ شیخ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یا اللہ! میرے علم کا شہرہ سارے عالم اسلام میں ہے۔ اتنا علم دیا اگر تھوڑا سا مال بھی دے دیتا ایک جوتا ہی خرید لیتا! اسی خیال میں تھے کہ جامع مسجد دمشق میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ جوتوں والی جگہ پر ایک شخص بیٹھا تھا جس کے پاؤں ہی نہیں تھے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فوراً سجدے میں گر گئے کہ یا اللہ تعالیٰ میرے سوال کا نقد جواب مل گیا ہے کہ تو جوتے کا گلہ کر رہا ہے میں اگر چاہوں تو ٹانگوں سے ہی محروم رکھوں۔ اگر ہم بھی اسی طرح سوچنا شروع کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات نظر آئیں گے۔ اگر آپ اپنے سے نیچے کی طرف دیکھیں گے تو احساس ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی نعمتیں دے رکھی ہیں اگر اوپر کی طرف دیکھیں گے تو پھر ساری زندگی گلے شکوے کرتے گزر جائے گی۔ یہاں بھی نا مطمئن رہیں گے وہاں بھی دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ یہ جو مادر زاد اندھے پیدا ہوتے ہیں کیا ان کے ماں باپ کے گناہوں کی سزا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام نے بڑا ہی بلیغ اور پر حکمت جواب دیا۔ فرمایا: کہ یہ اس لئے اندھے ہیں تاکہ آنکھوں والوں کو سجھائی دے۔ یہ گلیوں اور بازاروں میں پھرتے بزبان حال اللہ کا یہ فرمان پہنچا رہے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو تمہیں بھی اندھا پیدا کر سکتا تھا۔ انہوں نے کوئی قصور نہیں کیا تھا

اور تم نے اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں کیا تھا کہ انہیں اندھا اور تمہیں آنکھوں والا پیدا کیا۔ اس لئے دین میں یہ بات طے ہے کہ دنیا میں جو لوگ دکھی ہیں یا معذور ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حساب کتاب سے پہلے ان لوگوں کے دکھوں کا مداوا کرے گا۔ ان کے اعمال بعد میں دیکھے جائیں گے۔

اپنے دور کے بہت بڑے ولی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک کتا گزر رہا ہے آپ اس کو دیکھ کر رک گئے اور ادب سے اس کو دیکھتے رہے۔ ساتھیوں نے پوچھا کہ حضرت آپ نے اس نجس اور ناپاک جانور کی اتنی تعظیم کی آپ نے فرمایا وہ بزبان حال ایک بات کہہ رہا تھا

ماؤ تو از یک گلستانیم از مارخ متاب
گرچہ الطافش ترا گل کرد و ما را خار ساخت

''میں بھی اسی گلستان کا لگایا ہوا پودا ہوں یہ مالک کی مرضی تھی اس نے مجھے کانٹا بنا دیا تجھے پھول بنا دیا''

جب دو چیزوں کا احساس پیدا ہو جائے۔ سمجھ لیجئے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو گیا۔ بندہ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد کرے اور اپنی کوتاہیوں کی طرف دیکھے اس سے اس میں حیا پیدا ہوگی۔ اس سے انسان کی آنکھیں پرنم ہوں گی۔ اور وہ قطرے بندگی کا حاصل ہوں گے۔

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے میرے عرق انفعال کے

جب کوئی گناہ گار بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نظر میں اتنا معتبر ہو جاتا ہے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں: ایک کشتی دریا میں جا رہی تھی جس میں بہت سے مسافر سوار تھے اچانک طوفان آیا کشتی تباہ ہو گئی۔ ایک نوجوان عورت نے ٹوٹے ہوئے تختے کو پکڑ لیا وہ تختہ اسے ایک جزیرے پر لے گیا وہاں ایک بدمعاش رہتا تھا اس نے ایک خوبرو عورت دیکھی تو اس کی درندگی بیدار ہو گئی۔ اس نے اس عورت کو پکڑ کر لٹا لیا یہ دیکھ کر وہ عورت چیخی چلائی تو اس بدمعاش نے کہا: کہ تجھے میری شکل پسند نہیں آئی۔ تو عورت نے کہا کہ ایسی بات نہیں میں اپنی قسمت کو رو رہی ہوں کہ میں نے ساری عمر اس گناہ کا سوچا بھی نہ تھا۔ تقدیر نے مجھے کہاں پہنچا دیا۔ یہ سن کر وہ بدمعاش فوراً دور ہٹ گیا اور کہا کہ تو یہ گناہ اپنی مرضی سے نہیں کر رہی تھی۔ پھر بھی یہ حالت ہے کہ رو رہی

ہے۔ میں نے ساری زندگی اتنے گناہ کیے مگر مجھے کبھی خیال نہیں آیا۔ وہ روتا ہوا چل پڑا۔

دل میں خیال آیا کہ ساری زندگی برباد کر لی۔ اس خیال میں جا رہا تھا اسی جزیرے پر ایک راہب بھی رہتا تھا وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا دھوپ بڑی شدید تھی۔ راہب نے کہا: کہ دعا کرو کہ اللہ سایہ کر دے۔ تا کہ اس شدید گرمی میں سفر جاری رکھ سکیں تو اس بدمعاش نے کہا: کہ اے راہب! میں تو بہت گناہ گار آدمی ہوں آپ ہی دعا کیجئے: دونوں نے دعا کی تو بادل آ گئے دونوں نے سفر جاری رکھا جہاں سے دونوں کا راستہ الگ ہوا۔ راہب اپنی کٹیا کی طرف چلا اور بدمعاش اپنی راہ ہو لیا تو سایہ اس بدمعاش کے ساتھ چلنے لگا۔ اس پر راہب نے اسے روک کر کہا کہ تم تو اپنے آپ کو بہت گناہ گار کہتے تھے۔ میں نے ساری زندگی اللہ کی عبادت کی مگر سایہ مجھے چھوڑ کر تیرے ساتھ چلنے لگا ہے۔ تو اس پر بدمعاش رونے لگا اور کہا: کہ حضور! میں گناہ گار ہی تھا مگر ابھی ابھی توبہ کر کے آ رہا ہوں۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ پاک سے معافی مانگنا اتنا محبوب عمل ہے کہ کوئی دوسرا عمل اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ خوش اس وقت ہوتا ہے جب کوئی گناہگار بندہ اللہ سے معافی مانگتا ہے۔ ہم بھی اسی طرح سوچنا شروع کر دیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے بیشمار احسانات نظر آئیں گے۔ [1]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج السالکین میں لکھتے ہیں۔ ماں نے بچے کو نافرمانیوں سے تنگ آ کر گھر سے نکال دیا پھر بے چین ہوئی تو دروازہ کھول کر انتظار میں بیٹھ گئی۔ بچہ بھی تھوڑی دور گیا پھر واپس آ کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ تھکا ہوا تھا اسے وہیں نیند آ گئی۔ ماں نے آ کر دیکھا تو فوراً اٹھا لیا اس کی مٹی جھاڑی اور سینے سے لگایا اور کہا: تو مجھ سے دور ہو کر کدھر چلا گیا تھا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جس طرح ماں کی ممتا بچے کی جدائی میں بے چین ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے کہ بھٹکے ہوئے بندے کو ڈھونڈے مگر ہم اس کی رحمت کے طلب گار نہیں ہوتے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک تمثیل بیان کی ہے کہ ایک آدمی کے دو بیٹے تھے جن میں ایک محنتی اور دوسرا نکما اور فضول خرچ تھا۔ فضول خرچ بیٹا جو روپیہ اس کے پاس آتا اللوں

[1] مشکوۃ مترجم صادق خلیل کتاب الدعوات باب الاستغفار والتوبہ: 2/365، ح2359، تنقیح الرواۃ: 2/81،

تللوں میں اڑا دیتا۔ دوسرے بیٹے نے اپنے باپ سے کہا کہ میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتا کہ کماؤں میں! اور یہ اسے برباد کر دے! اس لئے اسے اس کا حق دیکر اس کو علیحدہ کر دیں باپ نے ایسا ہی کیا اس کا جو حصہ بنتا تھا اسے دے دیا، وہ اسے لے کر کسی دوسرے ملک چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے سب ضائع کر دیا۔ جب کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا تو وہاں کسی کے خنزیر چرانے لگ گیا کیونکہ اسے کوئی اور ہنر تو آتا نہیں تھا۔ اس کے حالات اتنے خراب ہو گئے کہ خنزیر مکی کے بھٹے کھاتے جو تھوڑے بہت دانے ان کے ساتھ چھوڑ دیتے تو اسے اٹھا کر کھاتا۔

پھر اسے ایک دن خیال آیا کہ میں باپ کے پاس چلا جاؤں اس کے در پر تو بے شمار غیر کھاتے ہیں میں نکما اور نالائق ہی سہی آخر اس کا بیٹا ہوں۔ میں جا کر کہہ دوں گا کہ ابا جان! مجھے بے شک بیٹا نہ سمجھیں نوکر سمجھ کر رکھ لیں! یہ سوچ کر اپنے وطن کی طرف لوٹ آیا باپ کو جب خبر ملی کہ میرا بیٹا سب کچھ تباہ کر کے انتہائی بری حالت میں واپس آ رہا ہے تو باپ نے بچھڑا ذبح کرایا اسے پکانے کا حکم دیا۔ ڈھول بجانے والے بلا لئے اور اس کے استقبال کے لئے ملازموں کو ساتھ لے کر چل پڑا وہاں اس کو نہلایا۔ نئی پوشاک پہنائی اس کو عزت واحترام کے ساتھ گھر لے کر آیا۔ شام کو جب بڑا بھائی گھر آیا تو دیکھا کہ گھر میں نقارے بج رہے ہیں کھانے پک رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ تو لوگوں نے اسے بتایا کہ تمہارا فضول خرچ بھائی سب کچھ برباد کر کے واپس آیا ہے باپ نے اس کے لوٹ آنے کی خوشی میں یہ سب اہتمام کیا ہے۔ اس نے یہ سنا تو ناراض ہو کر چل پڑا کہ باپ نے میرے لئے تو کبھی مرغ نہیں ذبح کیا اس کے لئے بچھڑے ذبح ہو رہے ہیں۔

باپ کو خبر ہوئی تو وہ اس کے پاس گیا اور اسے کہا کہ اے بیٹا! میرے دل میں تمہاری قدر کچھ کم نہیں ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ ہے مگر یہ سوچ کہ وہ ہمارے لئے مر گیا تھا اب وہ واپس آیا ہے تو وہ ہمارے لئے دوبارہ زندہ ہوا ہے۔ یہ سن کر اس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اس نے آ کر بھائی کو گلے لگا لیا۔ اللہ کو اپنے گناہگار بندے کے لوٹ آنے کی اس باپ سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے کسی تابعی کا قول نقل کیا ہے: کہ رب کو عابدوں کی عبادت پر ناز سے زیادہ گناہگاروں کی عاجزی زیادہ پسند ہے، پنجابی کا یہ شعر حسب حال ہے

جے میں ویکھاں عملاں ولے تے کجھ نہیں میرے پلے
جے میں تیری رحمت ویکھاں بلے بلے بلے

ہماری نمازیں، روزے، حج یہ خود گناہ میں شمار ہونے کے لائق ہیں اس میں اتنی کمیاں کوتاہیاں اور ریا ہے کہ یہ اس قابل نہیں کہ اللہ کے حضور پیش کیے جائیں۔ حق تو یہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد کہے: کہ یا اللہ! ہم نکمے نوکر ہیں ہمارے ان گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ اس کو اپنی رحمت اور فضل سے قبول کر لے۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی کھوٹے سکے لے کر ان کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ ہماری اس نکمی پونجی کو قبول فرما۔

ایک شخص رسول ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ کا طریقہ تھا کہ آنے والے لوگوں سے ایام کفر کے حالات پوچھتے تھے۔ اس شخص نے پوچھا کہ یارسول ﷺ کیا میرا گناہ بھی معاف ہوسکتا ہے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کہ بتا کہ تجھ سے کیا گناہ ہوا ہے؟ تو اس شخص نے کہا: کہ میری بہت سی بیٹیاں پیدا ہوئیں میں انہیں زندہ درگور کرتا رہا۔ میں سفر میں گیا تو پیچھے ایک بیٹی پیدا ہوئی میں واپس آیا تو وہ ذرا بڑی ہوگئی تھی۔ میری بیوی کو وہ بہت پیاری تھی میں اس کو مارنا چاہتا تھا مگر میری بیوی اس میں رکاوٹ بن گئی۔ وہ بڑی ہوتی گئی میری عداوت بھی بڑھتی گئی۔

ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا: کہ اس کو تیار کردو! میں اسے اس کے ننھیال سے ملوا لاؤں! میری بیوی کو مجھ سے خطرہ تھا اس لئے چلتے وقت اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اللہ کا خوف دلاتی ہوں کہ اس کو نقصان نہ پہنچانا۔ میں نے اس کے ساتھ عہد کرلیا اور بچی کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ وہاں ایک اندھا کنواں تھا میں اسے اس کے کنارے لے گیا جب اس کو پھینکنے لگا تو اس نے بہت منت سماجت کی وہ کہتی رہی: ہائے ابا! ہائے ابا! وہ آوازیں آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں مگر میں اس وقت اس قدر سنگدل ہوگیا تھا کہ اس پر رحم نہیں آیا اور اسے کنویں میں پھینک دیا۔

رسول ﷺ اس واقعہ کو سن کر بہت روئے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی روئے! اس آدمی نے یہ واقعہ سنانے کے بعد پوچھا کہ یارسول رضی اللہ عنہم کیا میرا رب مجھے بھی معاف کردے گا؟ تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تیرا رب بہت غفور رحیم ہے۔ وہ سچی توبہ پر سب گناہوں کو معاف کردیتا ہے۔ [1]

سچی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ گناہ کے کاموں کو چھوڑے دوسرا پختہ عزم کرے کہ میں آئندہ یہ گناہ نہیں کروں گا تیسرا اس کی تلافی کرے۔ لوگوں پر جو ظلم کیا جس حد تک ہوسکتا ہے اس کی تلافی کرے۔

جیسا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی توبہ کا واقعہ آپ نے سنا ان کے بارے میں لکھا ہے کہ جن لوگوں کو انہوں نے لوٹا تھا ان میں بڑے بڑے تاجر شامل تھے آپ ان کے پاس گئے جو کچھ موجود تھا انہیں واپس کردیا۔ کچھ سے کہا کہ مہلت دے دو میں کما کر واپس کردوں گا بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہمیں تمہارے تائب ہونے کی اتنی خوشی ہے ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔ اگر اس طرح کی توبہ کریں گے تو پھر یقیناً اللہ کے وعدے پورے ہوں گے وہ بہت غفور رحیم ہے۔ وہ اس سے بہت خوش ہوگا۔

عائشہ رحمۃ اللہ علیہا بیان کرتی ہیں کہ رسول رحمۃ اللہ علیہ تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے سجدے میں آپ کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ))

''اے اللہ! اگر تو ناراض ہوگیا ہے تو میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ میں تجھے راضی کروں اور تیرے غضب کے مقابلے میں تیری رضا چاہتا ہوں۔'' [2]

قیامت کے دن کوئی سفارش کام نہ دے گی، اس دن جس سے اللہ راضی ہوگا شفاعت بھی اسی کیلئے ہوگی۔ ہم اس دن اگر اللہ کے غضب سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ایک تو ہم گناہ چھوڑیں دوسرا اس کی رضا حاصل کریں اسی میں ہماری نجات ہے آخر میں ایک دعا ہے جسے آپ حرز جاں بنالیں:

[1] تفہیم القرآن: 265/6، دارمی فی مقدمتہ
[2] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب الدعوات باب السجود وفضلہ: 1/391، ح 893، تنقیح الرواۃ: 163/2،

﴿اَللّٰھُمَّ تُبْ اِلَیَّ حَتّٰی اَتُوْبُ وَاعْصِمْنِی حَتّٰی لَا اَعُوْدُ﴾

''اے اللہ مجھے گناہوں سے توبہ کی توفیق دے اور آئندہ کیلئے اس سے بچا کر رکھنا۔''

اللہ کے رسول نے جو دعائیں اور ذکر ہمیں بتائے ہیں وہ گوہر بے بہا ہیں ہمیں چاہئے کہ ان کی قدر کریں۔

وما علینا الا البلاغ

❁❁❁

تزکیہ نفس

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا○ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَ تَقْوٰھَا○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰھَا ﴾ [91/الشمس: 7,10]

تزکیہ کے بارے میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ تزکیہ دین کا کوئی جز نہیں بلکہ تزکیہ اصل دین ہے تزکیہ کے مظہر انتہائی مہذب شائستہ اور شریف لوگ ہوتے ہیں انبیاء علیہم السلام نے یہ نہیں کیا کہ کوئی تارک الدنیا اور گوشہ نشین لوگ پیدا کردیئے ہوں جن کا زندگی کے معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو اور وہ جنگلوں میں بیٹھے اپنا تزکیہ نفس کرتے رہیں بلکہ انہیں متلاطم سمندر میں دھکا دیا اور زندگی کے معاملات میں بھرپور حصہ لینے کا حکم دیا۔ انہیں کہا کہ تم کسی بھی شعبہ زندگی سے متعلق ہو تمہیں دوسرے لوگوں سے مختلف نظر آنا چاہئے۔

تزکیہ کس طرح پیدا ہوتا ہے اس کے تین بنیادی اسباب ہیں:

1. ذکر الٰہی کہ کسی وقت اس بات کو نہیں بھولنا کہ تمہیں اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہ تمہیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔
2. فکر آخرت: یہ احساس کہ مرنے کے بعد تمہیں خدا کے حضور پیش ہونا ہے وہ تم سے اس زندگی کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اور وہ زندگی دائمی ہوگی۔
3. حدود الٰہی کی تعلیم: زندگی کس طرح گزارنی ہے کون سے کام کرنے ہیں اور کن کاموں سے رکنا ہے۔ اسے اللہ کے احکام اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کرسکتے ہیں۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی نہیں کرتے وہ خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں خواہ وہ درویش اور صوفی ہوں یا علماء ہوں۔ جو اپنی مرضی سے قیاس اور اجتہاد کریں ان کا تزکیہ ممکن نہیں ہے اس کو ہم اس طرح بیان کرتے ہیں۔

دین کے تین بنیادی عقائد ہیں (1) اللہ (2) آخرت (3) رسالت

یہ تینوں باتیں اس طرح آپس میں مربوط ہیں کہ جو ان میں سے ایک بات کا بھی انکار کرتا ہے باقی دو باتوں کا بھی منکر شمار ہوتا ہے ان تینوں باتوں پر جو لوگ عمل پیرا ہوتے ہیں وہ کیسے انسان ہوتے ہیں ان کے نمونے ہمیں تاریخ میں ملتے ہیں کہ بازاروں میں پھرنے والے درویش

اور مسجدوں میں نمازیں پڑھنے والے نہیں بلکہ تخت حکومت پر بیٹھے لوگ فقیر ہوتے ہیں اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

ان کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے شاہی نہیں

بظاہر وہ حکمران ہوتے ہیں مگر ان کے حالات عام لوگوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔ تزکیہ کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ اقتدار کو امانت سمجھتے ہیں عام لوگ سوتے ہیں۔ خلیفہ جاگ کر ان کے حالات کا جائزہ لیتا ہے اور ان کے جان و مال کا نگہبان ہوتا ہے۔ لوگ پیٹ بھر کر کھاتے ہیں وہ بھوکا رہتا ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے خلیفہ کے فرائض کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا: کہ خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ خلق خدا کی دعاؤں کو آسمان کی طرف جانے سے روکے۔ یہ کوئی منصب نہیں ہے بلکہ کڑی آزمائش ہے۔ اس سے یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ عمر! اگر فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوکا رہ گیا تو تمہیں اس کے لئے جواب دہ ہونا پڑے گا۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن دیر سے خطبہ جمعہ کے لئے تشریف لائے لوگوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! آج آپ نے ہمیں بہت پریشان کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم اگر میرے پاس دوسرا کرتا ہوتا تو اسے پہن کر یہ دھونے کیلئے دے آتا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لوگوں نے دیکھا کہ اس میں آٹھ پیوند لگے ہوئے ہیں۔

حسن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو کرتے میں سترہ (17) پیوند لگے ہوئے تھے جن میں کچھ چمڑے کے تھے۔ یہ صرف تزکیہ کا اثر تھا وہ دنیا کے سب سے باجبروت حکمران تھے۔ قیصر و کسریٰ ان کے نام سے کانپتے تھے مگر وہ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلافت راشدہ کے بہت بعد میں عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے زہد و تقویٰ سے خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔

ایک رات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مدینہ کی گلیوں میں گھوم رہے تھے تا کہ رعیت کے حالات سے باخبر ہوں ان کا غلام اسلم بھی ان کے ہمراہ تھا۔ ایک گھر سے انہیں ایک عورت کی آواز سنائی دی وہ اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: دودھ میں پانی ملا دے دودھ لینے والا آ رہا ہوگا! تو بیٹی نے

جواب دیا: کہ ماں تمہیں نہیں معلوم امیر المؤمنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہوا ہے۔ ماں نے کہا: امیر المؤمنین کون سا یہاں دیکھ رہے ہیں۔ بیٹی نے جواب دیا امیر المؤمنین کا رب تو دیکھ رہا ہے۔

یہ گفتگو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مکان پر نشان لگا دیا اور صبح اپنے غلام کو بھیجا کہ پتہ کر کے آؤ کہ لڑکی شادی شدہ ہے یا اس کی نسبت تو کہیں نہیں ٹھہری۔ غلام نے آ کر بتایا ابھی اس کی شادی یا منگنی وغیرہ نہیں ہوئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کے لئے اس لڑکی کا پیغام بھیجا اور اس کی شادی ہوگئی۔ اس لڑکی کی بیٹی حضرت عمر بن عبد العزیز کی والدہ تھیں۔ شادی کیلئے لڑکی پسند کرنے کا یہ معیار تھا امیر المؤمنین کے بیٹے کی شادی ہو رہی تھی۔ حسب نسب دیکھا نہ مال و دولت کی طرف نظر کی، لڑکی کی دینداری دیکھی اور شادی کر دی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد بنو امیہ کی طرف سے غصب شدہ جائدادیں واپس لیں اور وہ مال و دولت واپس مانگا جو انہیں بغیر استحقاق کے صرف خلفاء کی رشتہ داری کی وجہ سے ملا تھا تو بنو امیہ میں ہلچل مچ گئی اور انہوں نے خلیفہ عبد الملک کی بیٹی اور حضرت عمر رحمۃ اللہ علیہ کی پھوپھی فاطمہ کو بھیجا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھائے کہ باقی جو چاہے تبدیلیاں کرے مگر سابق خلفاء کی طرف سے ملی ہوئی جائیدادیں اور وظیفے واپس نہ لئے جائیں۔ عمر رحمۃ اللہ علیہ نے پھوپھی کی بات نہیں مانی تو فاطمہ نے واپس جا کر خاندان کے لوگوں سے کہا کہ تمہیں یہ بات عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی پوتی بیاہ کر لانے سے پہلے سوچنی چاہئے تھی۔ اب وہ اپنے ننھیال کے طریقے پر چل رہا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو!

یہ واقعہ انہی عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے دور خلافت کا ہے کہ ایک عورت کوفہ سے سفر کرتی ہوئی دمشق پہنچی اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے گھر چلی آئی۔ عمر رحمۃ اللہ علیہ گھر نہیں تھے۔ وہ عورت عمر رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی فاطمہ کے پاس بیٹھ گئی۔ فاطمہ خلیفہ عبد الملک کی بیٹی تھی اور اس کے چار بھائی ولید ہشام سلیمان اور یزید باری باری خلیفہ بنے۔ وہ عورت فاطمہ کے پاس بیٹھی ہوئی بار بار گھر کی طرف دیکھتی اور پریشان ہوتی کہ یہاں تو خلیفہ کے اپنے گھر کی حالت اتنی خستہ ہے یہ مجھے کیا دے گا۔

فاطمہ نے اس عورت کی پریشانی دیکھی تو پوچھا اماں کیا بات ہے کہ تو اتنی پریشان ہوگئی ہے؟ اس عورت نے جواب دیا: میں چھ یتیم بچیوں کی ماں ہوں اور کوفہ سے اس امید پر آئی ہوں کہ خلیفہ سے کچھ امداد لے کر ان یتیم بچیوں کی شادی کر سکوں۔ مگر تمہارے مکان کو دیکھ کر سوچ رہی

ہوں تمہارے تو اپنے مکان کی حالت اتنی خراب ہے مجھے یہاں سے کیا ملے گا۔ تو فاطمہ نے جواب دیا اس مکان کی یہ حالت تمہارے گھر آباد کرنے کی وجہ سے ہوگئی ہے۔ فکر نہ کر امیر المؤمنین تمہیں مایوس نہیں کریں گے!

اتنے میں عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لائے اور کنویں سے پانی نکال کر گارا بنانے لگے تاکہ مکان کی مرمت کر سکیں وہ کنویں سے پانی نکالتے جاتے اور ساتھ ساتھ اپنی بیوی اور اس عورت کی طرف دیکھتے۔ اس عورت نے فاطمہ سے کہا کہ تمہارا غلام بہت بے حیاء ہے کہ تمہیں اس طرح دیکھ رہا ہے۔ فاطمہ نے کہا یہ غلام نہیں ہے بلکہ امیر المؤمنین ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ یہ کیا کہتی ہے؟ تو فاطمہ نے جواب دیا: کہ یہ چھ بیٹیوں کی ماں ہے اور کوفہ سے فریاد لے کر آپ کے پاس آئی ہے۔ آپ نے فوراً گورنر کوفہ کے نام پروانہ لکھا کہ اس عورت کی بچیوں کی شادی کا انتظام کیا جائے۔

وہ عورت پروانہ لے کر گورنر کے پاس پہنچی۔ گورنر نے وہ خط دیکھا تو رونے لگا عورت پریشان ہوگئی کہ نہ جانے خط میں ایسی کونسی بات لکھی ہے کہ گورنر اسے دیکھتے ہی رونے لگا ہے۔ گورنر نے عورت سے کہا کہ تو پریشان نہ ہو! بات یہ ہے کہ تو جس مرد صالح کا خط لے کر آئی ہے وہ فوت ہوگیا ہے۔ مگر تو مت گھبرا اگر تو اس خط کو لے کر کئی سال بعد بھی میرے پاس آتی تو میں اس کا اتنا ہی احترام کرتا جتنا ان کی زندگی میں کرتا۔ وہ ہمارے جسموں پر نہیں ہمارے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حالت کس طرح ہوئی یہ تزکیہ کا اثر تھا ورنہ خلیفہ بننے سے پہلے وہ بڑی عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ جو لباس ایک دفعہ پہن لیتے ایک سال تک دوبارہ اس کی باری نہ آتی خوشبو ایسی استعمال کرتے جس راستے سے گزر جاتے لوگوں کو علم ہو جاتا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ یہاں سے گزرے ہیں۔ مگر تزکیہ نے یہ حالت کر دی کہ روکھی سوکھی کھاتے موٹا لباس پہنتے۔

اصل دین تزکیہ ہے یہ نماز روزے تو اس لئے ہیں کہ اس سے تزکیہ حاصل کیا جائے۔ نماز اور روزہ یہ سب کچھ بار بار اس لئے دہرایا جاتا ہے تاکہ اس سے تزکیہ مزید پختہ ہو جائے۔ اگر نماز اور روزہ سے انسان میں تبدیلی نہیں آتی تو پھر اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''بہت سے روزہ داروں کو سوائے بھوک کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا'' ہماری اب کیا حالت ہوگئی ہے کہ قرآن بھی ہمارے پاس ہے، ہم نمازیں بھی

پڑھتے ہیں، روزہ بھی رکھتے ہیں، اللہ اور رسول پر ایمان کے بھی مدعی ہیں مگر ہماری اخلاقی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ کرپشن ہمارے معاشرے میں ناسور کی طرح پھیل رہی ہے۔ حکومتیں بدلتی ہیں نئے قوانین بنائے جاتے ہیں نئے محکمے بنتے ہیں مگر کرپشن پر قابو نہیں پایا جا سکا۔

حیرانی کی بات ہے کہ رشوت ستانی کے انسداد کے لئے جو محکمہ انٹی کرپشن ہے اس میں سب سے زیادہ رشوت لی جاتی ہے۔ پولیس جس کا کام ان برائیوں کا خاتمہ ہے اس کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہے۔ تھانے بکتے ہیں۔ عدالتیں جن کا کام انصاف مہیا کرنا ہے، وہاں انصاف بکتا ہے۔ اس کی وجہ تعلیم کی کمی ہرگز نہیں ہے محکموں کے سربراہ اور مختلف بڑی بڑی کارپوریشنوں کے چیئرمین جو اربوں روپیہ کھا گئے۔ کیا کم تعلیم یافتہ ہیں؟ یہ سب ملکی وغیر ملکی یونیورسٹیوں کے ڈگری ہولڈر ہیں یہ تعلیم کی کمی نہیں ایمان کی کمی ہے۔

حکیمانِ معیشت اپنے نسخے آزما دیکھیں
علاجِ تنگیِ آدم بجز ایماں نہیں ہوگا

ایمان اور آخرت میں جواب دہی کا احساس انسان میں کیا تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔ عام حالات تو ایک طرف میدان جنگ جہاں کوئی قانون اور کوئی ضابطے نہیں ہوتے فاتحین کے لئے مفتوحین کی جان ومال اور عزت سب مباح ہوتا ہے۔ وہاں بھی مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ انہوں نے سینکڑوں جنگیں لڑیں، بے شمار شہر فتح کئے، مگر دشمن کوئی ایک مثال بھی نہیں دے سکے کہ کسی مفتوح شہر میں کسی عورت کی عزت لوٹی گئی ہو۔ کسی بچے بوڑھے یا عورت کو قتل کیا گیا ہو۔

یہ سب تزکیہ کا نتیجہ تھا کہ میدان جنگ میں بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو قوانین بتائے ان پر عمل کیا جاتا تھا۔ اب جہاد جسے لوگ ختم کرنا چاہتے ہیں، حقیقت میں انسان کے لئے جنگ ہے اس کا مقصد ملک فتح کرنا تھا نہ مال غنیمت کا حصول تھا۔ بلکہ جہاد تو اللہ کی اس سرزمین سے ظلم ختم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مسلمانوں نے حمص فتح کیا اور وہاں کے لوگوں کو ذمی بنایا۔ ذمی کا مطلب ہے کہ اس پر جزیہ (معمولی سی رقم) عائد کر دیا جاتا ہے اور اس کے عوض اس کی جان مال اور عزت کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمان حکومت کی ہوتی ہے۔ ان کی حرمت کا یہ عالم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تین گروہ ایسے ہیں جن کی طرف سے قیامت کے روز اللہ مدعی ہوگا۔یعنی وہ منصف بھی ہوگا اور
کی طرف سے مقدمہ بھی لڑے گا۔

1. ذمیوں پر ظلم کرنے والا
2. آزاد آدمی کو غلام بنانے والا
3. مزدور کا حق دبانے والا

یہ تین گروہ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے خلاف خود فریق ہوں گے یہ حدیث قدسی ہے۔

حمص کی فتح کے بعد مسلمانوں نے ان کو ذمی قرار دے دیا ان سے جزیہ کی رقم وصول کر بعد میں رومیوں کا دباؤ بڑھا۔حالات ایسے پیدا ہوگئے کہ مسلمانوں کو حمص خالی کرنا پڑا۔امیر لشکر نے شہر خالی کرنے سے پہلے وہاں کے سرداروں کو بلایا اور کہا کہ حالات ایسے پیدا ہوگئے ہیں ہم شہر خالی کر رہے ہیں۔ہم اب آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے اس لئے جو جزیہ آپ لوگوں نے ہمیں دیا تھا وہ آپ لوگ واپس لے لیں۔

چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ وہ لوگ رو رہے تھے کہ ہمارے اپنے حکمران ہم سے ظالمانہ ٹیکس وصول کرتے اور اپنی عیاشیوں میں صرف کرتے ہیں۔یہ کیسے فاتح ہیں جو مفتوحین سے یہ سلوک کرتے ہیں کہ ان سے لی ہوئی رقم واپس کر رہے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا خوف ہی انسان میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ کہیں بھی میدان میں ہو وہاں اپنے کردار و عمل سے دوسرے لوگوں سے مختلف نظر آئے۔

سپین کے مشہور عالم دین علامہ قرطبی اپنی تفسیر[1] میں ایک واقعہ لکھتے ہیں۔واسط میں ایک تاجر رہتا تھا اس نے اپنے ایک ملازم کو گندم دے کر بصرہ بھیجا اور کہا کہ تم جاتے ہی اسے بیچ دینا ملازم بصرہ پہنچا تو وہاں کے تاجروں نے کہا کہ یہاں گندم کی کمی ہو رہی ہے۔تم ایک دو روز رک جاؤ قیمت بڑھ جائے گی تم زیادہ نفع کمانا۔اس نے ایسا ہی کیا قیمت بہت بڑھ گئی۔اس نے گندم بیچی تو اسے بیس ہزار درہم نفع ہوا۔ملازم نے تمام حالات اور نفع کی رقم کے بارے میں اپنے مالک کو لکھ بھیجا۔

چند دن بعد ملازم کو اس کا خط موصول ہوا جس میں اس نے لکھا تھا کہ یہ تو نے بہت ظلم کیا ہے کہ اتنے دن خلق خدا کو پریشان کیا اور ان کا خون نچوڑا۔اب تم یہ کرو کہ منافع کی ساری رقم

[1] احکام القرآن سورۃ المزمل کی تفسیر

لوگوں میں تقسیم کر دو اس کے بعد بھی میں اپنے رب سے معافی مانگتا ہوں کہ تیرے اس فعل کی وجہ سے مخلوق خدا کو پریشانی ہوئی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کپڑے کے بہت بڑے تاجر بھی تھے ان کا تیار کردہ کپڑا دور دراز کے شہروں میں جاتا تھا۔ایک دفعہ انہوں نے اپنے تجارتی نمائندے کے ذریعے کپڑے کے کئی تھان دوسرے شہر فروخت کرنے کے لئے بھیجے اس میں کچھ تھان ایسے بھی تھے جن میں کچھ نقص تھا۔امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے نمائندے سے کہا کہ یہ کپڑا جسے بھی فروخت کرنا اسے اس کے نقص کے بارے میں بتا دینا۔نمائندے کو یاد نہ رہا اس نے اسے باقی مال کے ساتھ فروخت کر دیا۔امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کی خبر ہوئی تو تمام رقم صدقہ کر دی کہ حلال رقم میں حرام رقم مل گئی ہے۔

اب ہم ان باتوں کا تصور بھی نہیں کر سکتے یہ ساری برکت تزکیہ کی تھی۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے انہوں نے ایسے لوگ تیار کر دیئے جو چلتے پھرتے قرآن تھے۔تزکیہ کے لئے یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ خانقاہوں میں جائیں چلّے کاٹیں۔بلکہ یہ مطلوب ہے کہ آپ جس جگہ بھی ہیں وہاں موجود رہتے ہوئے اچھے شائستہ اور مہذب انسان بن جائیں۔یہی تزکیہ ہے۔ذکر اللہ سے فکر آخرت سے اور حدود شرعیہ کی پابندی سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔

چار(4) چیزیں جو دین کا ستون ہیں یہ اسلام نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عمارت کھڑی کرنے کے لئے ستون کا کام دیتی ہیں وہ یہ ہیں۔

1. نماز 2. روزہ 3. حج 4. زکوٰۃ۔

ان کو اگر سمجھا جائے اور ان پر اگر خلوص نیت سے عمل کیا جائے تو یہ واقعی انسان کو مہذب اور شائستہ انسان بنا دیتی ہیں پھر اسے کسی بھی آزمائش میں ڈالا جائے کیسی ہی ذمہ داری دی جائے کسی بھی میدان میں بھیجا جائے اسے کھرا پائیں گے۔

یہ بنیادی ستون ہیں ان کا تھوڑا سا فلسفہ پیش خدمت ہے۔جن لوگوں نے انسان کا مطالعہ کیا ہے یا اس کی نفسیات پر غور و فکر کیا ہے وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسان نیکی کو پسند کرتا ہے کوئی برائی نہیں کرنا چاہتا۔جو برا کام کرتا ہے وہ بھی اس کو پسند نہیں کرتا۔خیر اور شر کی پہچان ہر شخص کو ہے۔خیر دشوار ہے اور یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ وہ مشکل کام کرنے سے گھبراتا ہے اور برائی میں ویسے بھی کشش ہے اس کا مزہ یا فائدہ اسی دنیا میں مل جاتا ہے جب کہ خیر کا ثواب قیامت میں ملنا ہے۔

میدان جنگ میں جمے رہنا سینے پر گولی کھانا مشکل ہے۔میدان جنگ سے فرار ہونا

آسان ہے اس لئے نشان حیدر یا تمغہ جرأت میدان جنگ میں جم کر مقابلہ کرنے والے کو ملتا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سر کرنا مشکل ہے کھڈ میں گرنا آسان ہے گینز ورلڈ ریکارڈ بک میں چوٹی سر کرنے والے کا نام لکھا جاتا ہے۔

برائی میں آسانی ہے۔اس لئے اسے ہر کوئی کر لیتا ہے نیکی کے کام کرنے بہت مشکل ہیں اس لئے اسے کرنے والے بہت کم ہیں اس میں تین بنیادی رکاوٹیں ہیں۔ اگر انسانی فطرت میں یہ تین خامیاں نہ ہوتیں تو ہر شخص ولی ہوتا۔ان میں پہلی غفلت ہے کہ انسان اللہ پاک کو بھول جاتا ہے کیونکہ اس کا کوئی مشاہدہ نہیں ہوتا اور یہ دنیا نقد معلوم ہوتی ہے اس میں ہم پھنس جاتے ہیں۔ خدا تو یاد دلایا جائے تو آتا ہے اس غفلت اور نسیان کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

﴿نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ﴾

''جو اللہ کو بھول جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔''

اس لئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی پر اتنا زور دیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے گا تو ضرور اسے بنانے والے خالق کا بھی خیال آئے گا یہ خودی غرور اور تکبر نہیں ہے۔ جیسا کہ قدیم صوفیاء کا خیال تھا بلکہ اپنے بارے میں غور و فکر کرنے کا نام خودی ہے۔اس میں تین سوال ہیں جس پر انسان غور کرتا ہے۔

پہلا سوال: مبدأ: کہ میں کہاں سے آیا ہوں میرا خالق کون ہے۔

دوسرا سوال: معاد: کہ لوٹنا کدھر ہے۔

تیسرا سوال: معاش: کہ اب کیا کرنا ہے؟

ان سوالوں کے بارے میں سوچے گا تو اسے یہی جواب ملیں گے کہ ہمارا خالق اللہ ہے ہم نے واپس اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور اس دنیا میں اللہ کے احکام کی پیروی کرنی ہے۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ جو اللہ کو بھولتا ہے وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے جو اپنے بارے میں غور و فکر نہیں کرتا اسے اللہ یاد نہیں آتا۔آپ قرآن کا مطالعہ کریں کہ اللہ تعالی نے اپنی ذات کے ہونے کے بارے میں اپنے خالق ہونے کے بارے میں جتنی دلیلیں دی ہیں وہ یہی ہیں کہ تو اپنے بارے میں غور کر کہ تو کس طرح ایک نطفے سے گوشت پوست کا جیتا جاگتا وجود بنا۔ ماں کے رحم میں کس طرح تیری خوراک کا بندوبست کیا۔ پہلی رکاوٹ نیکی اور خیر کے کاموں میں نسیان

ہے، امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

فنسیان ذکر اللہ موت قلوبھم

واجسامھم قبل القبور قبور

''جو اللہ کو بھول جاتے ہیں وہ مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں کتنے ہی جسم ایسے ہیں جو موت سے پہلے ہی قبر بن گئے۔''

خیر کے کاموں میں جو دوسری رکاوٹ ہے وہ حب عاجلہ ہے۔ آخرت نقد نہیں ہے وہ ادھار کا سودا ہے۔بس وعدہ کیا گیا ہے کہ جنت میں یہ نعمتیں ملیں گی برائی کی لذت نقد ہے اس میں آپ کرپشن کریں نقد لاکھوں روپے مل گئے۔ زنا کریں فوراً اس سے لذت حاصل ہوگئی۔انسان یہ سوچتا ہے کہ قیامت کے بارے میں دیکھا جائے گا اب تو نقد مل رہا ہے۔

عاقبت کی خبر خدا جانے

اب تو آرام سے گزرتی ہے

یہ دوسری کھائی۔جس میں انسان گر جاتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا نقد ہے اور آخرت ادھار اور تیسری رکاوٹ غلبۂ شہوت ہے کہ انسان کی خواہشات اتنی ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوتیں۔

اس کا منبع دو چیزیں ہیں، بطن اور فرج۔ یہی دو خواہشیں ایسی ہیں جن سے سب خواہشیں جنم لیتی ہیں۔اب آپ ذرا دنیا کی طرف نظر کریں! بازاروں میں گھومیں دکانوں میں جو چیزیں بھری ہوئی ہیں وہ انہی دو چیزوں کی تسکین کیلئے ہیں یا تو کھانے پینے کی اشیاء ہیں اور یا کپڑے میک اپ کا سامان اور زیورات ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں بطن پیٹ کی تسکین کیلئے اور کپڑے اور زیورات جنسی تسکین کیلئے تا کہ عورت خوبصورت نظر آئے۔اب یہ طے ہو گیا کہ نیکی کی راہ میں تین رکاوٹیں ہیں۔ اللہ کے ذکر سے غفلت، نقد دنیا کی محبت اور خواہشات کا غلبہ، اب تینوں کا جو علاج اسلام نے بتایا وہ انتہائی فلسفیانہ اور حکیمانہ ہے۔نسیان اور غفلت کا علاج نماز ہے موسیٰ علیہ السلام کو جو پہلا حکم ملا وہ یہی کہ موسیٰ! اگر مجھے یاد رکھنا ہے تو نماز درست طریقے سے پڑھنا!

ایک موقع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ اگر کسی کے گھر کے سامنے نہر بہتی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ دفعہ مل مل کر نہائے تو کیا اس کے جسم پر میل رہ جائے گا؟ تو صحابہ نے جواب دیا نہیں یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہی معاملہ نماز کا ہے کہ آدمی پانچ دفعہ ذکر الٰہی میں غوطہ لگائے اور یہ تصور کرے کہ اللہ تعالی ہے اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

مگر نماز ایسی ہو جسے اللہ اقامۃ الصلوٰۃ کہتا ہے کہ نماز قائم کی جائے۔ کسی چیز کو اس طرح کرنا کہ اس کا حق ادا ہو جائے اسے اِقامت کہتے ہیں۔ اور یہ حق اسی طرح ادا ہوتا ہے کہ آپ نماز کو سب سے اعلیٰ کام سمجھیں۔ آپ دنیا کے کاموں میں بری طرح مشغول ہیں۔ مؤذن نے اذان کہہ دی: بس آپ دنیا کے کام اسی وقت چھوڑ دیں اور اللہ کے حضور پیش ہو جائیں۔

ایک بزرگ ابراہیم الصائغ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سنار کا کام کرتے تھے۔ زیور تیار ہے بس ایک چوٹ کی کسر ہے۔ مؤذن نے اللہ اکبر کہہ دیا: بس وہیں ہتھوڑی چھوڑ دیتے کہ اب اس دنیا کے مالک کا پیغام آ گیا۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنہوں نے نماز کو ادنیٰ کام سمجھا انہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے وہ ہیں جنہیں دنیا کی کوئی چیز میری یاد سے غافل نہیں کر سکتی۔ غفلت کا علاج یہی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو آپ فوراً نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ کچھ عرصہ اس عمل کو جاری رکھیں آپ خود محسوس کریں گے کہ شیطان کا وار کاری نہیں رہا۔ دوسری بیماری حب عاجلہ ہے۔ یعنی نقد دنیا اس کا علاج زکوٰۃ ہے۔ آپ ڈھائی فیصد دے دیں! مانا جائے گا کہ آپ مسلم ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اصل مطالبہ تو یہ ہے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے اسے اللہ کی راہ میں دے دیں۔ آپ کے پاس ایک ہاتھ میں مال آئے اور دوسرے ہاتھ سے دیتے جائیں کیفیت ایسی ہو جائے۔

جس طرح شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح چھلنی میں پانی نہیں ٹھہرتا اسی طرح درویش کے ہاتھ میں مال نہیں ٹھہرتا

قرار در کفِ آزادگان نہ گیرد مال
نہ صبر در دلِ عاشق نہ آب در غربال

اس کو نقصان نہیں بلکہ نفع سمجھیں اب اس کا ایک نمونہ آپ ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خادم عبدالرحیم بیان کرتے ہیں میں شیخ کے لئے سحری اور افطاری کا انتظام کرتا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں جب سحری کا سامان لے کر جاتا تو آپ رو پڑتے اور کچھ بھی نہ کھاتے۔ میں نے کہا حضور! آپ افطاری میں کچھ نہیں کھاتے سحری میں بھی کچھ نہ کھایا تو کمزور ہو جائیں گے۔ شیخ فرماتے: کہ یہ جو اتنے لوگ بھوکے رہتے ہیں میں قیامت کے روز اس کا کیا جواب دوں گا کہ میں ان کا حق کھاتا رہا ہوں"

یہ احساس اسی وقت پیدا ہوگا جب دنیا نقد اور آخرت ادھار کا تصور ختم ہوگا کہ اصل دنیا

مرنے کے بعد ہے۔ یہاں دیں گے وہاں جا کر منافع وصول کریں گے۔

ایک عجیب واقعہ میرے ذہن میں آیا ہے۔ ربیع بن خثیم تابعی تھے۔ بہت نیک اور عبادت گزار تھے ایک دن ان کی بیوی نے کہا کہ میں ساری عمر اس بات کو ترستی رہی ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی فرمائش کریں جسے میں پوری کروں۔ مگر افسوس مجھے اس کا موقع نہیں ملا۔ ربیع نے فرمایا: اچھا اگر تیری بہت شدید خواہش ہے تو حلوہ تیار کر! میں بہت خوش ہوئی۔ اس نے بڑی محنت اور توجہ سے حلوہ تیار کیا اس میں خالص گھی اور میوہ جات ڈالے اسے برتن میں ڈال کر ربیع کو پیش کیا۔ آپ کچھ دیر اسے دیکھتے رہے پھر اسے اٹھا کر باہر چلے گئے۔ دروازے کے باہر ایک شخص پڑا ہوا تھا جو مجذوب تھا اس کی رالیں ٹپک رہیں تھیں آپ نے وہ حلوہ اس شخص کو کھلا دیا۔ آپ گھر گئے تو بیوی نے کہا ساری زندگی میں آپ نے پہلی بار کسی چیز کی خواہش کی اور اسے کھایا نہیں۔ بلکہ اسے ایک ایسے شخص کو کھلا دیا جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ مجھے کسی نے حلوہ کھلایا ہے۔ آپ نے رو کر فرمایا: نیک بخت! اسے نہیں پتہ چلا اس کے رب کو تو علم ہو گیا حب عاجلہ کا علاج زکوٰۃ ہے۔

اب رہا تیسرا مرض غلبہ شہوت: اس بارے میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے دو باتوں کی ضمانت دے دو میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔
ایک جو دو جبڑوں کے درمیان ہے کہ اس سے حرام مال نہیں کھاؤ گے۔
دوسرا جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ اس سے زنا نہیں کرو گے"

فتنے کے یہی دو سرچشمے ہیں جن سے تمام برائیاں جنم لیتی ہیں۔ پیٹ کی خواہش ہے یا جنس کی خواہش ہے۔ جس کے لئے ساری دنیا سرگرداں ہے۔ اس کے علاج کے لئے روزے مقرر کئے گئے۔ عربی میں اس کے لئے صوم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ گھوڑوں کو جب دوڑنے کے لئے تیار کیا جاتا ہے تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے پہلے خوب کھلا کر موٹا کیا جاتا ہے پھر اسے بھوکا رکھ کر خوب دوڑایا جاتا پھر اسے بند کمرے میں رکھا جاتا اس پر کپڑے ڈال دئے جاتے تا کہ اسے خوب پسینہ آئے اس کیفیت کو صوم کہا جاتا ہے۔ ہم پر روزے فرض کرنے کا اللہ پاک کا یہی منشا ہے کہ ہم موٹے نہ ہوں اور اپنی خواہشات پر قابو رکھیں اور جو فالتو بچے اسے دوسروں پر خرچ کریں تین بڑی خرابی کی وجوہات تھیں۔ اللہ کو بھول جانا اس کا علاج نماز میں رکھا۔

حب عاجلہ: اس کا علاج زکوٰۃ سے کیا۔ غلبہ شہوت اس کا علاج روزے سے کیا۔ اور حج ان

سب کا مجموعہ ہے اس میں نماز کی روح بھی ہے، ذکر خداوندی بھی ہے مال بھی خرچ ہوتا ہے روزے کی طرح اس میں احرام کی بہت ساری پابندیاں بھی ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس بارے میں متذبذب تھا کہ سب سے افضل عبادت کونسی ہے؟ مگر جب میں نے حج کیا تو مجھے یہ یقین کامل ہو گیا اور میرا یہ اعتقاد راسخ ہو گیا کہ نماز اور زکوۃ میں جو الگ الگ تھا وہ سب کچھ حج میں اکٹھا کر دیا گیا ہے

اس بارے میں رسول رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جس نے حج مبرور کیا وہ اس طرح لوٹتا ہے جیسے ابھی اس نے ماں کے پیٹ سے جنم لیا ہے۔

ہم نے اس کا غلط مفہوم لیا ہے کہ ہم گناہ کرتے ہیں۔ حج کرتے ہیں پھر گناہ کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی بدنام کرتے ہیں۔ ورنہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کا مقصد تو یہ تھا کہ انسان اس فرض کی ادائیگی کے بعد نیا آدمی نظر آئے۔ دیکھنے والوں کو یہ احساس ہو کہ یہ پہلے سے مختلف آدمی ہے۔

مگر یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ یہ فریضہ سرانجام دیتے ہیں مگر معاشرے میں تبدیلی نہیں آتی بلکہ حاجی صاحبان معاملات میں گڑبڑ کے لئے زیادہ بدنام ہیں۔ امتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں۔

لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ دین کہتا ہے نماز برائیوں سے روتی ہے مگر ایسا نظر نہیں آتا۔ حج کے بعد نیا آدمی بن جاتا ہے مگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اس کا فلسفہ اس کی حکمت اس کی روح ختم کر دی ہے ہماری یہ حالت ہے

نماز و روزہ و قربانی وحج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

رسمیں چل رہی ہیں مگر مسلمان وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے۔ دین تزکیہ نفس کے لئے نازل ہوا ہے کہ لوگوں کو شائستہ اور مہذب بنائے۔

تزکیہ نفس حاصل کرنے کے لئے تین (3) بنیادی چیزیں ہیں:

1. اللہ تعالیٰ کی یاد 2. فکر آخرت 3. حدود شرعیہ کی پابندی۔

اور رکاوٹیں بھی تین (3) ہیں۔

1. غفلت 2. حب عاجلہ 3. غلبہ شہوت

اور ان کا علاج ہے نماز روزہ اور زکوۃ اور ان سب کا مجموعی اہتمام حج میں کر دیا گیا ہے۔ ہم رمضان المبارک اس طرح گزاریں کہ جب یہ ختم ہو تو ہم گناہوں سے پاک ہوں۔ عربوں نے تمام مہینوں کے نام موسموں کے مطابق رکھے تھے جیسے ربیع بہار کو کہتے ہیں۔ اسی طرح رمضان کیونکہ گرمیوں میں ہوتا تھا اس کے معنی جلانے کے ہیں اور خوش قسمتی سے اس کا نام ایسا رکھ دیا گیا ہے کہ یہ غلطیوں اور گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ اب اگر رمضان ختم ہو جائے اور ہمارے گناہ ختم نہ ہوں تو پھر ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کے مصداق ہوں گے۔

بہت مشہور حدیث ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔ اور آمین کہا: دوسری سیڑھی پر قدم رکھا آمین کہا: تیسری سیڑھی پر قدم رکھا آمین کہا: لوگوں نے بعد میں پوچھا: یا رسول اللہ! آپ نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب میں نے منبر پر قدم رکھنا شروع کیا تو جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور جب میں نے پہلے درجہ پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ جسے رمضان کے روزے نصیب ہوئے اور وہ گناہوں سے پاک نہ ہوا اس پر اللہ کی لعنت۔ میں نے کہا آمین۔

میں نے دوسرے زینے پر قدم رکھا جبریل علیہ السلام نے کہا: کہ جسے بوڑھے ماں باپ دونوں یا ان میں سے ایک ملا اور اس نے خدمت کر کے جنت حاصل نہیں کی اس پر اللہ پاک کی لعنت۔ میں نے کہا آمین۔

جب میں نے تیسرے زینے پر قدم رکھا تو انہوں نے کہا کہ جس مسلمان کے سامنے آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لیا جائے وہ آپ پر درود پاک نہ پڑھے: اس پر اللہ کی لعنت! میں نے کہا: آمین۔ [1] اب میں اس ساری بات کا نچوڑ آپ کے سامنے چند الفاظ میں پیش کرتا ہوں کہ دنیا میں رہنا ہے یہ نہیں کہ رہبانیت اختیار کر لینی ہے۔ مگر اللہ کی یاد ہر وقت دل میں رہنی چاہئے۔ ہندی کا ایک شعر ہے۔

دنیا میں تو ایسے ہو رہ جیوں مرغابی ساگر میں
نام خدا کا ایسے جپنا جیوں چت ناری گاگر میں

کہ مرغابی رہتی پانی میں ہے مگر وہ اس کی ہو نہیں رہتی۔ جب چاہتی ہے اڑ کر خشکی پہ آ جاتی ہے۔ ایسے ہی گاؤں میں عورتیں اپنے سروں پر دو دو تین تین گھڑے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر چلتی ہی رہتی ہیں اور باتیں کرتی رہتی ہیں مگر ان کا دھیان گھڑے میں رہتا ہے کہ وہ گر نہ جائے۔

[1] مجمع الزوائد: 9، 10/169، ارواہ الطبرانی

اسی طرح ہمیں دنیا میں اس طرح رہنا چاہئے کہ دھیان ہر وقت اللہ کی طرف ہو کیفیت یہ ہو

ہتھ کار ول
دل یار ول

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

زندگی کی رہ پہ چل لیکن ذرا بچ بچ کے چل
یوں سمجھ لے کوئی مینا خانہ بار دوش ہے

ہمیں زندگی اس طرح گزارنی ہے کہ ہمارے کندھوں پر ذمہ داریوں کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے حدود شرعیہ کی صورت میں ہم پر ڈالا ہے جیسے سر پر شیشوں کا ٹوکرا رکھا ہو تو دھیان اسی کی طرف رہتا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❀❀❀

پردے کی اہمیت

بسے نہ دیدنی را دیدہ ام من
مرا اے کاش کہ مادر نہ زادے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اپنی آنکھوں سے ایسی بہت سی چیزیں دیکھی ہیں جو دیکھنے کے قابل نہ تھیں۔ کاش! مجھے میری ماں جنم نہ دیتی۔

دنیا میں بعض ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان سوچتا ہے کہ میں اس دنیا میں کیوں آ گیا۔ ہر طرف گندگی ہی گندگی ہے۔ پچھلے دنوں فرانس میں مسلمان بچیوں کے سکارف اوڑھ کر سکول جانے پر پابندی عائد کر دی گئی۔ کئی اسلامی تنظیموں اور اداروں نے اس پر احتجاج کیا۔ فرانس تو خیر غیر اسلامی ملک ہے۔ مسلمان ملک ترکی میں بھی بچیوں کے سکارف اوڑھنے پر پابندی ہے۔ چند سال بیشتر وہاں کی عدالت نے ایک خاتون رکن اسمبلی کی رکنیت اس وجہ سے ختم کر دی کہ وہ سکارف پہن کر اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرتی تھی اس کی اسمبلی کی رکنیت ہی ختم نہ کی گئی بلکہ اسی جرم میں اس کی شہریت ختم کر کے اسے جلاوطن کر دیا گیا۔ اندازہ کریں یہ اس امت کا حال ہے، جس نے دنیا میں نمونہ بن کر دکھانا تھا کہ دنیا میں کس طرح رہنا ہے۔ تجارت کس طرح کرنی ہے۔ عدالت کس طرح کرنی ہے بلکہ دنیا کو ایسے معلوم ہو کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

ایسے معلوم ہو کہ یہ قرآن پڑھنے والا نہیں بلکہ سر سے پاؤں تک خود قرآن ہے۔ یہ ایسے سانچے میں ڈھلا ہوا ہو کہ اسے دیکھ کر لوگوں کو علم ہو جائے کہ قرآن کیا چاہتا ہے۔ دنیا میں سب سے بڑے دہشت گرد وہ لوگ ہیں جو فحاشی پھیلاتے ہیں الیکٹرانک میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا، سائن بورڈ ہوں یا دیواروں پر لگے ہوئے بڑے بڑے اشتہارات۔ ہر طرف عورت ہی عورت ہے۔ دنیا جہاں کی کسی بھی چیز کا اشتہار ہو اس میں عورت ضرور ہو گی حتیٰ کہ جو چیزیں مردوں کے استعمال کی ہیں۔ مثلاً بلیڈ، موٹر سائیکل، سگریٹ وغیرہ ان اشیاء کے اشتہارات میں بھی عورت لازماً دکھائی جائے گی۔

اسی وجہ سے ساری دنیا میں بدکاری پھیل رہی ہے۔ شیطان جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے وہ عورت کے ذریعے کرواتا ہے۔ عورت تو کہتے ہی اس چیز کو ہیں جو چھپائی جانے والی ہو۔ ہم

خواتین کے لئے عورت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔عربی میں خاتون کے لئے مرأة کا لفظ ہے۔ مرد کا جسم ناف سے لے کر گھٹنوں تک عورت ہے۔خواتین کو عورت کہتے ہی اس لئے ہیں کہ وہ سر سے لے کر پاؤں تک چھپانے کی چیز ہے۔اس لئے عورت وہی عورت ہے جو چھپ کر رہے۔ مگر اس دنیا میں کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ معاشرے میں برائی پھیل جائے تا کہ ہمیں آسانی کے ساتھ عیاشی کے سامان مہیا ہوسکیں۔فحش ہر اس برائی کو کہا جاتا ہے جس کا برا ہونا بالکل واضح ہو۔ دنیا کا ہر اچھا برا انسان اسے برائی سمجھے۔اللہ نے تمام برائیوں میں سے چن کر زنا اور بے پردگی کو فحش کہا ہے کیونکہ یہ ننگی برائی ہے۔جو جان بوجھ کر اپنی آنکھیں نہ بند کرنا چاہیں ان کی بات الگ ہے۔ورنہ ہر آدمی کو پتہ ہے کہ جو عورت بن سنور کر بازار میں نکلتی ہے وہ تباہی ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر راستے سے گزرے تا کہ لوگ اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں تو وہ ویسی ہے اور ایسی ہے۔ [1]

آپ کوئی اخبار رسالہ اٹھا کر دیکھ لیں! ہر جگہ عورت کو نمایاں کیا جا رہا ہے۔عورت کو اتنا بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں کہ شاید اس جیسی اصل نہ ہو۔اور بدقماش لوگوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کی آنکھوں اور کانوں کو تباہ کیا جائے۔جب بھی آپ ٹی وی (T V) کھولیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہر چینل پر بے ہنگم موسیقی چل رہی ہے لڑکے اور لڑکیاں ناچ رہے ہیں۔اسے کلچر اور ثقافت کا نام دیا جا رہا ہے۔یہ ثقافت نہیں نری تخریب ہے۔امت مسلمہ جو پہلے ہی تباہی کے دہانے پہ کھڑی ہے رہی سہی کسر نئی تہذیب کے ذریعے نکالی جا رہی ہے۔بقول اقبال

ہند کے صورت گر و شاعر وافسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

افسانہ نگار عورت کے بارے میں لکھتے ہیں۔شاعر بھی زلف ورخسار کی بات کرتا ہے یعنی سوتے جاگتے انہیں عورت ہی نظر آتی ہے۔اس کا نتیجہ کیا نکلا؟۔

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے۔

یہ کتاب اس وقت لکھی گئی جب معاشرے کو یہ آگ لگ رہی تھی یہ چھوٹی سی کتاب اس موضوع پر شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔چودہ سو سال میں اس موضوع پر کوئی بھی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی۔اس میں مولانا نے عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعے یہ ثابت کیا ہے مرد اور عورت جہاں بھی

[1] تفہیم القرآن:393/3، سورۃ النور، ترمذی، نسائی، صحیح سنن ابوداود:87/2ح:3516،

اکٹھے ہوں گے اس کا نتیجہ تباہی ہوگا۔اس میں انہوں نے 1950ء کا ایک واقعہ درج کیا ہے۔جب نیا سال شروع ہوا تو ایک ہوٹل میں نیوائیر نائٹ کا انتظام کیا گیا ناؤ نوش کا دور چل رہا تھا۔ایک شخص نے بیرے سے پانی مانگ لیا۔بیرے نے تمسخر کے طور پر کہا کہ شراب منگواس وقت ہوٹل کی تمام ٹوٹیوں سے شراب بہہ رہی تھی۔جب آدھی رات ہوئی گھڑی نے بارہ (12) بجائے تو تمام لائٹیں بند ہوگئیں جس کے ہاتھ جو لگی اس سے بوس وکنار شروع ہوگیا۔ایک شوخ لڑکی نے ایک اناڑی آدمی کا بوسہ لیا اس آدمی نے غصے سے پوچھا یہ کیا ہے تو لڑکی نے جواب دیا کہ یہ پاکستان کا نیا قانون ہے۔

ایسی ہی بداعمالیوں کے نتیجے میں ہم پر یہ عذاب مسلط ہوا ہے کہ تمام دنیا میں سب سے زیادہ بے بس اسلامی ممالک ہیں جن کی دنیا میں کوئی قدر و منزلت نہیں۔ہر طرف ہم پر پھٹکار پڑ رہی ہے۔تمام اسلامی ممالک ذلیل وخوار ہو کر رہ گئے ہیں۔یہ تو صرف دنیاوی عذاب ہے۔ آخرت میں اس سے بھی دردناک عذاب ہمارا منتظر ہے۔

سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے:

''اور مومن عورتوں سے کہہ دو: اپنی نگاہیں نیچی رکھیں! اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں! اپنے آرائش کے مقامات کو چھپا کر رکھیں! اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں، اور اپنی زیب وزینت اور سنگار کے مقامات کو اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی ہی قسم کی عورتوں اور لونڈی اور غلاموں اور ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں، اور ایسے لڑکوں جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں، کے سوا کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔اور اپنے پاؤں ایسے طور پر زمین پر نہ ماریں کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے۔اور مومنو! سب خدا کے سامنے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

[24/نور:31]

اس آیت میں اللہ نے حجاب کا مسئلہ بیان کیا ہے۔قرآن پاک جیسی الہامی کتاب نے پردے کے بارے میں جس انداز سے گفتگو کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ پردہ معمولی بات نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا انتظام ہے جس کے ذریعے عفت اور پاکدامنی کی حفاظت کی جاتی ہے۔

یہ بات طے ہے کہ جس معاشرے نے بھی پردے کے سلسلے میں کوتاہی کی آدم سے
آج تک وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوگیا۔ساری ترقی اور تمدن کے باوجود دنیا کی کوئی طاقت اسے
سکی۔یہ ایسی چنگاری ہے کہ جہاں لگی اس نے سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا۔ان کے دانشور اور
اس سے بچنے کی کوئی تدبیر نہ کر سکے۔یہ ایسا سیلاب ہے کہ جب آتا ہے تو سب کچھ بہا کر لے
ہے۔اب یورپ اس مرحلے سے گزر رہا ہے۔اس کی ظاہری چمک دمک نے ہماری آنکھیں
کی ہوئی ہیں۔لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دیدہ بینا دیا ہے وہ چلا رہے ہیں کہ یہ معاشرہ دن بدن
تباہی کی طرف جا رہا ہے اور اس میں تبدیلی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی۔یہ دور بنی آدم کی
میں انتہائی تنزل اور بربادی کا ہے۔اور انسانیت اس پاتال میں گر رہی ہے جس سے نکلنے کا
نظر نہیں آتا۔ابتدائے آفرینش سے اب تک لوگوں نے بہت سے جرائم کیے مگر اس طرح کبھی
ہوا کہ اسمبلیوں میں ایسے قوانین منظور ہوں جس میں مرد کو مرد سے شادی کرنے کی اجازت
جائے اور چرچ میں ان کے درمیان ایجاب و قبول ہو۔پادری اس فعل قبیح کو سرانجام دے جس کی
کسی بھی مذہب نے اجازت نہ دی ہو۔

یورپ کے بہت سے ممالک اور امریکہ کی کئی ریاستوں میں اس طرح کی شادی قانونی
طور پر درست ہے۔اور امریکہ میں تو ایک ہم جنس پرست پادری کو کسی چرچ میں نامزد کیا گیا ہے۔
اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے اور اس کو ترقی کا دور کہنا نادانی اور حماقت کے سوا کچھ نہیں۔
کتنے سنگدل ہیں جو صرصر کو صبا کہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک روایت بیان کی ہے۔رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ علم کو اٹھا لیا جائے گا۔شراب بہت زیادہ
پی جائے گی۔زنا پھیل جائے گا۔ [1]

حتیٰ کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی کہ مرد اور عورتیں اس طرح بازاروں میں زنا
کریں گی جس طرح گدھے اور گدھیاں کھلے عام کرتے ہیں۔اس سے بڑی جہالت اور کیا ہو سکتی
ہے کہ لوگ یہ کہنا شروع کر دیں کہ خدا نہیں ہے۔دنیا اتفاقاً وجود میں آ گئی ہے اور کوئی قیامت
نہیں یہ علم نہیں جہالت اولیٰ ہے۔جو دوبارہ واپس آ رہی ہے۔

شراب ساری دنیا میں پانی کی طرح پی جا رہی ہے مسلمان ممالک بھی اس سے محفوظ نہیں۔

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب العلم باب رفع العلم وظہور الجہل: 1/178، ح:80، 81،

حالانکہ اسلام میں سود اور شراب یکساں حرام ہیں اور اسے ام الخبائث کہا گیا ہے۔اب ساری دنیا
رو رہی ہے کہ منشیات کی روک تھام کی جائے۔کیسی حماقت اور بے وقوفی کی بات ہے کہ ہیروئن اور
چرس کو غلط کہتے ہیں مگر شراب عام بکتی اور پی جاتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو چیز انسانی عقل کو ماؤف کر دے وہ حرام ہے۔ [1]

جرائم کے بارے میں چھپنے والی اکثر رپورٹوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اکثر جرائم نشے کی
حالت میں سرزد ہوتے ہیں۔زنا کا سبب صرف یہ ہے کہ مرد اور عورتوں کے اختلاط کے مواقع عام
ہیں۔کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط ایجوکیشن ہے۔دفاتر میں ایک جگہ مرد اور عورتیں کام کرتے
ہیں۔تجربے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ جہاں عورتیں کام کرتی ہیں وہاں زنا فحاشی کے علاوہ
کوئی کام نہیں۔دفاتر میں عورتیں صرف عیاشی کے لئے رکھی جاتی ہیں۔

((عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: والذی نفسی بيده لا تفنى هذه الامة حتى يقوم الرجل الى المرأة فيفترشها فى الطريق فيكون خيارهم يومئذ من يقول لو واريتها وراء هذه الحائط)) رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک ایسا دور آئے گا جس کا دل
چاہے گا راہ جاتی عورت کو پکڑ کر وہیں لٹا لے گا۔سب سے نیک وہ ہوگا جو یہ کہے گا: یار! ذرا دیوار کی
اوٹ میں ہو جاؤ۔ [2]

یورپ میں ایسے ہی ہو رہا ہے۔کسی ساحل سمندر پہ چلے جائیں مرد اور عورتیں برہنہ لیٹے
حرام زدگی میں مصروف ہیں۔وہاں تو کوئی کہنے والا بھی موجود نہیں کہ بھائی پردے میں ہو جاؤ۔
اسے ترقی سمجھا جاتا ہے اور ہمیں دقیانوسی اور رجعت پسند کہا جاتا ہے کہ یہ اب بھی شرم و حیا کو لئے
پھرتے ہیں۔حیا اور غیرت کوئی چیز نہیں ہے آپ کی بیوی اور بہن جس کے ساتھ چاہے پھرے۔
بقول علامہ اقبال

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الاشربۃ باب الخمر من العسل: 10/41، ح:5585،
[2] مجمع الزوائد: 8/328، باب ثان فی امارات الساعۃ

یہ لوگ واقعی ستاروں کی مسافت بتا سکتے ہیں۔ لیکن اخلاقیات ان میں ختم ہو چکی ہیں۔ ان کی نظروں سے معدوم ہے۔ نیکی اور بدی کے ان کی نظر میں کوئی معنی نہیں۔ یہ سب افادیت کے قائل ہیں کہ جہاں سچ میں فائدہ ہے وہاں بولو، جہاں جھوٹ بولنا قوم کے لئے فائدہ مند ہے وہاں اعلانیہ جھوٹ بولو! اپنے ملک میں ایمان داری کو فروغ دو۔ دنیا بھر کے حکمرانوں اور سرکاری ملازموں کو کمیشن کے ذریعے کرپٹ کرو۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ بقول علامہ اقبال

عشق ناپید خرد می گزدش صورت مار
خرد کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا

یعنی اللہ اور رسول کے ساتھ عشق ختم ہو گیا ہے اور عقل ہی عقل رہ گئی ہے اور اس عقل نے انسان کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ ایک شخص اعلانیہ اپنی ماں سے زنا کرتا ہے اور جب پوچھا جاتا ہے؟ تو جواب ملتا ہے: کہ کبھی میں پورا ابھی تو ماں کے پیٹ میں تھا؟ عقل ہی الٹ گئی۔ بقول علامہ اقبال

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اخبار رسائل پڑھ کر دیکھیں! ہر طرف خرابی ہی خرابی ہے۔ جس بات نے انسان کو انسان بنا کر رکھنا تھا وہ صرف وحی ہے، مقولہ ہے۔

عقل خود بین غافل از بہبود
غیر سود خود بیند نہ بیند سود غیر

جو آدمی اپنی سمجھ سے کام لیتا ہے وہ صرف اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ جب بھی انسان قانون بنائے گا وہ اپنا الو سیدھا کرے گا۔ کوئی جاگیردار قانون بنائے گا تو وہ جاگیرداروں کا فائدہ دیکھے گا۔ کوئی سرمایہ دار قانون بنائے گا تو وہ سرمایہ داروں کو تحفظ دے گا، لیکن خدا کا قانون سب کو نفع دیتا ہے کیونکہ خدا کی کسی سے رشتہ داری نہیں۔ وہ سب ہی کا خدا ہے۔

غیرت کے لئے انگریزی زبان میں کوئی لفظ نہیں۔ اتنے خبیث ہیں کہ خنزیر کھاتے ہیں۔ حالانکہ تمام انبیاء علیہم السلام نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ دنیا میں عیسائیوں کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیروکار خنزیر نہیں کھاتے۔ اس لئے حدیث پاک میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو وہ خنزیر کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

تمام جانوروں میں صرف خنزیر ہی ایسا جانور ہے کہ نر لائن بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور باری باری مادہ پر چڑھائی کرتے ہیں۔ باقی تمام جانور مادہ کیلئے لڑتے ہیں اس لئے خنزیر کو دیوث کہا گیا ہے اس کے کھانے والوں کا بھی یہی حال ہے کہ ان میں بھی غیرت ختم ہو جاتی ہے۔

غیرت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ بے غیرتی برداشت نہیں کرتا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اللہ سے بڑھ کر کوئی غیرت مند نہیں۔“ [1]

بخاری شریف میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس طرح کوئی آدمی اپنی ماں بہن کو زنا کرتے نہیں دیکھ سکتا۔ اسی طرح اللہ بھی یہ برداشت نہیں کرتا کہ اس کا بندہ یا بندی زنا کرے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے شرک کے بعد زنا کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا۔ جس طرح شرک کرنے والا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بناتا ہے اسی طرح زنا کرنے والی عورت اپنے خاوند کے ساتھ کسی کو شریک بناتی ہے۔ جس طرح اللہ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اسی طرح اپنے بندے کے ساتھ شریک بنانے والے کو بھی پسند نہیں کرتا۔

اللہ نے جنسی ضرورت پوری کرنے کے لئے نکاح کا راستہ بتایا اور چار تک شادیوں کی اجازت دی اور اس کی ترغیب اس طرح دی فرمایا: کہ ”نکاح کرو یہ عبادت ہے اور آدھا دین اس میں ہے اور بیوی کے پاس جانا صدقہ ہے“

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک رات خواب میں میرے پاس دو فرشتے آئے اور کہنے لگے کہ چلو ہم آپ کو نظارے دکھاتے ہیں کہ اللہ کی کائنات کیا ہے۔ فرشتے مجھے لے کر ایسی جگہ پہنچے جو تنور کی مانند تھی اسکے اندر آگ تھی اس میں شور تھا اور چیخیں تھیں اس میں مرد اور عورتیں ننگے تھے وہ اوپر کو آتے تو آگ کا جھونکا آتا اور انہیں نیچے لیجاتا۔ میں نے پوچھا: کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرشتوں نے جواب دیا: کہ وہ آگ میں جلنے والے مرد اور عورتیں جو ننگے تھے وہ ننگے اس لئے تھے کیونکہ انہوں نے دنیا میں اپنے لباس اتار دیئے تھے“۔ [2]

جن کا تقویٰ کا لباس اتر جائے وہ لباس پہن کر بھی ننگے ہوتے ہیں یہ بہت طویل حدیث ہے جس میں مختلف گناہوں کی سزائیں مذکور ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی خبر دی ہے کہ ایسی

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب النکاح باب الغیر ۃ:9/319، ح6220، 5221،

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلاۃ الصبح:12/438، ح:7048،

عورتیں بھی ہوں گی جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوگی۔ کیونکہ ان کا تقویٰ کا لباس اتر گیا ہوگا۔ جس کے دل میں خوف خدا ہوگا اس کے ظاہر سے بھی اس کا اظہار ہوگا۔ {1}

پردہ اس ذہنیت کا نام ہے کہ دل میں یہ احساس ہو کہ میں نے اللہ کے احکامات کی پابندی کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ مجھے ہر لمحہ دیکھ رہا ہے اور ظاہر میں بھی ایسا لباس پہننا ہے جس سے یہ احساس ہو کہ یہ کوئی شریف عورت ہے۔ شریعت ظاہر اور باطن دونوں کا علاج کرتی ہے۔ دراصل بے پردہ وہ عورت ہے جس کی حرکات اور لباس دعوت نظارہ دے رہے ہوں کہ مجھے دیکھو اور پردہ یہ ہے کہ عورت اتنی سادہ ہو کہ لوگوں کے پاس سے گزر جائے یا کام کاج کر رہی ہو اور انہیں یہ احساس تک نہ ہو کہ کوئی عورت بھی یہاں موجود ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جا رہی تھی کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس سے گزرے اور انہوں نے محسوس کیا کہ وہ خوشبو لگائے ہوئے ہے۔ انہوں نے اسے روک کر پوچھا اے خدائے جبار کی بندی کیا تو مسجد سے آرہی ہے اس نے کہا ہاں! بولے میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو عورت مسجد میں خوشبو لگا کر آئے اس کی نماز اس وقت قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ گھر جا کر غسل جنابت نہ کرے۔ {2}

ابو یوسف فرماتے ہیں مرد تین وجوہات کی بناء پر اپنی بیوی کو مار سکتا ہے:

(1) نماز نہ پڑھنا (2) بلا اجازت گھر سے نکلنا (3) زینت نہ کرنا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عورت ایسا طریقہ اختیار کرے کہ غیر مرد توجہ نہ کرے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں عورتوں کو صرف فجر اور عشاء کی نماز مسجد میں پڑھنے کی اجازت تھی حالانکہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے قدسیوں اور پاکباز مردوں کا زمانہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ عورتوں کو یہ حکم تھا کہ وہ پچھلی صفوں میں کھڑی ہوں! اور کوئی عورت خوشبو لگا کر نہ آئے!

پھر نماز کے بعد جب تک تمام عورتیں مسجد سے چلی نہ جائیں کوئی مرد اپنی جگہ سے نہ اٹھے! ان تمام باتوں کے باوجود کبھی عورتوں کی مسجد میں آنے کیلئے حوصلہ افزائی نہیں کی۔ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے کا بہت شوق تھا مگر آپ نے فرمایا: عورت کے

{1} صحیح الجامع الصغیر: 708/2، حدیث: 3799، الصحیحۃ: 1326،

{2} تفہیم القرآن: 393/3،

لئے مسجد سے بہتر اس کے گھر کا صحن ہے اور صحن سے بہتر برآمدہ ہے اور برآمدے سے بہتر گھر کا کوئی اندھیرا کونہ ہے۔ ام حمید رضی اللہ عنہا نے ایسا ہی کیا انہوں نے گھر کے ایک کونے کو مسجد بنالیا۔ {1} ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الاصابۃ میں لکھتے ہیں: کہ ان کا جنازہ بھی اسی کونے سے اٹھا، ذرا غور کریں۔ جو دین عبادت کے لئے مرد اور عورت کا اختلاط برداشت نہ کرتا ہو آپ اس کے حلق میں کو ایجوکیشن کا زہر اتارنا چاہتے ہیں جو علم بذات خود زہر ہے۔

امہات المؤمنین جن کے ساتھ امتیوں کا نکاح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حرام قرار دے دیا گیا اور انہیں تمام مومنوں کی مائیں بنا دیا ان کے بارے میں سورۂ احزاب میں فرمایا کہ ان سے کوئی چیز مانگنی ہو یا کوئی بات کرنی ہو تو پردے کے پیچھے سے کرو تمہارے اور ان کے پاک رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ لوگوں کو اپنے لباس کا بہت خیال رہتا ہے کہ لباس میں کوئی داغ یا سلوٹ نہ ہو مگر اپنے دل کے بارے میں خیال نہیں آتا کہ اس پر کوئی داغ نہ لگ جائے۔ حالانکہ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ دل صاف ہو اور وہ اللہ کی بندگی کے لئے ہر دم تیار رہے۔ جس طرح بوتل کے اوپر کیف رکھ دینے کے بعد جو اس میں ڈالیں گے وہی بوتل میں جائے گا اس طرح کان اور آنکھیں بھی دو کیفیں ہیں جو اس میں ڈالیں گے وہی دل میں جائے گا۔ اچھی چیزیں دیکھیں اور سنیں گے تو دل کی کیفیت اچھی اور نیک ہوگی بری چیزیں مثلاً گانا سنیں گے اور ناچ دیکھیں گے تو دل فواحش کی طرف راغب ہوگا ایسی چیزیں دیکھ کر اور سن کر اگر کوئی کہے کہ بچے اور بچیاں ولی بن جائیں گی تو یہ خام خیالی ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نیکی کی راہ تنگ ہے اور یہ چڑھائی کا راستہ ہے اس لئے اس راستے پر چلنے والے تھوڑے ہیں اور برائی اور گناہ میں کشش ہے اور اس میں کوئی مشکل بھی نہیں اس لئے زیادہ لوگ اسی راستے پر چلنے والے ہیں۔ نیکی کے راستے پر چلنے کے لئے سالوں لگ جاتے ہیں اور برائی کی کھائی میں گرنے کے لئے ایک لمحہ درکار ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ غیرت مند ہے اور میں بھی غیرت مند ہوں! جب قرآن پاک کی یہ آیات نازل ہوئیں کہ خاوند اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگائے تو چار گواہ پیش کریں اور اگر گواہ نہ ملیں تو چار بار قسم کھائے اور پھر کہے کہ اگر میں جھوٹا بہتان لگاؤں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ خاوند کی اس شہادت پر بیوی کو سنگسار کر دیا جائے گا اگر بیوی یہی عمل دہرا دے تو پھر ان

{1} الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: 226/4، ام حمید

دونوں کے درمیان نکاح ختم ہو جائے گا اور پھر ساری زندگی دوبارہ نہیں ہو سکتا اسے لعان کہتے ہیں جب یہ آیات نازل ہوئیں تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا: کہ یا رسول اللہ اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے پیٹ پر پاؤں تو! میں گواہ تلاش کرنے کی بجائے فوراً ان دونوں کا سر اتار دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سعد خزرج کا سردار ہے واقعی بڑا غیرت مند ہے کھلم کھلا تو نہیں کہا لیکن اشارہ کر دیا کہ یہ عمل درست ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں بھی غیرت مند ہوں سعد بھی غیرت مند ہے اور اللہ تعالیٰ بھی غیرت مند ہے۔ غیرت کی وجہ سے ہی انسان انسان ہے ورنہ خنزیر ہے۔ غیرت کے نام پر قتل کرنا جائز ہے۔ کوئی بھی شخص کسی مرد اور عورت کو زنا کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اس کے لئے انہیں قتل کرنا جائز ہوگا اس کی کوئی سزا نہیں ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ((الحياء من الايمان)) ''کہ ایمان اور حیاء کو اللہ تعالیٰ نے اکٹھا کر دیا ہے۔ جب ان میں سے ایک اٹھ جاتا ہے تو دوسرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر فتح الباری رحمۃ اللہ علیہ میں کسی بزرگ کا قول لکھتے ہیں: کہ اس سے اتنا ڈرا جتنی تیری طاقت ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ساتھی اسحاق بن عمار سے کہا: جب تو گناہ کرتا ہے اور تیرا یہ خیال ہے کہ خدا تجھے دیکھتا نہیں۔ تب تو کافر ہے اور اگر تو کہتا ہے کہ خدا دیکھتا ہے تو تجھے اتنی بھی خدا سے شرم نہیں آئی جتنی اپنے دوست سے کرتا ہے کہ اس کی موجودگی میں گناہ نہیں کرتا۔ مبادا! میں اس کی نظروں سے نہ گر جاؤں۔

عبداللہ صالح رحمۃ اللہ علیہ نے اولاد کی تربیت کے حوالے سے ایک کتاب لکھی ہے اس کا نام تربیۃ الاطفال فی الاسلام ہے۔ اس میں بتایا ہے کس طرح بچوں کی تربیت کی جائے جس میں بچوں کی علمی عقلی اور جنسی تربیت کے بارے میں اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ چودہ سو سال میں اس بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

اس میں ایک ایسے شخص کا واقعہ بیان کیا ہے جس کی زندگی کا واحد مقصد عیاشی تھا اسے اس کے سوا کوئی کام نہ تھا کہ اپنی جنسی بھوک مٹائے۔ ایک دن یہی بھوک اسے ایک ہوٹل میں لے گئی جس میں اس طرح کا کام ہوتا تھا۔ ہوٹل والوں نے اسے ان لڑکیوں کی تصویروں کا البم پیش کیا جو اس کام کے لئے ہوٹل میں موجود تھیں ان تصویروں میں اس کی بیٹی کی تصویر بھی تھی جو کالج میں پڑھتی تھی۔ جب باپ نے بیٹی کی تصویر دیکھی تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے

اپنے اعصاب کو مضبوط کیا اور سوچا کہ میں حقیقت تک پہنچوں اس نے ہوٹل والوں سے کہا کہ مجھے یہ لڑکی درکار ہے۔ ہوٹل والوں نے کہا: کہ فلاں کمرے میں چلے جاؤ! جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کی بیٹی بنی سنوری بیٹھی تھی۔ بچی نے جب باپ کو سامنے دیکھا تو گھبرا گئی۔ باپ کی آنکھوں میں خون اتر آیا وہ بیٹی پر حملہ آور ہوا بچی وہاں سے دوڑی۔ درمیان میں کچھ لوگ آ گئے اور بچی وہاں سے بھاگ گئی اور دوبارہ نظر نہیں آئی۔ یہ جدید تہذیب کے بوئے ہوئے کانٹے ہیں یہاں غیرت اور حیاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سلیمان کا قول ہے جسے مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ سلیمان نے کہا: کہ تیرے گھر میں کوڑا لٹکتا رہے تا کہ گھر کا ہر فرد اس سے ڈرے کہ اگر ذرا بھی بے راہ روی اختیار کی تو کوڑا مجھ پر برسے گا۔

یہ کوئی طریقہ نہیں کہ بچے پیدا کئے اور انہیں سکولوں اور کالجوں میں داخل کروا دیا اور یہ پتہ نہ کیا کہ بچے کیا کرتے ہیں۔ ان کے دوست کیسے ہیں۔ اگر اسی طرح کا رویہ اختیار کیا تو معاشرہ جس طرح تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے یہ سب اس میں بہہ جائے گا اور روز قیامت تجھ سے تیری رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

اسلام اپنے ماننے والوں سے کس طرح کی غیرت کا تقاضا کرتا ہے اس کی ایک مثال کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ قاضی موسیٰ ابن اسحاق رے شہر کا جج تھا۔ ایک دن عدالت میں بیٹھا مقدمے سن رہا تھا ایک عورت یہ دعویٰ لے کر آئی کہ میرے خاوند نے میرا حق مہر پانچ دینار مقرر کیا تھا جو اس نے ادا نہیں کیا۔ قاضی نے خاوند سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں مہر ادا کر چکا ہوں قاضی نے اس سے کہا کہ گواہ پیش کرو! تو اس نے گواہ پیش کر دیئے۔ قاضی نے گواہ کو بلایا اور عورت سے کہا کہ چہرے سے پردہ ہٹا دو۔ تا کہ گواہ دیکھ سکے کہ یہ وہی عورت ہے جس کا مہر ادا کیا گیا۔ خاوند کی غیرت جاگی اس نے جج سے کہا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جج نے کہا کہ گواہ کے لئے لازم ہے کہ وہ تیری بیوی کو دیکھ کر تصدیق کرے کہ وہی عورت ہے۔ خاوند نے کہا کہ میں برداشت نہیں کر سکتا کہ غیر لوگ میری بیوی کا چہرہ دیکھیں۔ میں مہر ادا کر دوں گا بیوی نے جب اپنے خاوند کا رویہ دیکھا تو جج سے کہا کہ قاضی صاحب میں تمہیں گواہ بناتی ہوں کہ میں نے وہ مہر معاف کر دیا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تین آدمیوں کے لئے اللہ نے جنت حرام کر دی ہے:

(1) شرابی (2) ماں باپ کا نافرمان (3) ایسا بے غیرت آدمی جس کو علم ہو کہ اس کی ماں بہن یا بیٹی بدکار ہے اور وہ خاموش رہے۔"

عرب اسلام سے پہلے بھی عورت کی عزت کے بارے میں بہت غیرت مند تھے اور عورت کی خاطر قبیلوں کے قبیلے قتل کر دیتے۔ بچیوں کو مارنے کا رواج بھی اسی وجہ سے شروع ہوا تھا۔ ایک قبیلے کے سردار کی بیٹی دوسرے قبیلے والے اٹھا کر لے گئے اسی وجہ سے ان میں جنگ شروع ہو گئی اور پھر جب صلح ہوئی تو یہ طے پایا کہ جو اغوا شدہ عورتیں واپس اپنے قبیلے جانا چاہیں وہ چلی جائیں۔ سردار نے اپنی بچی سے کہا: کہ چلو! بیٹی نے بھری پنچائیت میں کہہ دیا کہ میں اسی مرد کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ سردار واپس آیا اور جتنی بھی بیٹیاں تھیں سب قتل کر دیں اور جو بعد میں پیدا ہوئیں وہ بھی قتل کر دیں۔ اسی طرح یہ طریقہ رائج ہو گیا۔

اگرچہ یہ کام غلط تھا مگر ان کی غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی تھی کہ دوبارہ اسی طرح کا کوئی واقعہ پیش آئے۔ لڑکی جب بالغ ہو جاتی تو گھر میں ایک پردہ لٹکا دیا جاتا جس میں وہ لڑکی رہتی وہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکتا۔ اس کی اس طرح حفاظت کی جاتی جس طرح موتی کی سیپ میں ہوتی ہے۔ اور جو لوگ یہ فلسفہ بگھارتے ہیں کہ لڑکے لڑکیوں کی مخلوط تعلیم ہونی چاہئے اس میں کچھ بھی حرج نہیں ہے اس سے وہ ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ اللہ ان کی اس بات کو نہیں مانتا کہ بے وقوف! تمہیں کیا علم کہ شیطان کس طرح تمہارے خون میں گردش کرتا ہے۔ میں تمہیں بنانے والا ہوں میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔

ذرا سورۃ احزاب کا مطالعہ کریں جس میں اس گھر کی بات ہو رہی ہے جس سے پاکیزہ گھرانا اس کائنات میں نہ تھا اور ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے زیادہ نیک اور اللہ سے ڈرنے والے لوگ اس دنیا میں اور نہ تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا گھر اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن اور آپ کی بیٹیوں کا ذکر ہے، حالانکہ وہ امت کی مائیں تھیں اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی ان کا کسی امتی سے نکاح نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی ایمان والا ان سے برائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

اللہ نے پردے کے احکامات کی ابتداء نبی کے گھر کی عورتوں سے کی ہے:

﴿ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ

وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾

"اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگار رہنا چاہتی ہو تو کسی اجنبی کے ساتھ نرم باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا روگ ہے کوئی امید نہ پیدا کرے اور ان سے دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھر میں ٹھہری رہو اور جس طرح پہلے جاہلیت کے دنوں میں لوگوں کا اظہار تجمل ہوتا تھا۔ اس طرح زینت نہ دکھاؤ اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو۔ اے پیغمبر کے اہل بیت خدا چاہتا ہے تم سے ناپاکی کا میل کچیل دور کر دے اور تمہیں بالکل صاف کر دے۔" [33/احزاب: 32,33]

اللہ نے اپنے رسول کی بیویوں سے کہہ دیا: تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری پوزیشن بہت نازک ہے۔ سب لوگوں کی نظر نبی کے گھر کی طرف ہے۔ اگر تم میں کوئی عیب پایا گیا تو سب بہانہ بنائیں گے کہ نبی کے اپنے گھر میں ایسا ہوتا ہے۔ اگر تمہارے دلوں میں خدا کا خوف ہے تو کسی کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات نہ کرو کیونکہ اگر کسی مرد کو عورت کی طرف سے نخرے کا اظہار محسوس ہو تو وہ امید لگا لیتا ہے کہ یہ شکار ہے۔ بات کرو تو شریف آدمیوں کی طرح تاکہ کسی کے دل میں امید پیدا ہی نہ ہو۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے گھر میں ٹکی رہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ دور جاہلیت والا زیب و زینت نہ کیا کرو۔

مگر ہم نے اپنی بیٹیوں کو گاڑیاں اور موبائل فون لے کر دیئے ہوئے ہیں۔ جس سے چاہیں بات کریں جہاں چاہیں جائیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ مگر ہمارے ہاں یہ ہو رہا ہے کہ ماں بیٹی بازار میں جاتی ہے تو ماں پردے میں ہوتی ہے اور بیٹی میک اپ کر کے ساتھ بے پردہ گھوم رہی ہوتی ہے حالانکہ ماں نہ بھی کرے تو حرج نہیں مگر بیٹی جسے اچھی طرح چادر میں چھپی ہونا چاہئے اس نے گلے میں دوپٹہ ڈال رکھا ہے۔ بازو اور پنڈلیاں ننگی ہیں اور لوگوں کو دعوت گناہ دیتی ہیں۔

اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: کہ "جو عورت اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہے وہ محرم کے بغیر سفر نہ کرے۔"

کسی نے قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اگر بوڑھی عورت بغیر محرم کے سفر کرے تو کیسا

ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کئی لوگ گری پڑی چیزیں اٹھانے والے بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ وہ بھی باز رہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ [33/احزاب: 33]

"کہ اس طرح نہ بناؤ سنگھار کرو جس طرح کفر کے زمانے میں عورتیں کیا کرتی تھیں۔"

(برج) عربی زبان میں ظہور کو کہتے ہیں جو بالکل واضح ہو۔ تبرج اس طرح کے کپڑے پہننا اور اس طرح کی چال اختیار کرنی کہ ہر بندے کو پتہ چلے کہ فلاں عورت جا رہی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اللہ پردے کا حکم کیوں دینا چاہتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ دیا: کہ اے نبی کے گھر والو! اللہ اس حکم سے یہ چاہتا ہے کہ تم پر کوئی گندگی نہ پڑے اور کوئی بدنامی نہ ہو اور اللہ تمہیں پاک کر دے اور اس طرح پاک کر دے جس طرح پاک کرنے کا حق ہے۔

اللہ نے بھی اس پر اتنا زور دیا ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بار بار سمجھایا ہے مگر ہمارے ہاں بے پردگی کی وبا بری طرح پھیل گئی ہے اور بہت کم لوگ اس سے محفوظ رہے ہیں ہماری حالت ایسی ہو گئی ہے۔ جیسی کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے مولانا روم لکھتے ہیں کہ ایک بھنگی بازار میں سے گزر رہا تھا جب وہ عطاروں کے بازار میں داخل ہوا تو گر کر بے ہوش ہو گیا۔ حکیم آ! اس نے کئی طرح کی خوشبوئیں سنگھائیں مگر اس کی بے ہوشی نہ ٹوٹی۔ اس کا ایک جاننے والا آیا اس نے نالی سے کسی برتن میں گندگی لی اور اس کو سنگھائی تو وہ فوراً ہوش میں آ گیا۔

یہی حالت ہماری ہو گئی ہے۔ ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں کہ جو برائیاں تھیں وہ ہمیں اچھائیاں نظر آتی ہیں۔ لوگ ایسے رشتے تلاش کرتے ہیں کہ لڑکی کا رنگ سفید ہو، پڑھی لکھی ہو، کردار اس کا جیسا بھی ہو ہمیں پرواہ نہیں ہوتی۔ جب انگریزی تعلیم ہندوستان میں آئی تو اقبال اس وقت سمجھ گئے تھے کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ حالانکہ وہ خود یہی تعلیم حاصل کر چکے تھے بلکہ اس میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی تھی۔ مگر وہ اس وباء سے اس لئے بچ گئے کہ ان کے دل میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم رچ بس گئی تھی وہ خود فرماتے ہیں:

سرمہ میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف
خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش افرنگ

فرمایا کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام آتش نمرود سے بچے تھے۔ اسی طرح اس آگ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔ حالانکہ وہاں جا کر سید زادے دہریئے ہو گئے تھے۔ تو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
قوم نے ڈھونڈھ لی فلاح کی راہ
یہ ڈرامہ دکھائے گا کیا سین
پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

اکبر الہ آبادی نے بھی یہی کہا تھا:

بے پردہ نظر آئیں جو چند بیبیاں
اکبر زمین میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے بیبیو پردہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اقبال نے بالکل درست علاج تجویز کیا ہے:

نہ پردہ نہ تعلیم نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد

﴿الرجال قوامون علی النساء﴾

"بچے اور عورتیں مرد کے ماتحت ہیں۔"

اور اس سے اس بارے میں پوچھ گچھ ہوگی اللہ کے دین کا یہ مطالبہ ہے کہ ان کی نگرانی کرو۔ مگر ہمارے ملک کی یہ حالت ہے جب بیگم رعنا لیاقت علی نے اپوا قائم کی تو کہا کہ اگر اس ملک میں شریعت قائم ہوئی تو سب سے پہلے پردہ پھاڑ کر میں باہر نکلوں گی۔

عیدین کے اجتماع میں عورتوں کی شرکت کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت تاکید کی۔ بلکہ یہاں تک کہا کہ جو عورتیں حالت ایام میں ہوں وہ بھی عیدگاہ میں آئیں۔ مگر نماز میں شریک نہ ہوں، کئی عورتوں نے کہا: کہ ہمارے پاس بڑی چادریں نہیں جس کو لپیٹ کر ہم آئیں تو آپ نے فرمایا: جس عورت کے پاس بھی چادر ہو وہ اپنی دوسری بہن کو اس میں لپیٹ کر لائے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ پردہ کن لوگوں سے کرنا ہے اور کن لوگوں سے نہیں کرنا وہ میں مرحلہ وار بیان کر دیتا ہوں۔

پردے کا پہلا مرحلہ

خاوند اور بیوی کے درمیان ہے ان دونوں کا آپس میں کوئی پردہ نہیں یہ سر سے پاؤں تک ایک دوسرے کیلئے حلال ہیں یہ کہنا کہ مرد عورت کی اور عورت مرد کی شرم گاہ نہیں دیکھ سکتا یا یہ کہ جماع روشنی میں نہیں کرنا چاہئے بالکل لغو بات ہے۔

امام ابن حزم لکھتے ہیں: مرد اپنی بیوی اور لونڈی جس سے جماع کرنا جائز ہے۔ اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھ سکتا ہے اور وہ عورتیں اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھ سکتی ہیں اور اس میں ذرہ برابر کراہت نہیں۔ {1}

اور جو احادیث ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول ﷺ نے کبھی میری شرم گاہ نہیں دیکھی۔ امام صاحب نے سب کا رد کیا ہے کہ ان کے تمام راوی مجہول اور جھوٹے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو ان میں آؤ! سوائے دو شرعی پابندیوں کے جن کو ہر شریف آدمی مانے گا۔

ایک ایام ماہواری میں عورت کے قریب نہیں جانا۔ اسے قرآن نے حرام کہا ہے۔ کیونکہ یہ سارے جسم کا فضلہ ہوتا ہے اور یہ اتنا زہر ہے کہ اس سے مرد کی شرم گاہیں ہی جھڑ جائیں۔ یورپ میں یہ امراض عام ہیں۔ دوسرا عورت کے پچھلے حصے یعنی دبر میں دخول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں اپنی طاقت ضائع کرنے کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے۔ باقی مرد عورت کے درمیان کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہدایہ جیسی فقہ کی کتاب میں ایسی روایات درج کی گئیں ہیں کہ مرد عورت ایک دوسرے کی شرم گاہ دیکھیں تو بچہ اندھا پیدا ہوگا یہ سب روایات غلط ہیں۔

پردے کا دوسرا مرحلہ

محرم رشتے داروں کے لئے ہے۔ جن سے شریعت میں نکاح حرام ہیں۔ جیسے باپ بھائی ماموں چچا وغیرہ ان کے سامنے اپنا چہرہ سر بازو اور پنڈلیاں ننگی رکھ سکتی ہے۔

فتح الباری میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: محرم رشتے داروں سے شریعت نے اتنی پابندی لگائی ہے کہ سینے سے اوپر اور گھٹنوں کے نیچے دیکھ سکتا ہے اور جائز ہے البتہ شہوت کی نظر سے نہ دیکھے۔ اس نظر سے تو باپ کے لئے بھی جائز نہیں ہے۔

{1} اس کے لئے آپ (المحلی: 10/33) دیکھیں

پردے کا تیسرا مرحلہ

ان لوگوں کا ہے جو نامحرم ہیں۔ جیسے دیور، جیٹھ، کزن بہنوئی اور دوست جو آپ کے گھر آتے جاتے ہیں اس کا فیصلہ خود گھر والوں نے کرنا ہے کہ کس کو آپ قابل اعتماد سمجھتے ہیں۔ جس کا آپ کے گھر آنا مناسب ہے۔ دیور جیٹھ اور کزن بھی ناقابل ہوسکتا ہے اور آپ کا دوست یا ملنے والا قابل اعتماد ہوسکتا ہے۔

یہ دیکھنا گھر والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ خود اس بات کا فیصلہ کرے کہ میں نے کس کو اپنے گھر آنے کی اجازت دینی ہے اور کسے بیٹھک تک محدود رکھنا ہے۔ جسے گھر آنے کی اجازت ہوگی اس کے سامنے عورت صرف چہرہ اور ہاتھ ننگے رکھ سکتی ہے۔

قرآن نے کہا ہے: کہ ﴿إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ صحابہ نے اس کی تفسیر یہی کی ہے کہ گھر کے اندر ہاتھ اور چہرہ ننگے رکھے جاسکتے ہیں اگر گلے میں کوئی ہار وغیرہ پہننا ہے تو اسے چھپا کر رکھنا ہے۔ پاؤں میں پازیب پہنے ہوئے ہوں تو اس طرح چلے کہ اس سے جھنکار پیدا نہ ہو، اور گھر آنے والے کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ وہ دستک دے کر گھر میں داخل ہو۔ اور اپنی نگاہیں نیچی رکھے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہر وقت رہنا چاہئے۔

اس سلسلہ میں ایک اور مسئلہ بھی ہے کہ دیور اور جیٹھ سے چہرہ چھپایا جائے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دیور موت ہے'' یہ حدیث کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ''کوئی غیر محرم کسی عورت کے پاس رات نہ گزارے اور نہ ہی تنہائی میں بیٹھے۔ کیونکہ ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ اس وقت لوگوں نے پوچھا دیور کے ساتھ تو آپ نے جواب دیا دیور تو موت ہے۔'' {1}

اس میں پردے کی بات نہیں ہے۔ بلکہ تنہائی میں دونوں کے بیٹھنے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ انسانوں نے مل جل کر رہنا ہے اس میں اس حد تک ہی پابندی لگائی جاسکتی ہے جہاں تک عمل ہوسکے۔ دیور اور جیٹھ تو قریبی رشتہ دار ہیں۔ قرآن میں تو غلاموں کے سامنے بھی چہرہ اور ہاتھ ننگے رکھنے کی اجازت ہے۔ حالانکہ غلام کو آزاد کر کے اس سے نکاح ہوسکتا ہے۔

رسول ﷺ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے تو وہ پریشانی کے عالم میں اپنی چھوٹی سے چادر سے

{1} فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب النکاح باب لایخلون رجل بامراۃ الا ذو محرم والدخول علی المغیبۃ: 9/330، ح: 5232، ح5232، 5233،

سر ڈھانپتی تو پاؤں ننگے ہو جاتے پاؤں ڈھانپتی تو سر ننگا ہو جاتا۔ آپ نے فرمایا: فاطمہ! کیوں پریشان ہوتی ہو یہاں تمہارا باپ ہے یا تیرا غلام ہے۔ [1]

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام ذکوان سے کہہ دیا تھا کہ جب مجھے لحد میں اتار کر مٹی ڈال دی جائے گی تو تو آزاد ہو گا آپ اس سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ [2]

پردے کا چوتھا مرحلہ

گھر سے باہر کا ہے کہ جب عورت گھر سے باہر نکلے تو اس وقت کیسا پردہ کرنا ہے، سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [33/احزاب:59]

''اے نبی اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلو تو اپنے چہروں پر چادر لٹکا کر گھونگٹ نکال لیا کرو یہ امر ان کے لئے موجب شناخت و امتیاز ہو گا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس سے مراد بڑی چادر ہے اسے چہرے پر اس طرح لٹکائے کہ اس سے چہرہ اور ایک آنکھ چھپ جائے۔ آنکھیں نیچی رکھو تا کہ نہ تم کسی کو دیکھو اور نہ تمہیں کوئی دیکھے۔ آنکھوں کی حفاظت بہت ضروری ہے کیونکہ سب سے پہلے نظر ہی گمراہ ہوتی ہے۔

كل الحوادث مبدأها من النظر
ومعظم النار من مستصغر الشرر
والمرء مادام ذاعين يقلبها
فی اعين العين موقوف على النظر

''کہ چھوٹی چھوٹی چنگاریوں سے الاؤ جل اٹھتے ہیں اور سب خرابیوں کی جڑ نظر ہے۔ جو خوبصورت عورتوں کو دیکھتا رہتا ہے، وہ ہر وقت تباہی کے

[1] سنن ابوداود: 6/59، ح 3947،
[2] سنن نسائی: 2/72، باب مع المراۃ راسھا

کنارے کھڑا ہے۔ ایک تیر جو کمان سے چلتا ہے تو کمان نظر آتی ہے۔ مگر نظر ایسا تیر ہے جس میں کمان نظر نہیں آتی۔''

جس طرح صحیح دین کا دوسرے لوگوں تک پہنچانا عالم کی ذمہ داری ہے اسی طرح غلط باتوں اور مسائل کا رد کرنا بھی عالم دین کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ خاص کر جب معاملہ حدیث رسول کا ہو کیونکہ دینی معاملات میں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے لفظ نکل گیا وہ دین ہے۔ حدیث رسول کے بغیر ہم قرآن پاک سمجھ نہیں سکتے اس لئے اس کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔

اسی لئے دشمنان اسلام نے سب سے زیادہ ملاوٹ احادیث رسول میں ہی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انوار کی بارش کرے محدثین کی قبروں پر جنہوں نے اسی وقت اس کی اہمیت کو سمجھا اور راویوں کی چھان پھٹک کی اور اس کے بارے میں کتابیں مرتب کیں جن میں تمام راویوں کے حالات اور ان کے حافظے کی کیفیت درج کی، بلکہ یہاں تک کھوج لگایا کہ روایت کرنے والے راویوں کی ایک دوسرے سے ملاقات بھی ہوئی ہے یا نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بھی پتہ کیا کہ جب بدقسمتی سے دو مسلمانوں کے گروہوں میں جنگیں ہوئیں تو جو ان کے تناظر میں روایات ہیں وہ بیان کرنے والا ان دو پارٹیوں سے تعلق تو نہیں رکھتا۔ جس محنت اور ذمہ داری سے یہ علم مدون ہوا ہے شاید ہی دنیا میں کسی اور علم کے لئے اتنی محنت ہوئی ہو۔ اس کے باوجود جو لوگ احادیث کی مخالفت کرتے ہیں یعنی منکرین حدیث چاند پر تھوکتے ہیں۔ یہ عالم کی ذمہ داری ہے کہ وہ حدیث بیان کرنے سے پہلے اسے پرکھے۔

کیونکہ اس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت وعید سنائی ہے کہ جو بھی کوئی ایسی بات بیان کرے گا جو میں نے نہیں کہی اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ [1]

میں جس طرح صحیح دین کی اشاعت اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں اسی طرح ضعیف اور جھوٹی حدیث کا رد بھی میرا مشن ہے اور مجھے اس سلسلہ میں کسی بھی ملامت کی پرواہ نہیں ہے۔ پردے کے سلسلے میں جو جھوٹی روایات بیان کی جاتی ہیں میں اس موقعہ پر اس کا ذکر بھی کر دوں۔

اس سلسلہ میں جو پہلی روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھنے والے پر اور جس کو دیکھا جا رہا ہے دونوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ یہ روایت جعلی اور من گھڑت ہے جو کوئی اسے منبر رسول

[1] صحیح الجامع الصغیر: 2/111، حدیث: 6519، صحیح بخاری کتاب العلم باب من کذب علی النبی ص: 29، ح: 109،

سے بیان کرتا ہے وہ ظلم عظیم کا مرتکب ہوتا ہے۔ کوئی اس پر عمل کرے یا نہ کرے لیکن بیان کرنے والے کا ایمان ضائع ہو جائے گا۔ [1]

اس سلسلے میں ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس نے کسی عورت کو دیکھا اور پھر نظر کو روک لیا۔ اللہ تعالیٰ اسے نیکی کی ایسی لذت دیتا ہے جس کا مزہ وہ دنیا میں ہی پاتا ہے" یہ بات تو صحیح ہے مگر روایت جھوٹی ہے۔ [2]

ایک اور روایت بیان کی جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو بیویاں حضرت میمونہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں ایک نابینا صحابی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن سے کہا کہ پردہ کرو! انہوں نے کہا کہ یہ تو نابینا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم تو نابینا نہیں ہو۔ اس میں بھی مجہول راوی ہیں۔ [3]

ہمیں ضعیف روایت سے استدلال کا کوئی حق نہیں۔ کسوٹی موجود ہے اس پر روایت کو پرکھیں۔ صحیح احادیث ہی اتنی ہیں کہ ہماری ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ ہمیں قطعاً غلط روایات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس منبر سے بھی جھوٹی روایات بیان ہوتی ہیں وہ قابل مذمت ہے اور سزا کے لائق ہے۔ تفسیر ابن کثیر میں یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "نظر شیطان کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔" [4]

بات بالکل درست ہے۔ نظر کی بہت سی خرابیاں ہیں مگر یہ روایت جھوٹی ہے اس میں بہت سے راوی متروک ہیں۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن اسحاق جس سے محدثین حدیث نہیں لیتے۔ ہمیں دین میں وہی بات لینی چاہئے جس کی بنیاد مضبوط ہو۔

پردے کے سلسلے میں ایک غلط فہمی جو سورۂ نور اور سورۂ احزاب کی آیات سے ہوتی ہے کہ دونوں آیات میں جو ٹکراؤ نظر آتا ہے یا اس سے لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ چہرے کا پردہ لازمی نہیں ہے وہ ان آیات کو سیاق وسباق کے بغیر پڑھنے کی وجہ سے ہوتا ہے اسی وجہ سے بہت سے علماء اور ائمہ غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ رحمت کرے مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا امین

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ المصابیح لملا علی قاری

[2] تفہیم القرآن:3/380، تفسیر ابن کثیر:3/282،

[3] مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب النکاح باب النظر الی المخطوبۃ وبیان العورات:3/11، ح:3116، تنقیح الرواۃ:3/7، ضعیف ترمذی 333، ضعیف ابوداؤد ص:408،

[4] تفسیر ابن کثیر:3/282، سورۃ النور

احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ انہوں نے اسے صحیح طور پر سمجھ کر بیان کیا۔

سورۂ نور کی ان آیات کا مطالعہ کریں جہاں سے اس بات کا آغاز ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے (28) ہاں اگر تم ایسے مکان میں جاؤ جس میں کوئی نہ بستا ہو اس میں تمہارا اسباب وغیرہ رکھا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے (29) مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش یعنی زیور کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو ان سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی ہی قسم کی عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں اور ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں غرض ان لوگوں کے سوا کسی پر اپنی زینت اور سنگھار کے مقامات ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں ایسے طور پر زمین پر نہ ماریں کہ جھنکار کانوں میں پہنچے اور ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔"

آپ غور کریں اس میں کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینے سے بات کا آغاز ہوتا ہے۔ مردوں سے کہا گیا ہے کہ وہ اجازت لے کر کسی کے گھر میں داخل ہوں۔ اپنی نظروں کو نیچا رکھیں اور اپنے آپ کو شہوانی خیالات سے محفوظ رکھیں۔ اس کے بعد عورتوں سے خطاب کیا وہ اپنی چادریں وغیرہ سینے پر درست کر کے اوڑھ لیں وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور چلیں تو پاؤں کو زمین پر زور سے نہ ماریں تا کہ اگر پازیب وغیرہ پہن رکھی ہوں تو جھنکار پیدا نہ ہو۔ اس کے بعد ان رشتہ داروں کا ذکر ہے جن سے عورتوں کا ہر وقت واسطہ پڑتا ہے خاوند باپ خسر بیٹوں سوتیلے بیٹوں بھائیوں، بھانجوں، بھتیجوں دوسری عورتوں غلاموں لونڈیوں اور ایسے ملازم جن

کو عورتوں کی خواہش نہ ہو اور بچوں کے سامنے اپنی زینت کے مقامات ظاہر کئے جاسکتے ہیں۔

اس میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن سے عورت کو ہر وقت گھر میں واسطہ پڑتا ہے ان سے پردہ ممکن نہیں ہے۔ اس آیت سے عورت کے گھر سے باہر نکلنے والے پردے کا استدلال کرنا انتہائی غلطی ہے۔ ان آیات کو پڑھنے سے صاف پتا چلتا ہے کہ یہ گھر کے پردے سے متعلق ہے۔

جہاں تک عورت کے گھر سے باہر نکلنے کا مسئلہ ہے اسے سورۂ احزاب میں بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اے نبی اپنی بیویوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ باہر نکلو تو اپنے چہروں پر چادر لٹکا کر گھونگٹ نکال لیا کریں۔ یہ امران کے لئے موجب شناخت و امتیاز ہوگا تو کوئی ان کو ایذاء نہ دے گا اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس آیت میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ جب عورتیں گھر سے باہر نکلا کریں تو چہرے پر چادر سے گھونگٹ نکال لیا کریں۔

آخر میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام جو انہوں نے مسلمان عورت کو دیا ہے:

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

کہ تو فاطمہ رضی اللہ عنہا بن جا! اور زمانے کی نگاہوں سے چھپ کر رہ۔ پھر تیری کوکھ سے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جنم لیں گے۔ جس طرح وہ جنت کی عورتوں کی سردار بن گئی وہ تیرے لئے مشعل راہ ہے۔

دین کی کچھ باتوں کو ماننا اور کچھ کو نہ ماننا

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ [28/قصص:86]

''اور تمہیں ہرگز امید نہ تھی کہ تم پر کتاب نازل ہوگی مگر تمہارے رب کی مہربانی سے نازل ہوئی پس تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا۔''

مسلمانوں کی خوش عقیدگی کی وجہ سے اسلام صدیوں سے اعتراضات کی زد میں ہے۔ خاص کر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ایسی باتیں ہماری کتابوں میں درج کر دی گئی ہیں۔ شان رسول کے پردے میں ایسا زہر ہمارے ذہنوں میں انڈیلا گیا ہے کہ اب اس کے خلاف ذرہ سی بات بھی ہم برداشت نہیں کرتے۔ خاص طور پر بعثت سے پہلے کے جو واقعات سیرت کی کتابوں میں شامل کئے گئے ہیں اس وجہ سے کفار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرتے ہیں۔

سیرت کی کتب میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے ہی معجزات کا ایسا سلسلہ شروع کیا گیا ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو حوریں آ گئیں، حلیمہ سعدیہ کی بکریوں کا دودھ بڑھ گیا، وہاں آپ کا شق صدر کیا گیا، جب ابو طالب کے ساتھ شام گئے تو راستے میں ایک عیسائی راہب بحیرہ سے ملاقات ہوئی جس نے آپ کے نبی ہونے کی پیشین گوئی کی، درخت آپ کو سلام کرتے تھے، بادلوں نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا وغیرہ۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ سامان تجارت لے کر گئے تو راستے میں کئی ایسے واقعات پیش آئے۔ آپ ایک درخت کے سائے میں بیٹھے تو ایک عیسائی راہب نے کہا کہ اس درخت کے نیچے آج تک صرف نبی ہی بیٹھے ہیں۔ کتب سیرت میں معجزات کا لا متناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بعثت سے پہلے ہی عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور نبوت کا غلغلہ تھا۔ حالانکہ یہ باتیں قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اس مضمون کے آغاز میں سورۂ قصص کی جو آیت درج کی گئی ہے اس میں اللہ فرماتا ہے: کہ ''تمہیں ہرگز امید نہ تھی کہ تم پر کتاب نازل ہوگی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس سال تک کوئی ایسی بات نہ کی جس میں کوئی اس بات کا شا
ہوتا کہ آپ کوئی دعویٰ کرنے والے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کبھی کتاب کی بات کی نہ نبوت کی
اور نہ دین کی۔ کفار یہی بات تو کہتے ہیں: کہ نعوذ باللہ! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی منصوبہ بنا رکھا تھا
اس کے لئے مدت تک تیاری کرتے رہے۔ پھر جب حالات سازگار دیکھے تو نبوت کا دعویٰ کر دیا۔
اللہ نے قرآن پاک میں اس کا یوں رد فرمایا ہے۔

﴿ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ ﴾ [28/قصص:86]

''اور تمہیں ہرگز امید نہ تھی کہ تم پر کتاب نازل ہوگی۔''

آپ قرآن پاک کا کوئی سا ترجمہ بھی دیکھ لیں اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ یہ تو اللہ نے تم پر رحمت کی کہ تمہیں یہ بلند مرتبہ عطا کیا۔ تم نے یہ نبوت کوئی مانگ کر نہیں لی ہے۔ اس لئے کفار کی کوئی بات نہیں ماننی۔ جس نے تمہیں یہ شان دی ہے وہی تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

یہ آیت اللہ نے اس وقت نازل کی جب اسلام کی روز افزوں ترقی دیکھ کر مشرکین مکہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مصالحت کی پیشکش کی۔ اس وقت اللہ نے فرمایا: تمہیں یہ کتاب اللہ نے دی ہے وہی تمہاری حفاظت کرے گا تم ہرگز کفار کی بات نہ ماننا۔

قیام پاکستان سے پہلے کا بہت مشہور واقعہ ہے کہ لاہور میں ایک ہندو راجپال نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں الزامات لگائے کہ وہ عیاش شخص تھا۔ اس واقعہ پر بہت طوفان اٹھا۔ غازی علم دین شہید نے اسے جہنم واصل کر دیا۔ اس کا مقدمہ جب ہائی کورٹ میں گیا تو مسلمان وکلاء نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ راجپال نے اشتعال انگیز کتاب لکھی جس سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہوئے۔ اسی اشتعال میں غازی علم دین نے راجپال کو قتل کیا ہے۔ قانون میں یہ بات موجود ہے کہ مذہبی اشتعال میں اگر کوئی قتل کر دے تو اسے سزائے موت نہ دی جائے۔

ہندو وکلاء نے اس کے جواب میں جج کے سامنے کتابوں کا انبار لگا دیا کہ یہ سب مسلمانوں ہی کی کتب ہیں۔ انہوں نے یہ باتیں خود ہی لکھی ہیں۔ راجپال نے تو اسے اکٹھا کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کر دیا ہے کہ تمہارے نبی کی اصل تصویر یہ ہے۔ مسلمان وکلاء کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے علم دین کو سزائے موت ہوگئی۔

یہ سب باتیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بڑھانے کے لئے لکھی گئیں تھیں۔ جس نے اسلام کا منہ

سیاہ کیا۔ حالانکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ لاکھوں انسانوں کو قرآن کے متحرک قالب میں ڈھالنا تھا۔ ویسے بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کے اتنے سچے معجزات موجود ہیں کہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان بڑھانے کے لئے کسی مصنوعی سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔

سورہ شوریٰ میں اللہ فرماتا ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ط مَا كُنْتَ تَدْرِيْ
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِنَا ط وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ [42/شوری:52]

''اور ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے قرآن پاک بھیجا ہے حالانکہ نہ تم کتاب کو جانتے تھے اور نہ ہی ایمان کو لیکن ہم نے اسے نور بنایا ہے کہ اس سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں بے شک تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔''

اس آیت میں اللہ نے یہی بات بیان فرمائی تم نہ تو کتاب کے بارے میں کچھ جانتے تھے اور نہ تمہیں ایمان کے بارے میں کچھ علم تھا یہ تو ہم نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے تمہیں تعلیم دی جس سے تم لوگوں کو سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

اسی طرح سورہ یونس میں ارشاد ہے:

﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ
فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ، اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ [10/یونس:16]

''یہ بھی کہہ دو اگر اللہ نہ چاہتا تو میں نہ یہ کتاب پڑھ کر تم کو سناتا اور نہ وہی تمہیں اس سے واقف کرتا میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں اور کبھی ایک کلمہ بھی اس طرح کا نہیں کہا۔ بھلا تم یہ بات سمجھتے کیوں نہیں۔''

اس آیت میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی بات، کہی کہ اگر تم یہ کہتے ہو کہ میں اپنی طرف سے یہ باتیں کہتا ہوں تو میں نے اس سے پہلے بھی اتنی عمر تم میں گزاری ہے کیا تم نے اس طرح کا کلمہ میری زبان سے کبھی سنا تھا بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں قرآن پاک کی اتنی واضح آیات کے باوجود اگر کچھ لوگ غیر مستند روایات پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے متضاد کوئی بات کرتے ہیں تو انہیں اپنے ایمان

کی خیر منانی چاہئے۔دنیا کا یہ بھی دستور ہے کہ اگر ایک مسئلے میں دو ثبوت پیش کیے جائیں تو وہ ثبوت قابل قبول ہوگا جو زیادہ معتبر اور مستند ہوگا۔

حدیث کے بارے میں بھی علماء نے یہی بات طے کی ہی ہے۔قرآن پاک کے مقابلے میں کوئی بات پیش کرنا خواہ وہ حدیث ہی کیوں نہ ہو قابل قبول نہ ہوگی۔کیونکہ قرآن پاک جس تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچا، حدیث پاک اس تواتر کے ساتھ نہیں پہنچی۔اس میں بہت سے راوی ہیں جنہوں نے یہ بات ایک دوسرے سے سن کر مرتب کرنے والوں تک پہنچائی۔اس بارے میں محدثین کرام نے تو بہت احتیاط برتی ہے۔مگر اس کے باوجود یہ قرآن پاک کی طرح متواتر اور قطعی نہیں ہے۔اس لئے قرآن پاک سے ٹکرانے والی کوئی بات قابل قبول نہ ہوگی۔

یہ بات طے ہے کہ رسول ﷺ کے پاس جب جبریل علیہ السلام آئے تو آپ کیلئے یہ بات بالکل نئی تھی۔آپ کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ آپ کو منصب نبوت پر سرفراز کیا جائے گا۔البتہ یہ بات درست ہے کہ آپ کی بعثت سے قبل جو زندگی گزری وہ پاکیزہ تھی۔لوگ آپ کی شرافت کے معترف تھے۔انہیں صادق اور امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

لیکن جب آپ کو اس منصب پر فائز کر دیا گیا تو اس کے بعد اللہ نے آپ کو اتنی ہمت اور ثابت قدمی بخشی کہ آپ اپنے موقف سے ذرا بھی پیچھے نہیں ہٹے۔لوگوں نے آپ کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا، آپ پر جادوگر ہونے کا الزام عائد کیا آپ پر اوجڑیاں پھینکیں، آپ کو پتھروں سے لہولہان کیا، آپ کے ساتھیوں کو تپتے کوئلوں پر لٹایا، آپ کے ساتھ جنگیں لڑیں، مگر آپ نے جو موقف اختیار کیا اس سے سر مو انحراف نہیں کیا۔آپ ﷺ نے جو قدم بھی اٹھایا ساری دنیا کے طوفان مل کر بھی اسے واپس لوٹا نہ سکے۔

یہ آپ کا ہی استقلال تھا کہ دس سال کی قلیل مدت میں پورا عرب اور یمن اس دریتیم کے زیر نگیں آ گیا جس نے اپنے وطن کو اس حال میں چھوڑا تھا کہ رات کی تاریکی میں صرف ایک ساتھی کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر مکہ سے نکلے تھے اور اللہ کے سوا کوئی ان کا حامی و مددگار نہ تھا۔یہ تمہید میں نے اس لئے باندھی ہے کہ قبل از نبوت رسول ﷺ کے بارے میں جس طرح کئی اور واقعات مشہور ہیں اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا افسانہ بھی ہے۔اس بارے میں کئی ایسی قابل اعتراض باتیں مشہور ہوگئی ہیں جس سے رسول اللہ کی پاکیزہ زندگی پر دھبہ لگنے کا اندیشہ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی شرح فتح الباری میں فاکہی [1] کی کتاب ''اخبار مکہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: رسول ﷺ اس وقت اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہتے تھے۔ایک دن آپ نے ابوطالب سے کہا: کہ چچا آپ اجازت دیں تو میں خدیجہ کے پاس جاؤں اور اس سے مال لے کر تجارت کے لیے جاؤں! چچا نے اجازت دی تو آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف گئے۔ابوطالب نے اپنی لونڈی کو اس کے پیچھے روانہ کیا اور ہدایت کی کہ خیال رکھنا خدیجہ محمد سے کیا کہتی ہے۔آپ جب خدیجہ کے گھر کے باہر پہنچے اور خدیجہ کو پیغام بھیجا تو وہ فوراً گھر سے باہر نکلی آپ کا ہاتھ تھاما اور آپ کو سینے کے ساتھ چمٹا لیا۔پھر کہنے لگی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں نے کسی غرض سے یہ فعل نہیں کیا سوائے اس کے کہ برکت حاصل کروں۔ [2]

یہ سب اس شخصیت کے بارے میں لکھا گیا جس نے نبوت کے بعد بھی عورتوں کے اصرار کے باوجود کسی عورت کا ہاتھ تھام کر بیعت نہیں لی۔صرف زبانی اقرار کرواتے۔خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا: کہ مجھے قوی امید ہے کہ تم ہی آخری نبی ہو! جب تمہیں منصب نبوت ملے تو میرے مرتبے کا خیال کرنا اور میرے اچھے سلوک کا جواب اچھائی سے دینا اور اس اللہ سے میرے لئے دعا کرنا جو تمہیں اس منصب پر فائز کرے گا۔رسول ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اگر میں وہی نبی ہوا تو تمہارے اس سلوک کو کبھی فراموش نہیں کروں گا۔اگر میں نبی نہ ہوا پھر بھی اللہ تمہارے اس عمل کو ضائع نہیں کرے گا۔

یہ روایت آپ نے ملاحظہ کی۔یہ اس ذخیرہ ہفوات میں سے ایک چھوٹا سا نمونہ ہے۔اللہ اس فاکہی پر اپنا غضب نازل کرے اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ پر رحم کرے۔کہ اس نے اس بلا سند روایت کو اپنی کتاب میں درج کیا۔قرآن پاک کہتا ہے: کہ ''تمہارے وہم وگمان میں نہ تھا کہ تم پر کوئی کتاب نازل ہوگی یا تم اس منصب پر سرفراز کیے جاؤ گے'' دوسرے، خدیجہ رضی اللہ عنہا کہہ رہی ہیں: کہ مجھے یقین ہے کہ تم ہی آخری نبی ہو۔خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کا یہ واقعہ جو کتاب میں درج ہے یہ شرافت اور پاکیزگی کی بنیادیں ہلا دینے والا ہے۔اس واقعہ کو امام طبری نے اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔ [3]

وہ لکھتے ہیں: حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا بہت مالدار عورت تھیں وہ مختلف لوگوں کے

[1] فہرست ابن ندیم میں فاکہی کے بارے میں لکھا ہے کہ مجھے اس نام کا کوئی آدمی نہیں ملا۔

[2] فتح الباری: 7/134، 135،

[3] ام الملوک میں ابن اسحاق کے حوالے سے تاریخ طبری (ص: 34، 35،)

ذریعے اپنا مال تجارت دوسرے ملکوں میں بھیجتیں اور ان کے ساتھ منافع کی شرح مقرر کر لیتیں۔ اس کے مطابق نفع ونقصان کا حساب کر لیتیں۔ قریش کے لوگوں کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ملی کہ محمد بہت سچا اور ایمان دار شخص ہے اور بہت اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے تو اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں! میں تمہیں دوسرے لوگوں سے زیادہ نفع دوں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے۔ خدیجہ کا غلام میسرہ بھی آپ کے ہمراہ تھا جب آپ شام پہنچے تو ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قریب ہی ایک عیسائی درویش کی خانقاہ تھی اس نے باہر نکل کر میسرہ سے پوچھا: جو شخص درخت کے نیچے بیٹھا ہے وہ کون ہے؟ میسرہ نے جواب دیا: وہ قریشی ہے اور مکہ کا رہنے والا ہے۔

راہب نے کہا: اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی شخص نہیں بیٹھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ مال جو آپ مکہ سے لائے تھے فروخت کیا اور وہاں سے مال تجارت خریدا اور قافلے کے ساتھ واپس آ گئے۔ میسرہ بیان کرتا ہے: کہ راستے میں جہاں دھوپ ہوتی تو دو فرشتے اپنے پروں کا سایہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیے رہتے۔ جب آپ مکہ واپس آئے جو مال شام سے لائے تھے اسے فروخت کیا تو اس میں سے دوگنا منافع ہوا۔

میسرہ نے واپس آ کر راہب کا قصہ اور فرشتوں کے سائے والا واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔ خدیجہ بہت معاملہ فہم اور جہاندیدہ عورت تھیں اس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا: کہ تم میرے قریبی خاندان سے تعلق رکھتے ہو اور قریش میں تمہاری بہت عزت ہے۔ ایماندار سچے اور اچھے اخلاق کے مالک ہو! میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔

اس وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا خاندانی طور پر بہت اعلیٰ تھیں۔ بہت مالدار تھیں۔ قریش کے بڑے بڑے سردار آپ سے شادی کرنے کے خواہش مند تھے۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کا پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا تو آپ نے اپنے چچا کو بتایا حمزہ رضی اللہ عنہ پیغام لے کر خدیجہ کے والد خویلد کے پاس گئے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی ہو گئی۔ یہ تمام واقعات بیان کرنے کے بعد ابن اسحٰق نے مسلمانوں پر رحم کیا کہ ساتھ ہی لکھ دیا۔ کہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں کوئی سند بیان نہیں کی۔

کچھ روایتوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ پیغام لے کر حضرت ابو طالب گئے اور انہوں نے آپ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پڑھایا اور اس موقعہ پر خطبہ بھی دیا اس طرح کے تمام واقعات بلا سند ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت سے پہلی زندگی کا کوئی بھی مستند ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ امام

طبری نے اس سلسلے میں ایک اور روایت بھی درج کی ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی بہت معزز اور مالدار عورت تھیں۔ مکہ کے بہت سے لوگ اس سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے لئے بہت مال خرچ کیا مگر خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ ہوا۔

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شادی کی بات چلی تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اندازہ تھا کہ میرا باپ اس شادی کے لئے رضامند نہیں ہوگا۔ اتنے سرداروں کے مقابلے میں وہ ایک یتیم اور بے آسرا شخص کے ساتھ شادی کی اجازت نہیں دے گا۔ اس لئے اس نے اپنے باپ خویلد کو بہت سی شراب پلا دی جس سے وہ مدہوش ہو گیا۔ خدیجہ نے ایک گائے ذبح کروائی کھانے تیار کروائے۔ اپنے باپ کو یمنی چادریں اوڑھا کر خوشبوئیں لگا دیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھجوا دیا کہ اپنے چچاؤں کو لے کر آ جاؤ۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے چچا آ گئے تو باپ کی مدہوشی میں ہی نکاح پڑھوا لیا۔ جب خویلد کو ہوش آیا تو اس نے پوچھا: کہ کیا معاملہ ہے؟ خدیجہ نے کہا کہ تم نے میرا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔ خویلد نے کہا: کہ یہ بات غلط ہے میں نے تمہارا نکاح نہیں کیا اور نہ ہی میں یہ نکاح کرنے کے حق میں ہوں۔ میں نے تو بڑے بڑے قریشی سرداروں کے پیغام رد کر دیئے ہیں۔

اس روایت کا رد محمد بن عمر الواقدی (اسلامی تاریخ کا بہت بڑا عالم ہے اس کی تاریخ واقدی بہت مشہور ہے) نے کیا ہے۔ اس نے بہت سی حدیثوں کے حوالے دیئے ہیں۔ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابن ابی حبیبہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں ہیں جن کے مطابق خویلد کی وفات حرب فجار سے بھی پہلے ہو گئی تھی جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بیس برس تھی۔ خدیجہ کا نکاح اس کے چچا عمرو بن اسد نے کیا تھا۔

شیعوں نے اس شادی کے افسانے میں مزید رنگ بھرا اور انہوں نے لکھ دیا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی کے وقت کنواری تھیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ماں اور حسن وحسین کی نانی کسی اور گھر میں رہی ہو۔ ہم دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتے ہیں۔ جو بات ہمارے دل کو اچھی نہ لگی اس سے انکار کر دیا۔

جیسے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا۔ بلکہ چچا تھا حالانکہ قرآن پاک میں واضح ہے کہ ''ابراہیم کے باپ آزر نے کہا'' ''ابراہیم کے باپ آزر نے یوں کیا'' عربی میں چچا کے لئے عم کا لفظ موجود ہے۔ مگر پہلے اپنے دل میں یہ فلسفہ گھڑا کہ نبی اور امام کے ماں باپ کافر

نہیں ہوسکتے۔ اس کے بعد اس بات سے منکر ہو گئے کہ آزر ابراہیم کا باپ تھا۔ ایک شیعہ عالم نے تو یہ بھی لکھ دیا کہ میرا دل نہیں مانتا کہ آپ نے حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا۔ نبی کبھی کافر عورت کا دودھ نہیں پی سکتا۔

تنقیح المقال [1] میں جہاں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حالات لکھے ہیں۔ اس میں لکھا ہے: کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل پہلے دو شادیاں کر چکیں تھیں۔ ان کے پہلے خاوند عتیق تھے جس سے ان کے دو بچے تھے۔ دوسرے خاوند ابو ہالہ تھے جن سے ایک بچہ تھا۔ ابو ہالہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ جن سے چار بیٹیاں زینب رضی اللہ عنہا رقیہ رضی اللہ عنہا ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں اور دو بیٹے قاسم اور عبداللہ پیدا ہوئے۔ عبداللہ چونکہ نبوت کے اعلان کے بعد پیدا ہوئے اس لئے انہیں طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے۔

یہاں علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ شیعہ سنی دونوں گروہوں کی کتابوں میں یہ بات لکھی ہے: کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ زینب رضی اللہ عنہا کی شادی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہالہ کے بیٹے ابو العاص سے ہوئی تھی ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور رقیہ رضی اللہ عنہا باری باری عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں بیٹیوں نے اسلام قبول کیا اور آپ کے پاس رہیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بہت دکھ اور تکلیفیں برداشت کیں اور اپنی تمام دولت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نچھاور کر دی۔ انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ اس بارے میں تمام علماء متفق ہیں کہ سب سے پہلے خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی خدمت کی اسے آپ نے فراموش نہیں کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے رشتہ داروں اور سہیلیوں کو تحائف بھیجتے۔ ان کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا محل دیکھا جس میں نہ شور ہے اور نہ ہنگامہ ہے۔ ہر طرف سکون ہے یہ محل ایک بہت بڑے موتی پر مشتمل ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی محبت کا ایک واقعہ بیان کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ غزوہ بدر میں زینب رضی اللہ عنہا کے خاوند ابو العاص کفار کی طرف سے آئے تھے اور وہ بھی جنگی قیدیوں میں شامل تھے۔ جب یہ فیصلہ ہوا کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ابو العاص نے مکہ میں

[1] شیعوں کی اسماء الرجال کی کتاب ہے ص: 77،

زینب رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ رقم کا بندوبست کر کے بھیجو تاکہ مجھے رہائی ملے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے اپنا ہار بھیج دیا یہ ہار خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی زینب کو جہیز میں دیا تھا۔

جب ہار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ماضی کے تمام مناظر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آ گئے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میری خاطر کتنے دکھ اٹھائے میرے لئے کتنا ایثار کیا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام معاملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کیا کہ یہ ہار خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نشانی ہے جو اس نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا اگر یہ ہار تم رکھ لو تو یہ تمہارا حق ہے۔ اگر تم اسے واپس کر دو تو یہ اس عورت کی نشانی ہے جس نے اس وقت اسلام قبول کیا جب تمام دنیا نے مجھے جھٹلایا۔ اس نے اس وقت مجھ پر خرچ کیا جب میرے پاس کچھ نہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی یہ باتیں سن کر رونے لگے اور کہا: یارسول اللہ! آپ یہ ہار زینب کو واپس کر دیں۔ [1]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو العاص سے کہا کہ میں تمہیں رہا کرتا ہوں مگر تم زینب کو مدینے بھیج دو! اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو ساتھ روانہ کیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کو مکہ کے باہر ٹھہرایا۔ ابو العاص نے زینب رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کر کے اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ بھیج دیا کہ اسے مکہ کی حدود سے باہر چھوڑ آؤ۔ راستے میں جبار بن اسد نے انہیں گھیر لیا اور نیزہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پیٹ میں مارا جس سے ان کا بچہ ضائع ہو گیا اس صدمے سے بہت عرصہ تک آپ بیمار رہیں۔ [2]

فتح مکہ کے موقعہ پر یہی جبار بن اسد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اسے معاف کر دیا اور کہا کہ میں انتقام لینے نہیں آیا۔ بلکہ اللہ کا دین لے کر آیا ہوں۔ آپ نے بشر ہونے کے باوجود عفو و درگزر کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انسان اپنے دکھ اور تکلیفیں بھول جاتا ہے مگر کسی نے اولاد کو دکھ دیا ہو تو وہ نہیں بھولتا۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کر دیا کہ میں رحمۃ للعالمین ہوں! ایسے لوگوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے مخالفت میں انسانیت کو بھی فراموش کر دیا تھا۔

میں نے تاریخ میں سے چند نمونے پیش کیے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ کتابوں میں کیسے کیسے لغو واقعات درج ہیں۔ اس دور میں سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمیں اپنے

[1] الاصابۃ تمیز الصحابۃ: 91/4، ذکر من اسمہ زینب

[2] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ما جاء فی فضل زینب بنت رسول اللہ: 215/9، دار الکتب العلمیۃ

تمام علوم تفسیر احادیث اور تاریخ سیرت کی تطہیر کرنی چاہئے اور ایسے تمام واقعات مٹا دینے چاہئیں جو بغیر کسی سند کے صرف عقیدت کے جوش میں لکھے گئے ہیں اور کفار اسی بناء پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر اور اسلام پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

ان جھوٹے معجزات کے بغیر بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اتنے اعلیٰ اخلاق و کردار کا نمونہ ہے کہ انہیں بلندی کے لئے کسی مصنوعی اور جھوٹے سہارے کی ضرورت نہیں۔ آپ نے اپنے بلند اخلاق کے ذریعے دشمنوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا اور تیئیس (23) سال کی قلیل مدت میں اتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسے دھندلایا نہیں جا سکتا۔

کیا یہ معجزہ نہیں کہ فتح مکہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عفو و درگزر کا مظاہرہ کیا۔ اس کی ایک مثال جبار بن اسد کی اوپر پیش کی گئی۔ ایسے بے شمار واقعات اس موقع پر پیش آئے آپ نے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازشیں کی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگیں کی تھیں۔ آپ کے ساتھیوں کو تپتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا تھا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقعہ پر فرمایا: میں سب کو معاف کرتا ہوں آج کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ یہ سلوک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جو اپنے اعمال کی بناء پر گردن زدنی تھے۔ آج تک کسی فاتح نے مفتوح قوم کے ساتھ ایسا درگزر کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے!

دین ملا فی سبیل اللہ فساد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [5/المائدہ:13]

"ان کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا یہ لوگ کلمات کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی انہیں نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی ایک نہ ایک خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کو نظر انداز کرو اور ان سے درگزر کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔"

اس مضمون کے آغاز میں سورۃ مائدہ کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء کا ذکر کیا ہے۔ قرآن پاک میں مشرکین مکہ کے بعد سب سے زیادہ یہودیوں کا ذکر ملتا ہے۔ سورۃ بقرہ میں بہت سا حصہ بنی اسرائیل کے بارے میں ہے۔ قرآن پاک میں اور بھی کئی مقامات میں ان کا تذکرہ ملے گا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے دنیا کی امامت بنی اسرائیل کے پاس تھی۔ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ اسحٰق علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جتنے بھی انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھیجے ان کا تعلق اسی خاندان سے تھا۔

جس طرح اللہ نے بنی اسرائیل میں لگاتار نبی مبعوث فرمائے ان پر کتابیں اور صحائف نازل فرمائے، اسی طرح انہیں بے شمار نعمتوں سے بھی نوازا ان کے لئے سمندر میں راستے بنائے، پتھروں سے چشمے جاری فرمائے، صحراء میں ان پر بادلوں نے سایہ کیا، ان کے لئے من وسلویٰ اتارا اور آخر میں اتمام حجت کے لئے اپنی سب سے بڑی نشانی عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ کے پیدا کیا۔ انہوں نے ماں کی گود میں کلام کیا، مادر زاد اندھوں کو بینا کیا، کوڑھیوں کو تندرست کیا، مردوں کو زندہ کیا، لیکن بنی اسرائیل اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔

اللہ نے ان پر جو بے شمار فضل اور عنائتیں کیں عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اس کی یاد دہانی کروائی۔ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرایا مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوئے اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی اور سزا کے طور پر اس دنیا کی امامت بنی اسرائیل سے لے کر بنی اسمٰعیل میں منتقل کر دی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جرائم کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جو نصیحت کی تھی اسے فراموش کر دیا جس کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔ لعنت کوئی معمولی بات نہیں۔ اس دنیا میں اللہ کی طرف سے یہ سب سے بڑی سزا ہے جو کسی قوم یا فرد کو دی جاتی ہے۔ ان کے پاس اللہ کی کتاب تورات موجود تھی ان کے پاس فقہ کی کتابیں تھیں ان کے دینی مدرسے قائم تھے۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے وہاں بھی ان کے مدرسے تھے ان میں بے شمار عالم تھے لیکن اندر سے وہ بالکل کھوکھلے ہو چکے تھے۔ اللہ نے فرمایا کہ ان کی بری حرکتوں کی وجہ سے ان کے دل سخت کر دیئے گئے تھے۔ اللہ نے ان کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا کہ:

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾

''یہ لوگ کلمات کتاب کو ان کے مقامات سے بدل دیتے تھے۔''

اپنی مرضی سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیتے اور مسائل کی ایسی تاویل کرتے کہ اللہ اور اس کے رسول کا منشا تباہ ہو جاتا۔ اپنے مخالفین پہ کفر کے فتوے لگاتے۔ بدقسمتی سے مسلمان علماء بھی یہودی علماء کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت لوگوں کو خبردار کر دیا تھا کہ میری امت قدم بہ قدم وہ کام کرے گی جو یہود و نصاریٰ نے کئے تھے۔ دین اسلام کو سب سے زیادہ نقصان علماء نے پہنچایا۔ فرقہ پرستی کی جس لعنت میں مسلمان آج مبتلاء ہیں اس کے سب سے زیادہ ذمہ دار یہی علماء ہیں۔ انہوں نے تکفیر کا ایسا چکر چلا رکھا ہے کہ جو بھی ان کے نقطہ نظر سے اختلاف کرتا ہے اسے کافر قرار دے دیتے ہیں اور مخالفین کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دیتے ہیں جو انہوں نے نہیں کہی ہوتیں۔ ان کے دل سیاہ ہو چکے ہیں۔

ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے عیسیٰ نے فریسیوں اور احبار کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ تمہاری حالت اس قبر جیسی ہے، جس کے اوپر چونا گچ کیا ہوا ہے مگر اس کے اندر بدبودار ہڈیوں اور گوشت کی سڑاند کے سوا کچھ بھی نہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے درست فرمایا تھا۔

دینِ حق از کافری رسوا ترست
زاں کہ ملا مومنِ کافر گرست

''دین حق کفر سے بھی زیادہ رسوا اور بدنام ہو گیا ہے کہ ملا خود کو مومن سمجھتا ہے اور باقی سارے جہان کو کافر قرار دیتا ہے۔''

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف تو عالم کفر نے مسلمانوں پر یلغار کر رکھی ہے۔ انہوں نے ایک محاذ علمی سطح پر کھول رکھا ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے عقائد اور قرآن پاک پر اعتراضات کر کے انہیں تذبذب میں مبتلاء کرنا ہے تا کہ مسلمان اپنے دین کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں۔

دوسری طرف وہ مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی کر رہا ہے جس ملک کے بارے میں انہیں شک پڑتا ہے کہ یہاں سے اس کے خلاف مزاحمت ہو سکتی ہے اس ملک پر حملہ کر دیتا ہے۔ وہاں بلا تفریق مرد و زن بچوں اور بوڑھوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ عالم کفر نے تیسرا محاذ معاشی سطح پر کھول رکھا ہے کئی ملکوں کی معیشت کو قرضوں کی لعنت میں جکڑ رکھا ہے۔ جن ممالک کے پاس تیل یا دوسرے قدرتی وسائل ہیں وہاں انہوں نے اپنی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ذریعے تسلط جما رکھا ہے۔ موجودہ نازک حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے باہمی اختلافات ختم کر کے متحد ہو جائیں۔ جس طرح عالم کفر متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہے اسی طرح ہم بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح اس کے سامنے ڈٹ جائیں۔

لیکن بدقسمتی سے ہم نے خارجی حالات سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور اپنے آپس کے اختلافات اس سطح پر لے گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دیتے ہیں انہیں کافر قرار دے کر قتل کرتے ہیں اور اس فعل قبیح کے مرتکب ہو کر جنت کے طلب گار ہیں۔ مختلف مسالک کی تنظیمیں بنی ہوئی ہیں جنہیں دوسرے مسالک کے مذہب میں کیڑے نکالنے کے سوا کوئی کام نہیں، یہ ایسی بارودی سرنگیں بچھا رہے ہیں جن کے ہوتے ہوئے باہر سے کسی کو حملہ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم خود لڑ کر ایک دوسرے کو ختم کر دیں گے۔

اس سلسلے میں لاہور میں ایک تنظیم جمعیت اہل سنت کے نام سے بنی ہے انہوں نے ''حدیث اور اہل حدیث'' کے نام سے ایک کتاب چھاپی ہے۔ چھ سات سو صفحے کی اس کتاب میں

ایک طرف وہ حدیث لکھتا ہے اور دوسری طرف اہلحدیثوں کا عمل لکھتا ہے اس نے لکھا ہے کہ تم کس منہ سے اہل حدیث کہلواتے ہو! تمہارا عمل حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں درج اکثر حدیثیں من گھڑت یا ضعیف ہیں۔ علمی دیانت کا یہ حال ہے جس کتاب سے حدیث لی ہے اسی میں یہ بات لکھی ہے کہ یہ حدیث جھوٹی ہے۔ میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں دیوبندیوں کا مخالف ہوں یا اہلحدیثوں کا ترجمان ہوں! کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ کو بتایا جائے کہ علماء کس طرح دین اسلام کو برباد کر رہے ہیں۔

لیکن اس وقت میں جس کتاب کا محاسبہ کروں گا۔ اس کا نام ''حقیقۃ الفقہ'' ہے اس کے مصنف انگریزی دور کے اہلحدیث عالم محمد یوسف جے پوری ہیں۔ اسے فیصل آباد کے ایک ادارے مکتبہ اسلامیہ نے حال ہی میں شائع کیا ہے اور اس کے حواشی بھی لکھے ہیں۔ جیسا کہ میں نے حدیث اور اہل حدیث کے بارے میں کہا: جو ظلم اس نے کیا ویسا ہی قہر حقیقۃ الفقہ میں کیا گیا ہے۔ اس میں سوائے جھوٹ اور افتراء کے کچھ بھی نہیں ہے علماء کو اللہ کی عدالت میں جواب دہی کا ذرہ بھی احساس نہیں ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ بات سچ ثابت ہوئی کہ مسلمان وہ سب کچھ کریں گے جو یہود ونصاریٰ نے کیا تھا۔ [1]

حقیقۃ الفقہ میں درمختار، فتاوی شامی اور فتاویٰ عالمگیری وغیرہ کے پانچ سو مسائل دے کر ان کا پوسٹمارٹم کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں سوائے جھوٹ کے کچھ بھی نہیں ہے۔ ان علماء کی حالت وہی ہے جو اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے علماء اور صوفیاء کی بیان کی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [9/التوبہ:34]

''اہل کتاب کے بہت سے عالم اور درویش لوگوں کا مال ناحق کھاتے اور ان کو راہ خدا سے روکتے ہیں۔''

یہی حال ہمارے علماء کرام کا ہے کہ وہ لوگوں سے مدرسوں اور اداروں کے نام پر لاکھوں روپے بٹورتے ہیں، حکومت سے بھی امداد لیتے ہیں، اس رقم کو اپنی کاروں اور سیاست پہ خرچ کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ روپیہ دینی تبلیغ کی بجائے دین کی تخریب پر خرچ کرتے ہیں۔ آپ بہت

[1] صحیح الجامع الصغیر :903/2، ح:5063،

سے علماء کی تقریریں سنیں! ان کی زبانوں سے سانپ سے بھی خطرناک زہر ٹپکتا ہے۔ ان کی کتابیں پڑھیں تو اس میں سوائے الزام اور جوابی الزام کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ اسلام میں جو مختلف فرقے ہیں ان کی حیثیت سوائے سکول آف تھاٹ کے اور کچھ نہیں۔ لیکن علماء نے اسے میدان جنگ بنالیا ہے ورنہ یہ تمام فرقے جسم کے مختلف اعضاء کی طرح ہیں۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ معتزلی اور خارجی سب مسلمان ہیں۔ جو ان میں سے کسی کو کافر قرار دیتا ہے وہ اللہ اور رسول سے دشمنی کرتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر گروہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دل وجان سے فدا ہے۔

کافر کو اس بات کا احساس ہے اور وہ ان سب کو مسلمان ہی سمجھتا ہے۔ اسی لئے جب وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے تو نہیں دیکھتا کہ ان میں کون شیعہ ہے اور کون سنی؟ وہ ان سب کو امت محمدیہ کا فرد سمجھتے ہوئے یکساں سلوک کا مستحق گردانتا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ اپنے جسم کے مختلف اعضاء کو کاٹ کاٹ کر پھینک رہے ہیں ہم اتنے احمق ہیں کہ اسی شاخ کو کاٹ رہے ہیں جس پہ ہمارا آشیانہ ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی حالت زار کچھ یوں بیان کی ہے وہ چاند سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

فرقہ آرائی کی زنجیروں میں ہیں مسلم اسیر
اپنی آزادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زناری بھی دیکھ
کافروں کی مسلم آئینی کا بھی نظارہ کر
اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ عید کے چاند کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں: کہ مسلمان فرقہ پرستی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے تو آسمان پر آزاد طلوع ہوا ہے لیکن یہ مختلف گروہ بندیوں کا شکار ہے مسجد میں ہم ایک دوسرے کے ساتھ نمازیں نہیں پڑھتے مگر برہمن نے بتکدے میں اپنا جینو مضبوطی سے باندھ رکھا ہے کافر تمام مسلمانوں کو یکساں خطرناک سمجھتے ہیں لیکن مسلمان ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

ہاں! تو ذکر ہو رہا تھا حقیقۃ الفقہ کا اس کے 233 نمبر صفحہ پر مسئلہ نمبر 18 کے تحت لکھتے ہیں:

کہ در مختار میں لکھا ہے کہ سنیوں کا نکاح معتزلیوں سے جائز نہیں کیونکہ معتزلہ کافر ہیں۔ ہاں جو فقہی مسالک ہیں ان میں چند فروعی اختلافات ہیں کسی کے ساتھ بھی عقائد کا اختلاف نہیں ہے۔ معتزلہ اور اہل سنت کے درمیان عقائد کے اختلافات ہیں۔ ان میں بڑے بڑے عالم گزرے ہیں ان کی کتابیں تمام عالم اسلام میں پڑھی جاتی ہیں۔

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر الکشاف آج بھی اسی طرح پڑھی جاتی ہے۔ تمام گروہ مانتے ہیں کہ علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر میں قرآن پاک کی تفہیم کا حق ادا کر دیا ہے۔ علامہ زمخشری نے تمام عمر مکہ میں گزاری اور وہیں مدفون ہیں۔

آپ در مختار کی شرح رد المحتار دیکھیں: جسے عام طور پر فتاوٰی شامی کہا جاتا ہے۔ اس کے مصنف علامہ محمد امین شامی رحمۃ اللہ علیہ عثمانی سلطنت میں دمشق کے قاضی تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سنی عورت کا نکاح معتزلی عورت سے جائز ہے۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ((لا نکفر اهل القبله)) ''کہ ہم کسی بھی قبلہ رخ نماز پڑھنے والے کو کافر نہیں سمجھتے''۔ یہ علمی بددیانتی کی انتہا ہے جب کہ در مختار میں لکھا ہے کہ سنی کا نکاح معتزلی سے جائز ہے کیونکہ ہم انہیں کافر نہیں سمجھتے۔

لیکن صاحب حقیقۃ الفقہ نے لکھا کہ در مختار میں لکھا ہے کہ سنی عورت کا نکاح معتزلی سے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ کافر ہیں اس سے بڑی علمی خیانت اور کیا ہو سکتی ہے۔ کتاب میں کچھ لکھا ہے اعتراض کرنے والے نے کچھ بنا دیا۔ اس مضمون کے آغاز میں قرآن پاک کی جو آیات درج ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہودی علماء کا جو حال بیان کیا تھا کہ

﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾

''یہ لوگ کلمات کتاب کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں''۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی پاداش میں بنی اسرائیل پہ لعنت کی۔ اسی طرح مسلمانوں میں بھی جو عالم اس فعل قبیح کا مرتکب ہوگا وہ بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے غضب کا مستحق ہوگا۔ اس سلسلے میں میرا بھی وہی مسلک ہے۔ جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کافر نہیں سمجھتا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں فعل قول کا قائل کافر ہے۔ اس کی حیثیت صرف الزام کی ہے کہ ہم کہہ دیتے ہیں تمہاری بات سے کفر نکلتا ہے اس الزام سے وہ قطعاً کافر نہیں ہوتا۔ جس طرح بریلوی علماء اہلحدیث

حضرات کے بارے میں لکھتے رہے ہیں کہ یہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بڑا بھائی کہتے ہیں۔ یا انہوں نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر کر مٹی ہو گئے اس وجہ سے یہ کافر ہیں یہ صرف الزام ہے۔ ہاں! اگر ہم ان لیں کہ ہماری تحریر کا یہی مقصد ہے کہ ہم رسول کی توہین کریں تو ہم اسی وقت کافر ہو جائیں گے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ہم جو بحث مباحثے میں ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں کہ تمہاری بات سے کفر نکلتا ہے۔ اس کی حیثیت صرف الزام کی ہے۔ اس بات سے فریق مخالف کافر نہیں ہوتا۔ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں: ایک الزام اور دوسرا التزام۔ ہم اگر معتزلہ یا شیعہ کی کسی بات پر ان پر کفر کا الزام لگائیں تو اس سے وہ کافر نہیں ہوتے۔ ہاں! اگر ہم ان کی کسی بات سے جو نتائج اخذ کرتے ہیں اگر وہ اسے قبول کر لیں کہ ہاں! ہماری اس بات کا یہی مقصد ہے تو وہ کافر ہو جائیں گے۔

مثال کے طور پر اہل سنت کی طرف سے شیعوں پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ تحریف قرآن کے قائل ہیں۔ اس لئے وہ کافر ہیں اگر تو وہ اس الزام کو قبول کر لیں کہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ قرآن پاک میں تبدیلی ہوئی ہے یا کچھ آیات کتاب میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں تو وہ کافر ہوں گے۔ اگر وہ یہ کہیں جیسا وہ کہتے بھی ہیں کہ قرآن پاک کا موجودہ نسخہ بالکل وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترا اور ہم اسی قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس قرآن کی ہم تفسیریں لکھتے ہیں: اس سے ہمارا یہ الزام کہ تحریف قرآن پاک کے قائل ہیں باطل ہوگا اس سے شیعہ کافر نہیں ہوں گے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ معتزلہ کیونکہ تمام مسائل اسی قرآن اور حدیث سے اخذ کرتے ہیں ان سے فہم کا اختلاف ہو سکتا ہے لیکن وہ دلیل شرعی پیش کرتے ہیں اس وجہ سے وہ کافر نہیں۔ ہم ایسے شیعہ کو کافر سمجھتے ہیں جو یہ بات کہے: کہ علی رضی اللہ عنہ خدا ہے۔ یا یہ بات کہے: کہ نبی تو علی تھا مگر جبرائیل وحی غلطی سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لے گئے۔ یا یہ بات کہے: کہ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ قرآن پاک میں ہے: کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی ہیں۔ یا یہ الزام لگائے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے زنا کیا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے لوگ کافر ہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنے والوں کو شیعہ خود بھی کافر کہتے ہیں۔ شیعہ خود بھی یہ بات کہتے ہیں ایسا عقیدہ رکھنے والا اگر جسم سے چھو جائے تو جسم کا دھونا واجب ہو جاتا ہے ان لوگوں سے نکاح حرام ہے۔ خود شیعہ یہ بات کہتے ہیں: کہ نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہو سکتی۔ اگر نبی کی بیوی اس فعل بد کی مرتکب ہو گئی تو نبی کے پاس تبلیغ دین کے لئے کیا جواز رہ جاتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ لوگ اس لئے کافر ہیں کہ انہوں نے دین کی ان باتوں سے انکار کیا جن کا دین میں سے ہونا بغیر کسی شک وشبہ کے ہے جیسے کوئی آدمی خدا نہیں ہو سکتا جبرائیل علیہ السلام غلطی نہیں کرسکتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق پیغمبر ہیں اور علی رضی اللہ عنہ آپ کے امتی ہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے زنا نہیں کیا۔

اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے افضل ہیں خلافت ان کا حق تھا جسے ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے غصب کیا۔ یا صحابہ کو گالیاں دیتا ہے اس میں کفر کا کوئی شائبہ نہیں۔ ہاں وہ دین میں ایک نئی بات نکالتا ہے اور وہ غلط بات کہتا ہے انہیں صرف فاسق کہا جاسکتا ہے کہ وہ کسی نیک آدمی کو گالی دیتا ہے۔

حقیقۃ الفقہ میں ایک اور مسئلہ لکھا ہے اس کا نمبر 552 ہے یہ مسئلہ کتاب الشہادات فتاویٰ عالمگیری سے لیا ہے کہ اگر کوئی حنفی شافعی مذہب اختیار کرلے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے اس کے بعد بریکٹ میں طنز کے طور پر لکھا ہے: کہ

"مذہب تو چاروں حق ہیں پھر اتنی خفگی کیوں؟"

اسی طرح مسئلہ نمبر 520 میں لکھا ہے حنفی شافعی ہو جائے تو اسے تعزیر دی جائے (عالمگیری) اسلام میں کسی شخص کی گواہی رد ہونا بہت بڑی سزا ہے۔ اگر کوئی شخص عدالت میں گواہی کے لئے پیش ہو اور اس پر فریق مخالف اعتراض کردے کہ یہ شخص تارک نماز ہے یا شراب پیتا ہے اگر کسی ملک میں حنفی مذہب رائج ہو اور وہاں یہ اعتراض کردے کہ یہ حنفی سے شافعی ہو گیا ہے تو قاضی ایسے شخص کو مردود الشہادت قرار دے دے تو معاشرے میں اس کے منہ پر کالک پھر جائے گی کہ یہ شخص ناقابل اعتبار ہے عدالت اس کی گواہی قبول نہیں کرتی۔

یہ مسئلہ مولانا یوسف جے پوری صاحب نے اپنے طرف سے گھڑ لیا ہے حالانکہ وہاں یہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حنفی سے شافعی ہو جائے یا شافعی سے حنفی ہو جائے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی کیوں قبول نہ ہوگی یہ نہیں لکھا، فتاویٰ شامی چوتھی جلد صفحہ 424 میں اسے بیان کیا ہے۔ اس شخص کی گواہی قبول نہ ہوگی جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے نکل کر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کرے کیونکہ کسی عام آدمی کو یہ حق نہیں کہ وہ بغیر کسی تحقیق کے مذہب بدل لے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عام آدمی اگر شافعی سے حنفی ہو جائے یا حنفی سے شافعی ہو جائے دونوں صورتوں میں تعزیر کے لائق ہے۔ انہوں نے مثال دی ہے کہ اگر کوئی آدمی صرف کسی

خوبصورت عورت سے نکاح کے لئے حنفی سے شافعی ہو جائے اور وہ یہ بھی سمجھتا ہو کہ حنفی مذہب کے مسائل حق ہیں ایسا شخص ایمان سے خالی ہوگا۔ اگر ایسے مذاق کی اجازت دے دی جائے تو اس سے دین کا حلیہ بگڑ جائے گا۔ اگر کسی کا شطرنج کھیلنے کو دل چاہے تو کہہ دے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے جائز سمجھتے ہیں کوئی دلیل نہیں ملی صرف نفس کی خواہش پوری کرنے کے لئے مذہب بدل لے یا سہولت حاصل کرنے کے لئے آج ایک امام کا قول قبول کرلیا کل کوئی دوسرا مسئلہ آن پڑا تو کسی اور امام کا قول قبول کرلیا۔ اگر کسی کو اس طرح کی اجازت دے دی جائے تو دین تو مذاق بن کر رہ جائے گا۔

جس طرح آج کل فقہ حنفی کو ماننے والے تین طلاقیں دے کر اہلحدیثوں کے پاس آجاتے ہیں کہ ہمیں فتویٰ دے دیں کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہے۔ حالانکہ فتویٰ لینے والا اس وقت بھی فقہ حنفی کا پیرو ہوتا ہے بعد میں بھی اس پر عمل پیرا رہتا ہے۔ اسے استخفاف کہتے ہیں کہ کوئی تحقیق نہیں کی، محض اپنا الوسیدھا کرنے کے لئے کوئی دوسرا مسلک اختیار کرلیا۔ جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قے آجائے، خون بہہ جائے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ امام شافعی (رحمہ اللہ) کہتے ہیں: کہ اگر وضو کرنے کے بعد محرم عورت کے ننگے جسم کو چھو لے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس سہولت کے حصول کے لئے اگر کوئی روز اپنا مسلک بدلتا رہے تو اس طرح تو دین مذاق بن جائے گا۔ ایسا شخص واقعی لائق تعزیر ہے اگر عوام کو اس طرح کی چھٹی دے دی جائے تو دین کھیل بن کر رہ جائے گا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب السنن الکبریٰ کتاب الشھادۃ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے عباسی خلیفہ کو ایک کتاب لکھ کر پیش کی اس میں اسی طرح مختلف اماموں کے اقوال درج تھے۔ جیسے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کہ شطرنج کو جائز کہتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کی شراب جو اتنی مقدار میں ہو جس سے نشہ نہ ہو جائز سمجھتے تھے۔ لیکن ان کے شاگردوں نے ان کا قول رد کردیا۔ اس شخص نے ایسے ہی اقوال اکٹھے کرکے کتاب مرتب کی تھی۔ امام معصوم نہیں ہوتا ہر امام سے کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہوسکتی ہے۔

خلیفہ نے کتاب اس دور کے قاضی القضاۃ اور بہت بڑے عالم دین قاضی یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو دی کہ دیکھو: یہ کتاب کیسی ہے؟ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب دیکھ کر کہا: کہ

امیر المومنین! یہ شخص زندیق اور کافر ہے اس نے دین کا لبادہ اوڑھ کر دین کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک عالم نے کوئی مسئلہ غلط بیان کیا ہے وہ لے لیا دوسرے عالم نے اس مسئلہ کا رد کیا وہ قول نہیں لیا اس کا اسی طرح کا غلط قول لے لیا۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اگر آپ نے عالموں کی اس طرح کی غلطیاں اکٹھی کرنی شروع کر دیں تو آپ کے بے دین ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ مذہب تبدیل کرنے کا حق صرف عالم کو ہے کہ وہ اگر تحقیق کر کے کسی دوسرے مذہب کو حق سمجھے تو اسے اختیار کرلے عام آدمی کے پاس تو تحقیق کا کوئی ذریعہ ہے نہ اس میں اتنی استطاعت ہوتی ہے کہ مسئلوں کی جانچ پرکھ کر سکے۔ دلیل کی بنا پر ترک مذہب کوئی جرم نہیں۔ نفس کی خواہش کے لئے دوسرا مذہب اختیار کرنا قطعاً حرام ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: کہ ایسا شخص ائمہ اور مجتہدین کی برکت سے خالی رہ جائے گا۔ صفحہ نمبر 208 اور 209 میں اس بحث کا خلاصہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں: کسی شخص نے دوسرے عالم کی تحقیق اور دلیل دیکھ کر دوسرا مذہب اختیار کرلیا تو اس میں کوئی حرج نہیں اسے نہ ... کہا جائے گا نہ اس پر تعزیر ہوگی۔

تا تار خانیہ فتاوٰی میں امام ابوبکر جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے: کہ ان کے دور میں ایک حنفی عالم نے ایک شافعی سے اس کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا شافعی نے شرط عائد کی کہ اگر تم فاتحہ خلف الامام اور رفع الیدین شروع کر دو تو میں اپنی بیٹی کا رشتہ تمہیں دے دوں گا۔ اس حنفی عالم نے اس کی شرط تسلیم کرلی تو شافعی نے رشتہ دے دیا کسی شخص نے امام ابو بکر جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک حنفی عالم نے یہ شرط قبول کر کے شافعی سے بیٹی کا رشتہ لے لیا اب وہ رفع یدین تو کرتا ہے مگر دل سے ابھی تک حنفی مذہب کو درست سمجھتا ہے کیا ایسے شخص کا نکاح درست ہے۔

امام جوز جانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ سنا تو کافی دیر سوچ کر جواب دیا کہ اس کا نکاح تو جائز ہے کیونکہ وہ دونوں کلمہ گو ہیں۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ نزع کے وقت اس کا ایمان چھن جائے گا کیونکہ وہ دنیاوی لالچ کے لئے دین سے کھیل رہا ہے۔ یہ مذہب حنفی کو حق سمجھتا ہے مگر اس نے ایک ... عورت کے بوسے لینے کے لئے دوسرا مذہب اختیار کیا۔ ہاں! اگر کوئی عالموں سے دلائل سن کر مذہب بدل لے تو اس کا فعل احسن ہوگا اس پہ کوئی طعن نہیں۔ لیکن اگر اس نے دنیاوی لالچ یا شہوت کے لئے مذہب بدلا تو اس کی یہ حرکت انتہائی مذموم ہوگی اور وہ لائق تعزیر ہوگا ایسا شخص گنہ

گار ہے وہ جس مذہب میں بھی جائے اسے قبول نہ کیا جائے۔

اگر کوئی شخص بغیر کسی تحقیق یا دلیل کے دوسرا مذہب اختیار کرتا ہے تو اس نے دین کو معمولی چیز سمجھا، یاد رکھو! کہ عام آدمی کا کوئی مذہب نہیں ان کا مذہب وہی ہے جو ان کے مفتی کا ہے۔ مذہب ایسے شخص کا ہوتا ہے جس میں اتنی سوجھ بوجھ اور لیاقت ہو کہ تمام ائمہ کے اقوال دیکھ کر فیصلہ کر سکے کہ اس امام کی دلیل قوی ہے یا اگر وہ فقہ اور حدیث کی کتابیں پڑھ کر فیصلہ کر سکے۔ عام آدمی جس نے فقہ کی کوئی کتاب نہیں پڑھی حنفی یا شافعی کیسے بن سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے: کہ میں نحوی ہوں: اگر اس نے گرائمر پڑھی ہی نہیں تو نحوی کیسے ہوگیا۔

امام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہم نے اتنی لمبی بحث اس لئے کی ہے کہ کوئی نہ کہہ دے کہ حنفی متعصب ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حنفی شافعی ہو جائے تو وہ مردود الشہادت اور قابل تعزیر ہے۔ ہم نے کلیہ بیان کر دیا ہے کہ کوئی بھی عام آدمی بلا تحقیق اور دلیل مذہب بدلے وہ یکساں سلوک کا مستحق ہے۔ اس بحث کا یہ بھی مقصد ہے کہ کوئی بھی شخص اس طرح کا مسئلہ پڑھ کر یہ نہ کہہ دے: کہ حنفی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی توہین کرتے ہیں۔ کوئی عالم یہ تصور بھی نہیں کرسکتا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ یا کسی اور امام کے مذہب کی بے قدری کرے۔

اللہ تعالیٰ تمام ائمہ اور مجتہدین پر اپنی رحمتیں نازل کرے اور ہمیں ان کی محبت پہ زندہ رکھے اور ان کی محبت پہ موت آئے۔ میں نے اس تمام بحث کا خلاصہ یہاں نقل کر دیا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ ایسے لوگ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی قبروں پہ انوار کی بارش کرے۔

حدیث اور اہلحدیث لکھنے والے دیو بندی ہوں یا حقیقۃ الفقہ لکھنے والے اہلحدیث ہوں دونوں یکساں مردود ہیں۔ یہ دونوں کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں ان میں شائد ہی کوئی مسئلہ ہو جو درست ہو۔ ورنہ اس طرح کی کتابیں لکھنے والے دین اسلام اور پاکستان کے دشمن ہیں ایسے لوگ کفار کے ایجنٹ ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں مذہبی فسادات کی آگ بھڑکتی رہے۔ نام نہاد عالم اس طرح کی کتابیں لکھ کر اس آگ کے لئے ایندھن مہیا کرتے رہتے ہیں تاکہ پاکستان جو دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے امید کی کرن ہے اس میں استحکام نہ ہو۔

ایسی کتابیں لکھنے والوں میں زیادہ تعداد کانگرسی علماء کی ہے جو آج بھی یہ بات کہتے ہیں کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔ آج بھی ایسے علماء کی اولاد پاکستان میں عدم استحکام

کے لئے سرگرم ہے۔ یہ لوگ انڈیا جاتے ہیں اور دیو بند سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں کئی سال سے شیعہ سنی اکٹھے بس رہے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں رشتے ناتے کرتے رہے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ صحابہ سے محبت کا ڈھونگ ہے۔ ان کا اصل مقصد امت مسلمہ میں انتشار اور افتراق پیدا کرنا ہے۔

دوسری طرف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا گروہ ہے وہ اس سازش میں شریک نہیں۔ شیعہ کے بارے میں ان کا نظریہ کچھ بھی ہو لیکن اس آگ میں وہ ایندھن نہیں ڈال رہے کیونکہ ان کے اکابرین مولانا شبیر احمد عثمانی اور مفتی پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ کے ہراول دستے میں تھے۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے اس وقت کتاب لکھوائی تھی کہ جو شخص اس وقت مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دیتا وہ مسلمانوں کا دشمن ہے۔ جب لوگوں نے کہا کہ جناح بے دین ہے۔ تو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا اس وقت جو لوگ جناح کو موضوع بحث بناتے ہیں وہ دین کے دشمن ہیں۔ جناح کو مت دیکھو! ہندؤں سے نجات حاصل کر کے ایک آزاد خطہ حاصل کرلو۔

حقیقۃ الفقہ ہو یا حدیث اور اہلحدیث ان میں سوائے جھوٹ کے کچھ نہیں ان میں علمی بد دیانتی کی انتہا ہے اس میں ایسی باتیں درج کی گئی ہیں جو ائمہ نے لکھی ہیں نہ ان کا وہ مقصد ہے، جو یہ لوگ سمجھے بیٹھے ہیں۔ اپنے مذہب کی حقانیت اور دوسرے کے مذہب کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے یہ لوگ کسی اخلاقی قدر کی پرواہ کرتے ہیں نہ دین کے اصول کی پیروی، یہ لوگ دوسرے کی مخالفت اور ضد میں حد سے تجاوز کرتے ہیں۔

میں ان حنفیوں سے بھی بے زار ہوں جو کسی دوسرے امام کی قوی دلیل بھی قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ حنفی ہیں۔ میں ان اہلحدیثوں کا بھی مخالف ہوں جو ائمہ کرام سے خدا واسطے کا بیر رکھتے ہیں۔ میں ایسے شیعوں کا بھی حامی نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دشمنی رکھتے ہیں اور نہ میں ان ناصبیوں میں سے ہوں جو یزید کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اور اس سے محبت کے دعویدار ہیں میرا مسلک سب سے الگ ہے میری ان تمام لوگوں سے صلح بھی ہے اور لڑائی بھی۔

اگر توحید کی بات ہو یا حدیث کی عظمت اور سربلندی کی بات ہو تو میں اہلحدیث ہوں۔ اگر تحقیق اور علم سے محبت کا معاملہ ہو تو دیو بندی عالم میرے لئے واجب الاحترام ہیں۔ اگر رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق اور محبت کی بات ہو تو بریلوی میرے سر کا تاج ہیں۔ اگر ائمہ اہل بیت سے محبت کا معاملہ ہو تو شیعہ میرے لئے قابل تقلید ہیں۔

جتنا کسی مسلک کا مسئلہ درست ہے وہ سر آنکھوں پر، اگر غلط ہے تو قابل تنقید، اس سے بڑھ کر کچھ نہیں، میں کسی بھی گروہ کو مسئلے کی بناء پر کافر کہنے کے بالکل حق میں نہیں ہوں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے وہ علم کا دشمن ہے۔ علم میں جمود بالکل نہیں ہونا چاہیے ہر عالم کو تحقیق کا حق ہے۔ صرف خلوص نیت شرط ہے۔ اگر وہ اخلاص سے کسی قرآنی آیت یا حدیث سے کوئی مطلب اخذ کرتا ہے تو اگر اس کا مسئلہ غلط بھی ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق بیان کرنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بدعت

جس طرح کچھ جسمانی بیماریاں ایسی لاعلاج ہیں کہ انسان ان کا ذکر سن کر ہی ان سے پناہ مانگتا ہے جیسا کہ کینسر یا ہیپاٹائیٹس وغیرہ۔ اسی طرح دین میں بھی کچھ معاملات ایسے ہیں کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ وہ بہت ہی خطرناک ہیں۔ ان کے قریب بھی نہیں جانا چاہئے۔ ان میں سرفہرست دو چیزیں ہیں: ایک شرک اور دوسری بدعت۔ یہ دونوں ایسے جرم ہیں جن کا سایہ بھی کسی انسان پر نہیں پڑنا چاہئے۔

شرک کے بارے میں اللہ نے واضح اعلان فرمادیا: مشرک جہنمی ہے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ میں اسے کسی صورت نہیں بخشوں گا۔ اسی طرح بدعت کے بارے میں: خادم رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "بدعتی پر اللہ توبہ کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ [1]

یہ ایسی خطرناک بیماری ہے ایسا پر پیچ گرداب اور بھنور ہے کہ انسان اس میں پھنس جائے، تو اس سے باہر نہیں آسکتا۔ شیطان اس کے اعمال کو اس کے سامنے ایسے انداز میں پیش کرتا ہے کہ اس کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے وہ اسے نیکی اور ثواب سمجھ کر سرانجام دیتا ہے جس کی وجہ سے واپسی کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا۔

زنا، چوری، جھوٹ جیسے گناہوں سے انسان توبہ کر لیتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے یہ گناہ ہیں۔ ان سے واپسی ممکن ہے۔ مگر بدعت کو تو وہ ثواب اور کار خیر سمجھ کر انجام دیتا ہے اس لئے توبہ کا خیال ہی اس کے دل میں نہیں آتا۔

بدعت کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنی مذمت کی ہے اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لا الہ الا اللہ کی نفی ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی نفی ہے۔ اس کلمہ کے دونوں اجزاء کا انکار ہے بدعتی نہ اللہ کو حاکم مانتا ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رہبر تسلیم کرتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بڑی پیاری مثال دی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تمام لوگ کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی ہے۔ مگر اس کو سمجھتے نہیں ہیں۔ کہ اسلام کے درخت کی دو جڑیں ہیں جو شخص ان میں سے ایک کا بھی انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔

انکار کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اقراری اور دوسری عملی۔ پہلی صورت میں تو زبان سے ہی

[1] مجمع الزوائد منبع ومنبع الفوائد: 189/10، دارالکتب العلمیۃ، الترغیب: 86/1، اطراف الحدیث النبوی: 150/3،

انکار کر دیتا ہے کہ میں اس کو نہیں مانتا۔ مگر زیادہ خطرناک دوسری قسم ہے جس میں زیادہ لوگ مبتلاء ہیں وہ عملی صورت ہے کہ زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر عمل ایسا کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا ایمان ہی نہیں ہے۔ اس کا کوئی عمل قبول ہوتا ہے اور نہ ایمان ہی رہتا ہے۔

دین کی پہلی جڑ یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کی جائے۔ عبادت سے ہمارا ذہن پوجا پاٹ کی طرف چلا جاتا ہے۔ مثلاً نماز روزہ حج زکوۃ بھی عبادات ہیں۔ مگر عبادت میں اطاعت بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بھی حکم دے اسے بلا چون وچرا تسلیم کرے اور اللہ کے علاوہ کسی کی فرمانبرداری نہ کرے۔ بدعتی اسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اللہ سے پوچھے اپنی من مرضی کرتا ہے اتباع نہیں کرتا ہے۔

قرآن وحدیث پڑھنے والا شخص جانتا ہے کہ جتنی مذمت ہوائے نفس کی ہوئی ہے کسی اور چیز کی نہیں ہوئی۔ اس سے مراد خواہش نفس کی پیروی ہے یہ اتنا بڑا بت ہے کہ لات ومنات سے بھی بھاری ہے۔ پتھر کے بت کی انسان اتنی پوجا نہیں کرتا جتنی اپنے من کی پوجا کرتا ہے۔ جو شخص اپنی من مرضی کرتا ہے وہ اطاعت اللہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

اب دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ اللہ کے احکام ہمیں کیسے معلوم ہوں؟ اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا سلسلہ شروع کیا۔ اس سلسلہ میں سب سے آخر میں محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی شان یہی بیان کی کہ وہ ہوائے نفس میں مبتلاء نہیں ہوتے۔ وہ وہی کہتے ہیں جو اللہ حکم دیتا ہے خواہ وہ قرآن کی صورت میں ہو، خواہ وہ حدیث ہو، وہ کوئی ایسا لفظ بولتے ہی نہیں جس کا اللہ نے حکم نہ دیا ہو۔

اگر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی عقلوں پر چھوڑنا ہوتا تو نبوت کا سلسلہ ہی شروع نہ کرتا۔ انسانی عقل درست نتائج اخذ نہیں کر سکتی اس لئے اللہ نے ہدایت کا دائمی سلسلہ قائم کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی کے بغیر دین پر عمل پیرا نہیں ہوا جا سکتا۔ روزہ کتنا نیک عمل ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا کہ اس کا اجر میں خود دوں گا۔ سال میں پانچ دن ایسے آجاتے ہیں جن میں یہ حرام ہے۔ عید الفطر، عید الاضحی اور اس کے بعد کے تین دن روزہ رکھنے سے منع کر دیا گیا۔ اس طرح نماز ہے دن میں کئی اوقات ایسے ہوتے ہیں جن میں نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ اللہ بس یہی چاہتا ہے: میں جو حکم دوں بندہ مان لے! میں جس بات سے روک دوں، اس سے رک جائے! اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ احکام الٰہی کی پابندی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی ہی

نیکی اور عبادت ہے اور ان میں سے کسی بات کا انکار کفر ہے۔

یہی معاملہ بدعت کا ہے۔ سرانجام دیا جانے والا کام کتنا ہی نیکی کا کیوں نہ ہو اور کتنے ہی خلوص اور محبت سے کیوں نہ کیا جائے وہ اس لئے گمراہی ہے کہ اس کا اختیار کسی ولی یا فقیر کو حاصل نہیں۔ کسی نے بھی ایسا کوئی عمل ثواب سمجھ کر شروع کیا جس کا اسے اختیار حاصل نہیں اس نے اپنے اختیارات سے تجاوز کیا۔ دراصل اس نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایک طرح سے وہ شرک کا مرتکب ہوا کیونکہ حکم دینے کا اختیار اللہ کا ہے اور مان لینا انسان کا فرض منصبی ہے۔

شارع، اللہ کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ قانون سازی کا حق صرف اللہ کو ہے۔ اصول فقہ کی تمام کتابوں کا آغاز اسی بات سے ہوتا ہے۔ حاکم صرف اللہ ہے رسول بھی شارع اس لئے ہیں کہ وہ اللہ کا حکم ہم تک پہنچاتے ہیں۔ ایسا کوئی کام کرنا جس کا اللہ اور رسول نے حکم نہ دیا ہو اس پر یہ دعویٰ کرنا کہ اللہ اس پر ضرور ثواب اور اجر دے گا: عالم الغیب ہونے کا دعویٰ کرنے کے مترادف ہے۔

فقیہ جب کوئی اجتہاد کرتا ہے وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتا صرف وہ قرآن وحدیث میں سے کسی ایسی بات کی، جس تک عام آدمی کے ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہوتی تشریح کر دیتے ہیں۔ ورنہ وہ اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ائمہ کرام اور فقہاء کا کام یہی ہے کہ وہ اللہ کا حکم تلاش کر کے ہم تک پہنچائیں۔ آج کل کئی قسم کی بدعات شروع ہوگئی ہیں ان میں عبادات بھی ہیں اور کئی قسم کے دن منانے کا رواج شروع ہوگیا ہے۔ جیسے عید میلاد النبی، شب معراج، شب برات وغیرہ اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں تو بعد میں بات کریں گے۔ پہلے یہ طے کر لیں کہ یہ دن جسے ہم مناتے ہیں درست بھی ہیں یا نہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں علماء مکہ کی کونسل جس میں بڑے بڑے علماء شامل ہیں کا حوالہ پیش کروں گا جو فتاویٰ علماء البلد الحرام کے نام سے چھپا ہے۔ اس میں کسی نے ان علماء سے یہی سوال کیا کہ ہم میلاد النبی اور معراج النبی مناتے ہیں اس کی شرعی حیثیت واضح کریں؟ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: پہلے تو کسی کو یہی علم نہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس دن پیدا ہوئے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ جنہیں ہمارے بریلوی حضرات بہت پیش کرتے ہیں۔ انہیں شیخ الاسلام کہتے ہیں ان کے بارے میں یہاں تک کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حالت بیداری میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بخاری شریف پڑھی ہے۔ اس سے آپ ان کے مقام ومرتبہ کا

اندازہ کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب خصائص الکبریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم ولادت بارہ (12) رمضان لکھا ہے۔

اس سلسلہ میں دوسری گواہی پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیش خدمت ہے جن کے بریلوی حضرات بہت معتقد ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس (10) محرم کے دن پیدا ہوئے اب جو لوگ ربیع الاول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا مہینہ کہتے ہیں وہ بھی کسی تاریخ کے بارے میں متفق نہیں ہیں۔ سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ سب سے پہلا میلاد دن چھ سو چار (604) ہجری میں عراق کے شہر موصل میں ملک المظفر نے منایا اس میں جلوس وغیرہ تو نہیں نکلے ایک مجلس منعقد کی گئی جس میں ایک عالم ابو الخطاب بن دحیہ کو بلایا گیا۔ جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بیان کئے لوگوں میں کھانا وغیرہ تقسیم کیا گیا۔ یہی ابو الخطاب اپنی کتاب "التنویر فی المولد البشیر والنذیر" میں لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ (8) ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سے متفق ہیں۔ کچھ لوگ بارہ (12) ربیع الاول کہتے ہیں: شیعہ حضرات کہتے ہیں: کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سترہ (17) ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔

اب یہ واضح ہوگیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یوم ولادت کے بارے میں کسی کو بھی قطعی علم نہیں ہے۔ اب اس کی شرعی حیثیت کو دیکھتے ہیں: شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے سب سے بڑی اتھارٹی اور حیثیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ تو اس بارہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حکم ہے؟ اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے بڑے محبّ ہیں۔ ان سے زیادہ محبت کا آج تک کسی نے دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے بھی اس دن کو نہیں منایا اس کے بعد تابعین تبع تابعین اور محدثین گزرے۔ ائمہ اربعہ جن کی امت مسلمہ میں سے ایک کثیر تعداد تقلید کرتی ہے انہوں نے اس بارہ میں کچھ نہیں کہا۔ اسی طرح معراج کی رات کے بارہ میں بھی اہل علم کچھ نہیں جانتے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ معراج رمضان المبارک میں ہوا۔ کچھ لوگ ربیع الاول اور ربیع الآخر کے بارے میں کہتے ہیں۔ کئی اہل علم کہتے ہیں کہ معراج کے بارے میں تاریخ کا تو کیا ذکر مہینہ کے بارے میں بھی سب متفق نہیں ہیں۔ پھر بھی غیر متفق بات پر اتنی بڑی عمارت کھڑی کرتے ہیں کہ اس رات عبادت کریں یہ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے۔

حق بات یہ ہے کہ بدعت شرک ہے اور یہ نبوت کا دعویٰ ہے۔ آپ زبان سے بے شک

دعویٰ نہ کریں: مگر یہ منصب نبوت پر فائز ہونے والی بات ہے کیونکہ یہ صرف نبی کا مقام ہے کہ وہ بتائے کہ یہ مستحب ہے یا واجب ہے مکروہ ہے یا حرام ہے۔ اگر ہم خود ہی فیصلہ کرلیں کہ یہ کام نیکی ہے یا اس کا بہت ثواب ہے پھر نبی کی حیثیت تو ختم ہوگئی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کام کیا وہ کریں جو انہوں نے ترک کیا اسے نہ کریں۔ ایک آدمی عید کے دن نماز عید سے پہلے نفل پڑھ رہا تھا دوسرے نے اسے منع کیا اور کہا کہ کیا تو اس بات سے ڈرتا نہیں کہ جو کام کر رہا ہے اس پر اللہ تجھے عذاب دے تو اس نے کہا کہ کیا اللہ مجھے نماز پڑھنے پر عذاب کرے گا؟ تو دوسرے نے کہا کہ اللہ نماز پڑھنے پر عذاب نہیں کرے گا بلکہ سنت کی مخالفت پر عذاب کرے گا۔

اب کسی کو بدعت سے منع کیا جائے تو وہ یہی جواب دیتا ہے یہ نیک کام ہے اس میں کیا حرج ہے؟ کیا نیکی یا اچھائی کا فیصلہ ہم خود کر سکتے ہیں؟ سب کو علم ہے کہ جھوٹ حرام ہے مگر کبھی خاص حالات میں یہی جھوٹ واجب ہو جاتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ تین مواقع پر جھوٹ بولنا بالکل گناہ نہیں ہے۔ اگر دو آدمیوں میں لڑائی ہو جائے تو ان کی صلح کرانے کیلئے جھوٹ بولنا گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح جنگ کے دوران بھی جھوٹ بولنا گناہ نہیں ہے اگر کوئی مسلمان دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے اور دشمن اس سے مسلمان لشکر کی تعداد کے بارے میں یا اسلحہ کے ذخیرہ کے بارے میں پوچھے تو وہ دشمن کو جھوٹ بتائے تا کہ دشمن پر رعب پڑ جائے۔ [1]

تیسری بات میاں بیوی کے درمیان ایک دوسرے کو خوش رکھنے کے لئے کوئی سچے جھوٹے وعدے کرنے کے بارے میں فرمایا کہ یہ بھی جھوٹ نہیں ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی کوئی بدعت ایجاد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے وہ ان تین میں سے کسی ایک جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔

(1) کہ اللہ نے دین مکمل طور پر نہیں بھیجا بلکہ ویسے ہی کہہ دیا کہ

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾

''کہ آج تمہارا دین مکمل ہو گیا۔''

(2) کہ نعوذ باللہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خائن سمجھتا ہے کہ اس نے اللہ کی طرف سے جو احکام انہیں ملے وہ سارے کے سارے انہوں نے نہیں پہنچائے کیونکہ اللہ نے تو کہا تھا کہ جو ہماری طرف سے ملے تو اسے امت تک پہنچا دے۔ آپ سب کو علم ہے کہ رسول

[1] صحیح مسلم کتاب الحرب، ابوداؤد

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حج کیا تو قبائل کو حکم بھیجا کہ تمام مرد عورت مکہ مکرمہ پہنچیں کیونکہ میں آخری دفعہ حج کر رہا ہوں۔ پھر آپ لوگ مجھے دنیا میں نہیں دیکھ سکیں گے۔ لوگ جوق در جوق قافلہ در قافلہ سوار پیدل مکہ مکرمہ پہنچے۔ میدان عرفات میں لاکھوں کا اجتماع تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اجتماع کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے کہ آپ کی تیئیس (23) سالہ محنت شاقہ رنگ لائی اور قدوسیوں کی اتنی بڑی جماعت تیار ہوئی جو کسی اور نبی کی زندگی میں نہیں ہوئی تھی۔ اس موقع پر میدان عرفات میں خطبہ دیا: اس میں لوگوں سے پوچھا کہ روز قیامت اللہ میرے بارے میں تم سے سوال کرے گا کہ میں نے اپنے نبی کو ایک امانت دی تھی کیا وہ اس نے تم تک پہنچا دی تھی تو تم اس وقت اللہ کو کیا جواب دو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس وقت بلند آواز میں جواب دیا: یا رسول اللہ! آپ نے دین پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ [1]

اس کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر تین دفعہ فرمایا: اے اللہ! تو گواہ ہو جا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا! تو بدعتی دوسرا جرم یہ کرتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل دین ہم تک نہیں پہنچایا کچھ باتیں چھپا لیں اور دین مکمل پہنچانے کا دعوی کر دیا۔

(3) تیسرا جرم یہ کہ اللہ نے دین مکمل کر دیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچا دیا۔ مگر نبی نے جن کو دیا تھا انہوں نے یاد نہیں رکھا۔ اس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مجرم بنتے ہیں کہ انہوں نے کوتاہی کی ہے۔ اب بدعتی یہ سوچے کہ اس نے نعوذ باللہ اللہ کی ذات پر حملہ کیا: رسول کو خائن کہا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجرم ٹھہرایا:

خدارا آپ محتاط ہو جائیں! بدعت کو چھوٹا جرم نہ سمجھیں جس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی یہ بہت بڑی وعید ہے۔ فقہ حنفیہ کی بہت بڑی کتاب رد المحتار ہے جو درمختار کی شرح ہے۔ اسے علامہ شامی نے تحریر کیا ہے۔ علامہ شامی سلطنت عثمانیہ میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے انہوں نے اپنی کتاب میں سلف کے تمام علماء کی آراء پیش کر دی ہیں۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں: کہ کسی سنت کے بارے میں شک بھی ہو جائے کہ یہ بدعت ہے اسے ترک کر دینا لازم ہے کیونکہ اگر یہ سنت ہوئی تو اس کے ترک سے محض ثواب سے ہی محروم رہے گا لیکن اگر یہ بدعت ہوئی تو عذاب کا مستحق ہوگا۔

اس بارہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بدعات پر تیز تیز چلنے سے سنت پر

[1] عون المعبود شرح ابوداؤد: 28/2، باب امر الصفا والمروۃ

آہستہ آہستہ چلنا بہتر اور باعث برکت ہے۔ بدعت تو کجا فرض یا کوئی نیک کام دکھاوے اور لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کیا جائے اس بارے میں اللہ روز قیامت کہے گا کہ اس کا اجر ان لوگوں سے طلب کر جن کی خاطر یہ کام کیا تھا رحمۃ اللہ علیہ کوئی کام شروع ہو جائے اس کا روکنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اب اس بارے میں بات کرنا بہت مشکل ہو گیا تمام علماء اس بارے میں خاموش ہیں۔

604 ہجری میں جب یہ شروع ہوا تھا اس وقت امام فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا رد کیا تھا امام نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا پیش خدمت ہے۔ امام موصوف لکھتے ہیں: تعریف ہے اس اللہ کی جس نے ہمیں بتایا کہ سردار انبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرو اور دین کی سمجھ عطا کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نیک لوگوں کے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق بخشی اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا درود و سلام ہو۔ امام صاحب نے تو اللہ کی تعریف اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا لکھا ہے۔ لوگ بار بار مجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ربیع الاول میں جو لوگ اجتماع کرتے ہیں اور اسے میلاد کا نام دیتے ہیں۔ کیا دین میں اس کی کوئی حقیقت ہے یا یہ بدعت ہے؟ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات صحیح طرح سے لوگوں تک نہیں پہنچائے؟

امام فاکہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں اللہ کی توفیق سے اس کا جواب دیتا ہوں: نہ اللہ کی کتاب میں اس بارہ میں کوئی حکم ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں کوئی حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم، اور ائمہ اربعہ اور ان کی پیروی کرنے والے سلف صالحین بھی اس بارے میں خاموش ہیں۔ بس حقیقت یہ ہے کہ کچھ شہوت نفس رکھنے والے لوگوں نے یہ بدعت ایجاد کی ہے تاکہ کھانے پینے کے لئے لذیذ کھانے ملیں۔

امام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں دین میں شامل تمام حکم پانچ طرح کے ہیں:

1. واجب 2. مستحب 3. مباح 4. مکروہ 5. حرام۔

واجب

نہ کرنے والا گناہ گار ہے۔

مستحب

یہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے کرنے کا ثواب بتایا ہے۔

مباح

کرنا نہ کرنا برابر ہے کہ اس کے کرنے نہ کرنے کا کوئی گناہ ثواب نہیں۔

مکروہ

کہ نہ کرنا بہتر ہے۔

حرام

کہ اس کے کرنے کا گناہ ہے۔

اب اگر اس کی حقیقت پر غور کریں نہ تو میلاد کو کوئی واجب کہہ سکتا ہے کہ اس کے نہ کرنے پر بندہ گناہ گار ہے اور یہ مستحب بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے لیے بھی شارع کے حکم کی ضرورت ہے۔ یہ طے ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بارے میں کوئی حکم نہیں دیا نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا نہ تابعین نے کیا نہ سلف صالحین میں سے کسی بزرگ نے کیا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اسے حرام کہا جائے اگر بہت نرمی بھی کی جائے تو مکروہ کے دائرے میں آئے گا۔ اس تمام بحث کا یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ نہیں چاہتا تھا کہ ایسے دن منائے جائیں اس لئے جب یہ واقعات رونما ہوئے تو ان کی تاریخ کو اللہ نے مخفی رکھا ورنہ اس کو محفوظ رکھنا اللہ کے لئے کون سا مشکل تھا۔

دین میں غلو نہیں ہونا چاہیے۔ نہ تو زیادہ بڑھایا جائے نہ کم کیا جائے بلکہ ہر مسئلہ کو حد اعتدال پر رکھا جائے۔ میں اس سلسلہ میں ایک مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جس میں لوگ حد سے بڑھ جاتے ہیں اور شرک اور بدعت کا فتوی دے دیتے ہیں وہ ہے دعا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ کیونکہ اس میں نہ تو کوئی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانگتا ہے اور نہ یہ کہتا ہے کہ میری دعا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جائے گی اور وہ اسے اللہ کے حضور پیش کریں گے۔ بلکہ دعا مانگنے والا یہ کہتا ہے یا اللہ وہ تیرا محبوب ہے میں اس کی نیکی اور عظمت کا واسطہ دیتا ہوں کیونکہ میں اس کا امتی ہوں اس لئے میرے اس تعلق کی وجہ سے دعا قبول فرما: اس میں نہ کوئی شرک کا پہلو ہے اور نہ ہی یہ بدعت ہے۔

اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سب لوگ مانتے ہیں کہ اس وقت تک دعا رکی رہتی ہے جب تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک نہ پڑھا جائے۔ دعا کا طریقہ ہی یہی بتایا گیا ہے پہلے اللہ کی تعریف کی جائے پھر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا جائے اس کے بعد اپنی حاجت بیان کی جائے۔ واسطہ بھی ایک طرح سے درود پاک کی طرح ہی ہے۔ اس سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا تعلق ظاہر کرنا ہے۔ اس میں احتیاط لازم ہے۔ مانگنا صرف اللہ ہی سے چاہیے کیونکہ دعا کو اللہ نے صرف اپنے لئے خاص رکھا ہے۔

سجدہ تعظیمی بھی کسی دور میں جائز تھا جیسا کہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں کیا۔ مگر دعا کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ہی رکھا ہے۔ اس لئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: میری حالت پر رحم کیجئے! یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری مدد کیجئے! وغیرہ کہنا قطعی حرام ہے۔ کئی لوگ کہتے ہیں صحابہ کرام کا نعرہ: یا محمد ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ روایتیں ہی درست نہیں ہیں۔ دوسرا اس سے مراد مدد طلب کرنا نہیں ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ میں تکلیف میں پکاروں: ہائے ماں! وہ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی کے اظہار کا طریقہ تھا کہ وہ اب ہم میں نہیں رہے۔ جاہل لوگوں کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ یا محمد کہنے سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں: جب سے سورہ نور میں یہ آیات اتری ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام اس طرح نہ لیا جائے جس طرح تم خود ایک دوسرے کو پکارتے ہو اس وقت سے یا محمد کہنا حرام ہو گیا ہے۔ اگر کسی روایت میں اس طرح لکھا ہو تو پڑھنے والے کو چاہیے کہ اس کو نہ پڑھے! بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کو بدل لے۔

اب دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی سے اس کی زندگی میں دعا کروانی جیسے صحابہ کرام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کروایا کرتے تھے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کروائی! کسی نیک آدمی سے دعا کروانا جس سے آپ اچھا گمان رکھتے ہیں یہ بالکل جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ مگر وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر جا کر کہنا کہ یا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے دعا کیجئے! کسی بزرگ کی قبر پر جا کر کہنا کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے حاجت روائی کی دعا کیجیے اس میں شرک نہیں ہے۔ یہ علیحدہ مسئلہ ہے کہ مردہ سنتا ہے یا نہیں سنتا مگر اس میں شرک کا کوئی پہلو نہیں یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ کچھ عالم کہتے ہیں کہ مردہ سنتا ہے کچھ کہتے ہیں کہ نہیں سنتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پاک سے بڑی کوئی قبر نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑا ان کا کوئی عاشق نہیں ہے مگر صحابہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ پر جا کر دعا نہیں کی۔

اس ساری بحث سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ زندگی میں دعا کروانا بالکل جائز ہے قبر پاک پر جا کر کہنا یا وفات کے بعد کسی بزرگ سے دعا کی التجا کرنا غیر ثابت شدہ ہے۔ توسل یا وسیلہ سے دعا کرنا بالکل درست ہے کیونکہ اس بات پر تمام لوگ متفق ہیں کہ نیکی کے توسل سے دعا کرنا بالکل جائز ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ سب سے بڑی نیکی تو رسول پر ایمان اور ان سے محبت ہے۔ آپ خود فیصلہ کرلیں تمہاری اپنی نماز یا روزہ رسول سے تعلق سے زیادہ معتبر ہے؟ اس ملک

میں موحدین کے سردار حضرت شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ شہید اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں اگر کوئی شخص یہ کہے: یا اللہ شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل دے: یہ بالکل جائز ہے، اللہ تعالیٰ جس طرح نیکیوں سے محبت رکھتا ہے اسی طرح نیک لوگوں سے بھی محبت رکھتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک کتاب لکھی ہے جس میں ان باتوں کا رد کیا گیا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں: ایک وسیلہ تو یہ ہے کہ ہم تیرے نبی پر ایمان لاتے ہیں اس سے محبت کرتے ہیں آپ کی اطاعت کرتے ہیں اس سے دنیاوی زندگی میں ہدایت اور آخرت میں جنت کا طلب گار ہوتا ہے۔ سب سے بڑا وسیلہ تو یہی ہے مگر کبھی دنیا میں اپنے کسی کام کے سلسلہ میں رسول کا وسیلہ دیتا ہے کہ یا اللہ: ہم تیرے نبی کو ماننے والے اور اس کے امتی ہیں۔ اس کے طفیل ہماری دعا قبول فرما:۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ وسیلہ بالکل جائز ہے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اپنی دعاؤں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دیتے تھے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے جائز اور نیک عمل قرار دیتے تھے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احکام الوسیلہ کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے بھی یہی لکھا ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور اطاعت کا وسیلہ دے کر دعا کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے موحد نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔

آپ نماز جنازہ کا طریقہ دیکھیں جسے خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا کہ پہلی تکبیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی ثناء، دوسری تکبیر کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک، تیسری تکبیر کے بعد دعا اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہا جائے۔ یہ جو دعا سے پہلے درود پاک پڑھا تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ ہی دیا گیا ہے۔ ہندوستان میں اہل حدیثوں کے سرخیل نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے صحاح ستہ کا ترجمہ کروایا خود تین سو کے قریب کتابیں لکھیں وہ بھی اس طرح کے وسیلہ کو جائز کہتے ہیں، حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ زینت الاسلام میں لکھتے ہیں:

کہے بہ حرمت نبیاں ولیاں دے مراد الٰہی
اس وچ شرک نہ ہرگز کوئی نہ کوئی ہور تباہی

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ زندگی میں دعا کروانی بالکل جائز ہے اور مرنے کے بعد کسی صاحب قبر سے دعا کا کہنا اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ صاحب قبر سے مانگنا شرک ہے۔ کسی نبی یا کسی نیک بزرگ کا وسیلہ دینا درست ہے۔ ہمیں شدت پسندی سے بچنا چاہئے اور اعتدال کی راہ

اختیار کرنی چاہئے یہی اسلام چاہتا ہے۔ ایک اور مسئلہ جس کا ذکر یہاں ضروری ہے وہ میلاد کے بارے میں ہے۔ میلاد میں شریک لوگ اچانک کھڑے ہوجاتے ہیں کہ محفل میں رسول ﷺ تشریف لائے ہیں ہم ان کو تعظیم دینے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔

ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم دین مولانا عبدالسمیع رامپوری نے میلاد کے بارے میں ایک کتاب "الانوار الساطعة" کے نام سے لکھی ہے اس میں انہوں نے بحث کی ہے کہ ہم میلاد کیوں مناتے ہیں؟ اس سلسلے میں ہمارے پاس کیا جواز ہے۔ مذکورہ بالا مسئلہ کے بارے میں لکھتے ہیں: کہ ہمارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ رسول ﷺ ہر محفل میں تشریف لاتے ہیں ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ آپ آسکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کئی بزرگوں اور نیک لوگوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ انہیں کشف کے ذریعے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ محفل میلاد میں تشریف لائے ہیں۔ کئی بزرگوں کے خواب بیان کئے ہیں۔

اس کتاب کا رد مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے "براہین قاطعہ" کے نام سے لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں: کہ ہم امکان اور نادراً وقوع کے مخالف نہیں کہ رسول ﷺ کی روح پاک تشریف لاسکتی ہے۔ ہم دوام کے مخالف ہیں کہ جیسا خود مولانا رامپوری نے تسلیم کیا ہے۔ آپ لوگ کس طرح فیصلہ کرسکتے ہیں کہ رسول ﷺ تشریف لے آئے ہیں اگر آپ کو علم نہیں تو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا کیسا ہے۔ پس اگر تو مولانا رامپوری ثابت کردیں کہ ضرور تشریف لاتے ہیں پھر تو کھڑا ہونے کا فائدہ ہے۔ ورنہ مولانا کی تمام بحث لاحاصل ہے۔ خواب اور مکاشفات کو احکام شرعیہ میں ثبوت کے طور پر پیش کرنے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہ دین سے ناواقفیت ہے اولیاء کے الہام اور کشف حجت نہیں ہوسکتے جیسا کہ مولانا نے خود بھی تسلیم کیا ہے۔ آپ لوگ کس طرح فیصلہ کرسکتے ہیں کہ حضور ﷺ محفل میں تشریف لائے ہیں۔ اس کو معلوم کرنے کے دین میں تین طریقے ہیں ❶ حواس ❷ عقل ❸ خبر رسول۔

آج تک ایسا کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ میں نے رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے نہ عقل سے اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ تیسرا رہا خبر رسول انہوں نے کوئی حدیث مبارکہ بھی پیش نہیں کی حالانکہ اس کیلئے تو خبر متواتر کی ضرورت ہے کیونکہ یہاں عقیدے کا مسئلہ ہے۔ عقائد کے سلسلہ میں خواب اور مکاشفہ سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ [3/آل عمران: 110]

"مومنو! جتنی بھی امتیں تم سے پہلے گزری ہیں تم ان سب سے بہتر ہو جو لوگوں کی بہتری کے لئے برپا کئے گئے ہو کہ نیک کام کرنے کی تلقین کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں بھی کچھ ایمان لانے والے ہیں مگر اکثر نافرمان ہیں"

دنیا میں جتنی بھی چیزیں پائی جاتی ہیں ان کے وجود کا ایک مقصد ہوتا ہے اگر کسی چیز سے اس کا مقصد حاصل نہ ہو تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جس طرح برف کا مقصد ٹھنڈا کرنا ہے اگر برف یہ مقصد پورا نہ کرے تو کون اس کے کارخانے قائم کرے اور اس میں برف کے بلاک تیار کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امت مسلمہ کا مقصد وجود بیان کیا ہے۔ ویسے تو دین اسلام بہت سے فرائض اور قوانین کا مجموعہ ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس امت کا مقصد حیات کیا ہے؟۔ اگر وہ اپنا مقصد حیات پورا نہیں کرتی تو اس کی نمازیں اس کے روزے اس کا حج سب بے کار اور بے فائدہ ہے۔

قرآن پاک نے سب سے پہلے اس امت کی دوسری امتوں پر برتری بیان کی کہ یہ سب سے بہتر امت ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کی ذمہ داری بھی بیان کردی۔ پہلے یہ ذمہ داری انبیاء اور رسول پوری کیا کرتے تھے۔ مگر اب جب کہ نبوت کا سلسلہ بند ہوگیا ہے تو مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوگیا ہے کہ وہ اسے پورا کریں۔ تمام بنی نوع انسان کی نگرانی اب تمہارے ذمہ ہے۔ پہلے وعظ اور تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو قائل کریں اس کے بعد اسے ہاتھ سے روکیں۔ دنیا میں کسی بھی جگہ کسی بھی انسان پر ظلم ہو رہا ہو یا اللہ تعالیٰ کی حدود پامال کی جارہی ہوں، اسے روکنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ صرف وعظ و تبلیغ نہیں۔

﴿تامرون بالمعروف﴾ کا مطلب اچھائی اور نیکی کا حکم دینا ہے۔ اسی طرح ﴿نهی

عن المنکر﴾ کا مطلب زبردستی برائیوں سے روکنا ہے۔اسی وجہ سے تمہیں سب سے بہترین امت کا خطاب ملا ہے اللہ نے قرآن پاک میں مسلمانوں کے کئی درجے بیان کیے ہیں۔کہیں کہا ہے کہ متقی بن جاؤ! کہیں کہا ہے: کہ مومن بن جاؤ! کہیں محسن بن جانے کا کہا ہے: مگر سب سے آخری بات جو کہی ہے، اس سے بڑا اعزاز کسی انسان کے لئے سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

اللہ فرماتا ہے:

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ﴾

''کہ ایمان والو! اللہ کے مددگار بن جاؤ۔''

اللہ تعالیٰ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔کسی کی کیا مجال ہے کہ اس کے حکم سے پہلو تہی کر سکے۔ساری کائنات کو اس کی قدرت نے جکڑ رکھا ہے۔سورج، چاند اور ستارے صدیوں سے اپنے خالق کے حکم کی پابندی میں اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔دریا اپنی سمت میں چل رہے ہیں۔حتیٰ کہ ہر چرند، پرند، نباتات، جمادات اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے سے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ہٹتے۔

فرشتے دن رات اس کی تسبیح کرتے ہوئے اس کے حکموں کو بجا لاتے ہیں۔صرف انسان ہی ہے جسے اچھائی اور برائی کی تمام تر صلاحیتیں دے کر آزاد چھوڑ دیا کہ چاہے تو نیک کام کر کے فرشتہ بن جائے اور چاہے تو برا کام کر کے شیطان بن جائے۔یعنی انسان وہ مخلوق ہے جسے اختیار دے دیا گیا ہے اور انہیں سیدھے راستے پر چلانے کی ذمہ داری بھی انسان کے سپرد کر دی ہے اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا:

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾

''کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں۔''

تو فرشتوں نے اللہ سے کہا تھا کہ تو ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جو زمین میں خرابیاں کرے اور کشت وخون کرتا پھرے۔ہم تیری حمد اور تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔اللہ نے فرشتوں کو جواب دیا تھا کہ تم وہ نہیں جانتے جو میں جانتا ہوں۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ کیسے پتہ چلا کہ انسان زمین میں فساد اور کشت وخون کرے گا۔

دراصل اللہ نے جب خلیفہ کا لفظ استعمال کیا تھا تو فرشتے سمجھ گئے تھے کہ زمین کا چارج اور اختیار انسان کو دے دیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا کہ اس زمین کا انتظام کر دو تو اس میں یہ خطرہ

تو موجود تھا کہ جب اسے نیکی اور بدی کا اختیار ہو گا تو وہ جو چاہے گا کرے گا۔اللہ نے اسے نیکی اور بدی کا اختیار دے کر ویسے ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ لگاتار نبی اور رسول بھیجے۔مصلحین کی جماعتیں اتاریں۔جنہوں نے وعظ وتبلیغ کے ذریعے ان کی اللہ کی طرف رہنمائی کی۔خود انہیں صراط مستقیم پر چل کر دکھایا اور اس راستے میں بہت تکلیفیں اور مشکلات برداشت کیں۔اپنے وطن چھوڑے، جہاد کیے، کئی انبیاء کرام علیہم السلام تو اس راہ میں شہید ہوئے مگر وہ ایسی زندہ روایات چھوڑ گئے جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اس نے ایک روز جزا مقرر کیا تھا جس دن تمام لوگوں کو اکٹھا کر کے یہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی زندگی کیسے گزاری اور ملنے والے اختیار کو کیسے استعمال کیا۔اس دن کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ مجھے تیری ہدایت نہیں پہنچی۔اس لئے اللہ نے اس کی رہنمائی کا بھرپور انتظام کیا کیونکہ اگر اللہ مجبور کر کے نیک کام کرواتا تو انسان انعام کا حقدار کیسے بنتا اور اگر رہنمائی کا انتظام نہ کرتا تو سزا کیسے دیتا۔جس طرح کوچ کھلاڑیوں کی تربیت کرتا ہے اسے کھیل کے داؤ پیچ سکھاتا ہے مگر میچ کے دوران وہ مداخلت نہیں کرتا۔وہ کھلاڑیوں کی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اچھا کھیلیں یا برا کھیلیں۔اسی طرح اللہ انسان کی مدد کرتا ہے۔کیونکہ اس کا شیطان کیساتھ مقابلہ ہوتا ہے پھر اس کے اندر نفس ہے جو انسان کو برائیوں کی ترغیب دیتا ہے۔پھر معاشرے کا پریشر ہے کہ وہاں نیک لوگ کم ہیں برے زیادہ ہیں اور برائی کا اجر بھی فوراً ملتا ہے کہ رشوت لی اور بازار میں جا کر اپنی من پسند چیزیں خرید لیں۔ملاوٹ کا منافع دگنا ہو گیا۔ان حالات میں نیکی کرنا بہت مشکل ہے اگر کوئی نیکی کے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو بہت مشکل ہے۔صرف اللہ کی مدد شامل حال ہو تو اس پل صراط سے گذر سکتا ہے۔اللہ کی مدد اسکی کتاب ہے جو ہماری رہنمائی کرتی ہے۔اس کے رسول ہیں جنہوں نے اس پہ عمل کر کے ہمارے لئے راستہ متعین کر دیا۔

مگر اللہ مجبور کر کے نیکی نہیں کرواتا حالانکہ سب کی خواہش ہے کہ اللہ کوئی معجزہ دکھا دے کہ سب لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ موجود ہے۔بلکہ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ یا اللہ! کافر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر تو اللہ کا سچا نبی ہے تو ایسا معجزہ دکھا! کہ ہمیں پتہ چل جائے تو ہم مان جائیں کہ اللہ نے تجھے مبعوث فرمایا ہے تو اللہ نے جواب دیا کہ اگر اسی طرح نیک بنانا ہوتا تو میں سب کو پیدائشی ولی پیدا کر دیتا۔مگر میرا یہ منشاء نہیں تمہارا ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾

[6/الانعام:35]

''اور اگر آپ پر ان کی روگردانی دشوار گزر رہی ہے تو اگر آپ سے ہوسکتا ہے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ تلاش کریں یا آسمان کی طرف سیڑھی لگائیں اور آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے کر آئیں۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو ہدایت پر اکٹھا کر دیتا پس آپ جاہلوں سے نہ ہوں''۔ [1]

وعظ و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو سیدھے راستے کی طرف لگانا اتنا عظیم کام ہے کہ اسے اللہ نے ﴿كُوْنُوْا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ کہا ہے۔ یعنی اس کام میں میری مدد کرو۔ باقی جتنی بھی عبادات ہیں وہ سب اس کام کے لئے تربیت کا کام دیتی ہیں۔ اصل کام یہی ہے جو پہلے انبیا کیا کرتے تھے اور اب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام امت پہ فرض کر دیا گیا ہے کہ تعلیم کے ذریعے وعظ و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو دین کی طرف بلایا جائے۔ ہر مسلمان کو مبلغ ہونا چاہئے کہ وہ جس شعبہ زندگی میں بھی ہو اپنے کردار و عمل کے ذریعے، وعظ و نصیحت کے ذریعے لوگوں کی تربیت کرے اور لوگوں کو برائیوں سے منع کرے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان ایک آیت کا بھی علم رکھتا ہو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے دوسرے لوگوں تک پہنچائے۔

اس کے لئے کوئی بھی ذریعہ اختیار کرے مدرسے بنائے۔ تقریر و تحریر کے ذریعے لوگوں کو دین کی طرف راغب کرے، ایسی تنظیمیں بنائے جو لوگوں کو نیکی کی طرف ترغیب دیں اور برائیوں سے منع کریں۔ اس کا انعام اللہ یہ دیتا ہے کہ انہیں اپنے مددگار قرار دیتا ہے اور یہ بہت بڑا درجہ ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے:

''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من امر بالمعروف و النهى عن المنكر هو خليفة الله فى الارض وخليفة الرسول وخليفة الكتاب''

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائیوں

....

[1] الانعام: 35، تفسیر ابن کثیر: 208/2، مشکوۃ مترجم صادق خلیل کتاب العلم: 126/1، ح: 198، بخاری، ترمذی

سے روکتا ہے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔ رسول کا نائب ہوتا ہے اور کتاب اللہ کا نائب ہوتا ہے۔''

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے مشن کی تکمیل کے لئے سرگرم عمل ہوتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کرتا ہے کیونکہ انبیاء کا مشن ہی یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کی تلقین کریں اور برائیوں سے منع کریں۔ وہ کتاب اللہ کے قائم مقام ہیں۔ جو لوگ یہ کام چھوڑ دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار پڑتی ہے اور ایسی امتوں پہ زوال آ جاتا ہے۔ یہ زوال اس وقت آتا ہے جب لوگوں کی زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ ان کی اولاد برے کام کرتی ہے تو وہ ان کو منع نہیں کرتے۔ دوست احباب گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان سے دوستیاں ختم نہیں کرتے۔ اور جب حکومتیں غلط کام کرتی ہیں تو ان کا ہاتھ نہیں پکڑتے۔ اس وقت اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔ لوگ اسے پرایا مسئلہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس میں کیوں ٹانگ اڑائیں۔

حکومتیں غلط کام کرتی ہیں تو علماء انہیں نہیں روکتے کہ ہم سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہتے۔ پھر تباہی اور بربادی مقدر بن جاتی ہے اور یہ سیلاب اتنا شدید ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے گھروں میں بھی داخل ہو جاتا ہے جو نیک ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے آپ کو تو بچائے رکھتے ہیں مگر دوسرے لوگوں کو برائیوں سے منع نہیں کرتے۔

اللہ نے بنی اسرائیل کی مثال دی ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾

''جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور اللہ کی حدوں کو توڑتے تھے اور ایک دوسرے کو برائیوں سے جو وہ کرتے تھے منع نہیں کرتے تھے بلاشبہ وہ برا کرتے تھے۔'' [5/المائدہ:78,79]

اس آیت میں اللہ نے اس قوم کی مثال ہمارے سامنے پیش کی ہے جو اللہ کی انتہائی لاڈلی تھی جن کے لئے سمندر کو پھاڑا۔ ان کے لئے چشمے جاری کئے بیابان میں بادلوں نے سایہ

کیا۔ان کے لئے من وسلویٰ اتارا۔ان پر لعنت اس لئے ہوئی کہ وہ خدا کے حکم توڑتے تھے اوران کے عالم اور نیک لوگ اپنی قوم کو برائیوں سے منع نہیں کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اس جرم پر بنی اسرائیل پر ایسی تباہی اور بربادی مسلط کی کہ کئی صدیوں تک انہیں دوسری قوموں کے ہاتھوں وہ مار پڑی کہ خدا کی پناہ۔ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنایا گیا اوران کے مردوں کو اس بری طرح تہ تیغ کیا گیا کہ دنیا میں کسی اور جگہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ان کا جرم یہی تھا کہ وہ دوسروں کو برائیوں سے منع نہیں کرتے تھے اور برائی کا یہ طوفان ساری امت کو بہا کر لے گیا

بائبل میں ایک باب ہے جس میں سلیمان علیہ السلام کے اقوال درج کئے گئے ہیں جس طرح ہمارے ہاں احادیث ہیں۔یہ باب ہر طرح کی تحریف سے پاک ہے اس میں سلیمان علیہ السلام کا ایک قول نقل کیا گیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ گھر میں ایک کوڑا لٹکتا رہنا چاہئے تاکہ بیوی بچوں پر اس کا رعب رہے کہ اگر کوئی غلط کام کیا تو اس کی سزا ملے گی۔

اسی طرح معاشرہ میں جو آدمی بھی صاحب اختیار ہے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کے اختیار میں جتنے بھی افراد ہیں انہیں بھلائی اور نیکی کے کاموں کا حکم دے اور برائیوں اور گناہ کے کاموں سے حکماً منع کرے۔اس کا جس حد تک بھی اختیار ہے اسے استعمال کرے۔اگر وہ باپ ہے تو گھر کے افراد کی اصلاح اس کی ذمہ داری ہے۔اگر وہ دفتر میں افسر ہے تو اس کے ماتحت کی اصلاح اس کی ذمہ داری ہے۔اگر وہ ملک کا حکمران ہے تو تمام رعایا کی ذمہ داری اس کی ہے اس سے اس ذمہ داری کا حساب لیا جائے گا۔

اس دور میں بدقسمتی سے ہمارا کلچر بدلنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ہمارا نظام تعلیم بدلا جارہا ہے۔قرآن پاک جو ہمارے لئے ہدایت کا ابدی ذریعہ ہے اسے نصاب سے خارج کیا جارہا ہے۔ہمارے سکولوں اور کالجوں میں جو کچھ پڑھایا جارہا ہے اور علم کے نام پر جو کچھ طالب علموں کے ذہنوں میں اتارا جارہا ہے وہ ایسا زہر ہے جس کا کوئی تریاق نہیں۔استاد اعلانیہ کفر کی تعلیم دے رہے ہیں۔ان اداروں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ زبان سے بیشک اظہار نہ کریں مگر ان کے دل متذبذب ہو چکے ہیں کہ کیا یہ دین سچا ہے؟ کیا کوئی خدا ہے بھی یا نہیں؟ بقول ابلیس

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے نرم جس طرف چاہے ادھر کو موڑ

اس بات کا پرچار کیا جارہا ہے کہ ہمیں دوسرے کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہئے۔

ہر آدمی کی شخصی آزادی کا احترام کرنا چاہئے

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

چاہے مرد، مرد سے شادی کرے، ماں سے زنا کرے، شراب پیئے، سور کھائے یا سر عام جوا کھیلے۔دوسرے کو کیا حق ہے کہ اس معاملے میں دخل دے کر کسی کی شخصی آزادی پہ قدغن لگائے۔ اس دور میں تین فتنے ہیں جو یورپ نے پھیلائے ہیں۔ان کی اصل پرانی ہے مگر ان پر نیا لیبل لگا کر پیش کیا جارہا ہے۔

ان میں سب سے بڑا فتنہ سیکولرازم ہے کہ مذہب ہر شخص کا انفرادی معاملہ ہونا چاہیے۔وہ چاہے تو مندر میں جا کر پوجا پاٹ کرے یا مسجد میں جا کر نماز پڑھے۔شادی بیاہ کے معاملات اپنے عقیدے کے مطابق ادا کرے مگر حکومت کے معاملے میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔یہ اس دور کا بدترین کفر ہے۔بدقسمتی سے مسلمانوں نے اس کے خلاف جہاد ترک کر دیا ہے۔تمام مسلمان ملکوں میں صدیوں سے یہ نظام عملاً رائج ہے۔

کوتلیہ چانکیہ کی ارتھ شاستر ہو یا میکاولی کی پرنس Princess اس میں یہی بات ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ حکومت کا نیکی کے کاموں سے کوئی تعلق نہیں۔حکومت چلانے کے لئے کوئی اصول نہیں ہوتے۔اس کے لئے دھونس، دھاندلی، جبر، جھوٹ سب جائز ہے۔حکمرانوں کو اصولوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ صرف حکومت کا مفاد پیش نظر ہونا چاہئے۔رعایا کے اخلاق و اقدار کی پرواہ نہیں ہونی چاہئے۔انہیں کھیل تماشوں میں لگائے رکھیں تاکہ ان کا دھیان حکومت کی طرف نہ جائے۔

ایک تو یہ نظریہ ہے جو اوپر بیان ہوا ہے اور دوسرا خلافت کا نظام ہے اس میں خلیفہ اللہ اور عوام دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔سب سے پہلے وہ اللہ کا نائب ہے۔اللہ کی طرف سے آئے ہوئے احکام کی پابندی کرانا اس کی ذمہ داری ہے۔وہ صرف وعظ ہی نہیں کرتا بلکہ زبردستی ان احکام کی پابندی کراتا ہے۔عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں کوڑا ہوتا ہے۔جو بھی ان احکام کے ماننے سے پہلوتہی کرے اسے کوڑے سے سیدھا کر دیتا ہے۔

دوسری طرف عوام کے سامنے اس حد تک جواب دہ ہے کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ طبیب نے شہد تجویز کیا۔بیت المال میں شہد موجود تھا، مگر اس وقت تک نہیں لیا جب تک لوگوں سے پوچھ نہیں لیا کہ طبیب نے میرے لئے شہد تجویز کیا ہے کیا میں بیت المال سے لے لوں۔

لوگوں نے اجازت دی تو شہد استعمال کیا۔

یہی وجہ ہے کہ حکومت بے لگام نہیں ہوتی۔ حاکم ظلم نہیں کرسکتا۔ عمر رضی اللہ عنہ جیسا باجرأت حکمران جو آدھی دنیا کا بلاشرکت غیرے مالک تھا، ایک عورت کے سامنے بے بس ہوجاتا ہے۔ یہ برکت اسی وجہ سے تھی کہ اس کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں تلوار تھی۔ قرآن اسے راہ راست پر رکھتا اور تلوار رعایا کو صراط مستقیم پہ چلاتی۔ یہ اسی نظام کی برکت تھی کہ ایک عورت سونا اچھالتی ہوئی مدینہ سے مصر تک سفر کرتی اور اسے کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا۔ ورنہ اسلام سے پہلے یہ حالت تھی کہ بڑے بڑے قافلے بھی سفر کے دوران محفوظ نہ تھے۔

جب سے یہ نظام ختم ہوا ہر شخص پریشان ہے۔ حکمرانوں کو عوام کی پروا نہیں ہے۔ رعایا قوانین کی پابندی نہیں کرتی۔ کوئی بھی شخص ٹیکس دینے کے لئے تیار نہیں۔ ورنہ حالت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں آپ کا ایک کلکٹر زکوۃ اکٹھی کرنے کے لئے کسی شخص کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہارے پاس کیا مال واسباب ہے۔ اس نے بتا دیا کہ میرے پاس اتنے اونٹ اور بکریاں ہیں۔ کلکٹر نے حساب کیا تو ایک سال کا اونٹ اس کی طرف زکوۃ کی مد میں واجب الاداء تھا۔ زکوۃ دینے والا شخص کہنے لگا کہ ایک سال کا اونٹ بیت المال کے کس کام آئے گا۔ میں ایک بڑا اونٹ دینا چاہتا ہوں۔ مگر کلکٹر بضد تھا کہ میں تو صرف ایک سال کا اونٹ لینے کا مجاز ہوں۔ اگر تم زیادہ دینا چاہتے ہو تو خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کردو۔ وہ شخص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا اور تمام ماجرا کہہ سنایا! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ میرے نمائندے نے وہی کیا جس کا میں نے اسے حکم دیا تھا مگر تمہارا جذبہ زیادہ دینے کا ہے تو بیت المال میں جا کر جمع کرادو۔ [1]

دوئی ملک و دین کے لئے نامرادی
دوئی چشم و تہذیب کی نابصیری

حکومت اور دین لازم ملزوم ہیں۔ اگر یہ الگ ہوجائیں تو وہی منظر بنتا ہے جو آج کل ہمارا ہے۔ کیونکہ دین حکومت کو روک نہیں سکتا۔ حالانکہ ہونا تو یوں چاہیے

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری

[1] عون المعبود باب زکاۃ السائمۃ: 16/2،

تخت پہ بیٹھنے والا حکمران ہی اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ شکر گزار بندہ ہو۔ سیکولرازم کے حامی کہتے ہیں کہ آپ لوگ اپنا نماز روزہ کریں۔ قانون سازی اور حکومت کے معاملات پارلیمنٹ کے سپرد کردیں۔ ممبران جیسی چاہیں قانون سازی کریں۔ مذہب کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ بدقسمتی سے انہوں نے دین کا مطالعہ ہی نہیں کیا ورنہ انہیں علم ہوتا کہ دین جس طرح نماز اور روزے کے مسائل بتاتا ہے اسی طرح وہ قانون سازی کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ اس نے وہ رہنما اصول متعین کردیئے ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے قانون سازی کرنی ہے۔ دین جنگ کے قوانین، ٹیکس وصول کرنے اور خرچ کرنے کے طریقے اور خارجہ تعلقات کے بارے میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ محض نماز روزہ ادا کرنا اور دیگر زندگی میں اپنی مرضی کرنا ایسے ہی ہے کہ ہم قرآن کے ایک فیصد پر عمل کریں اور ننانوے (99) فیصد کو لپیٹ کر الماری میں بند کردیں۔

ہندو اور بدھ مت لوگ تو اس طرح کرسکتے ہیں کہ چند عقائد اور پوجا پاٹ ادا کرلیں اور حکومت کو آزاد چھوڑ دیں۔ مگر اسلام میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ اسلام اپنی حکومت کے حق سے دستبردار ہوجائے۔

اس دور کا دوسرا فتنہ نیشنلزم ہے کہ تمام دنیا کو قومیتوں میں بانٹ دیا جائے اور ہر قوم آزاد ہو۔ کوئی کسی دوسرے ملک یا قوم کے معاملے میں دخل نہ دے۔ عرب اپنے عرب ہونے پر نازاں ہیں۔ ترکوں، کردوں اور ایرانیوں کو اپنی قومیتوں پر فخر ہے۔ مصریوں کو اپنی پرانی تہذیب عزیز ہے وہ اپنا تعلق فرعونی دور سے جوڑنے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ یورپ والوں کو اپنی سفید چمڑی پر فخر ہے۔ اس نیشنلزم نے انسانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا ہے۔

حالانکہ دین نے تو یہ سبق دیا تھا کہ آدم اور حوا کی اولاد ہونے کے ناتے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں مگر انسان نے اسے مختلف ٹکریوں میں بانٹ دیا۔ کہیں یہ تقسیم قومیت کے نام پر ہے۔ کہیں مذہب کے نام پر لوگوں کو تقسیم کیا گیا ہے۔ کہیں زبان کی بنیاد پر گروہ بنے ہوئے ہیں۔ ان کے مقابلے میں اسلام عالمگیریت کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ دنیا کا ایک گلوبل ولیج ہے اس میں کوئی بھی ملک یا قوم دوسروں سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔

اگر ایک ملک میں کوئی برائی پھیلتی ہے تو جغرافیائی سرحدیں اسے دوسرے ملکوں تک پہنچنے سے روک نہیں سکتیں۔ عریانی اور فحاشی کا جو طوفان یورپ سے اٹھا تھا وہ ہمارے گھروں تک پہنچ گیا

ہے۔اب ہم جتنی چاہے کوشش کریں اس سے بچ نہیں سکتے۔ہم اپنے گھر کو جتنا چاہیں صاف ستھرا رکھیں اگر ہمارے ہمسائے میں کوئی وبائی مرض آجائے تو ہم جتنی چاہے دیواریں اونچی کرلیں بیماری کے جراثیموں کو اپنے گھر داخل ہونے سے نہیں روک سکتے۔اسی طرح امریکہ اور یورپ میں جو کچھ ہوتا ہے ہم اس سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔سب سے پہلے پاکستان کا نعرہ لگانے والے عراق اور افغانستان میں ہونے والے واقعات سے کبھی بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔

اسلام ہم سے یہی مطالبہ کرتا ہے کہ دنیا میں کہیں ظلم ہو کسی جگہ برائی نظر آئے اسے طاقت سے روکو۔آج جو پوزیشن امریکہ نے حاصل کرلی ہے وہ مسلمانوں کی ہونی چاہیے تھی۔امریکہ اپنی یہ پوزیشن کفر کے لئے یا اپنے مفادات کے لئے استعمال کررہا ہے مگر جب مسلمانوں کی یہ پوزیشن تھی تو انہوں نے اسے دنیا کی بھلائی اور خیر کے لئے استعمال کیا۔انہوں نے مفتوح ممالک کے وسائل نہیں لوٹے بلکہ اسے انہی لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے خرچ کیا۔انہیں عقیدے اور مذہب کی آزادی دی۔اسلام ہم سے قومیت کی بجائے یہ کہتا ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

عرب کے ریگزاروں میں کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے یا انڈونیشیا اور ملایا کے ساحلوں پر، افغانستان اور کشمیر کے رہنے والے کسی تکلیف میں مبتلا ہوں یا خلیج فارس کے مسلمانوں کو کوئی گزند پہنچے تمام امت مسلمہ کا یہ اجتماعی فریضہ ہے کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوں اور کیفیت یہ ہو کہ [1]

سارے جہان کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس دور کا تیسرا فتنہ مغربی جمہوریت ہے کہ اکیاون (51) فیصد لوگ جس طرف ہو جائیں وہ قانون بن جاتا ہے چاہے وہ بات کتنی لغو اور بے ہودہ ہو۔جیسے کئی ممالک میں مرد کو مرد سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔تقریباً تمام یورپ میں مرد اور عورتیں نکاح کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔قانون انہیں اس بات کی اجازت دیتا ہے سب سے پہلے انہیں سیکولرازم کے نام پر اخلاقی طور پہ تباہ کیا۔اس کے بعد نیشنلزم کے نام پر من چاہے قوانین بنائے۔یہ اس دور کے بڑے فتنے ہیں جنہیں بہت علمی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔اس پہ کتابیں لکھی جارہی ہیں

[1] الترغیب : 246/3، مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل کتاب الحدود ح : 3588، 3589، کنز العمال: 14599،

یونیورسٹیوں اور کانفرنسوں میں اس موضوع پر لیکچرز دیئے جاتے ہیں۔اس کے مقابلے میں اسلام صرف انفرادی ذمہ داریاں عائد نہیں کرتا بلکہ اجتماعی احکام دیتا ہے۔

تاریخ میں ایک مسلمان سلطان کا واقعہ درج ہے کہ اس نے نفلی روزے اور تہجد پڑھنی شروع کردی۔کسی ولی اللہ کو اس بات کا علم ہوا کہ ہمارا سلطان بہت نیک اور عبادت گزار ہو گیا ہے تو اس ولی اللہ نے کہا: "ظالم نے جو درویشوں کے کرنے کا کام ہے، وہ شروع کردیا اور جو اس کے کرنے کا کام تھا اسے چھوڑ دیا۔یعنی اسے چاہیے تھا کہ وہ رعایا کی خبر گیری کرے، کسی پر ظلم اور زیادتی نہ ہونے دے مظلوموں کی دادرسی کرے۔ایک حد کا قائم کرنا ہزار نفل پر بھاری ہے۔حدیث میں ہے کہ ایک حد کا جاری ہونا کہ کسی چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں یا زانی کو کوڑے لگائے جائیں وہ چالیس دن کی رحمت کی بارش سے اولیٰ ہے۔اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑی نیکی اسے قرار دیا کہ وعظ و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو نیکی کی ترغیب دی جائے، انہیں برائیوں سے روکا جائے۔اسے اللہ نے کہا کہ

﴿ کُونُوْا اَنْصَارُ اللّٰہِ ﴾

"میرے مددگار بن جاؤ۔"

مسلمان جہاں کہیں موجود ہو۔اسے یہ بتانا نہ پڑے کہ میں مسلمان ہوں بلکہ اس کے قول و فعل سے یہ ظاہر ہو کہ وہ مسلمان ہے۔جس طرح کستوری کے بارے میں بتانا نہیں پڑتا بلکہ اس کی خوشبو ہی بتا دیتی ہے۔اس طرح مسلمانوں کا قول و فعل اس بات کا ثبوت ہو کہ یہ مسلمان ہے مسلمانوں کو اس بات پر فخر تو ہے کہ ہم سب سے اعلیٰ امت ہیں مگر جس وجہ سے اعلیٰ امت ہیں، اسے چھوڑ دیا ہے یعنی اللہ کو ماننے والے دین کے بارے میں غیرت رکھتے ہوں کہ اگر اسلام پر کہیں حملہ ہوا تو وہ خاموش نہ بیٹھا رہے۔

اللہ سورۃ انعام میں فرماتا ہے: کہ "کسی مجلس میں دین اور تیرے رسول کا مذاق اڑایا جائے تو تیرا اس مجلس میں بیٹھنا حرام ہے" یا تو اس کا جواب دے نہیں تو اس مجلس سے اٹھ جا! جس طرح کہیں میرے باپ کو گالی دی جائے اور میں خاموش رہوں، تو لوگ میرے نطفے کے بارے میں شک کریں گے۔اسی طرح کوئی دین کا مذاق اڑائے اور میں خاموشی سے سنتا رہوں تو میں محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امتی کہلوانے کا حق دار نہیں ہوسکتا۔دین صرف محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔جو کام انہوں نے کیا وہ نیکی بن گئی۔جس کام کو انہوں نے چھوڑ

دیا وہ برائی بن گئی۔

رمز قرآن روح ایماں جان دین
ہست حب رحمت للعالمین

جتنی کسی میں رسول ﷺ کی محبت ہوگی اتنا ہی اس میں دین ہوگا۔ رسول ﷺ کی ذات ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اگر کوئی مسلمان رسول ﷺ کی بات کے بارے میں شک کرے وہ واجب القتل ہے۔ کفار جتنا چاہیں قرآن پاک اور حدیث رسول کے بارے میں دلائل مانگیں مگر کسی مسلمان کو اس کی اجازت نہیں۔ اگر کسی کو شک ہے تو وہ کافر بن کر تحقیق کرے۔ اگر مطمئن ہو جائے تو دوبارہ کلمہ پڑھ لے۔ مگر مسلمان رہ کر قرآن و حدیث کے بارے میں شک کرنا سنگین جرم ہے اور اس کی سزا موت ہے۔ ہر گھر، ہر محلے، ہر ملک میں اسلام کی خلاف ورزی ہو رہی ہے مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی کہ اس کے خلاف جہاد کرے۔ اسلام پہ، نبی پاک ﷺ پہ کفار کی طرف سے حملے ہو رہے ہیں مگر کوئی انہیں جواب دینے والا نہیں، اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد نہیں کر رہا۔ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچنا چاہیے کہ ہم کیا کر رہے ہیں۔

اگر ہم دین کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دین میں پانچ بنیادی باتیں ہیں جن پر اگر ہم عمل پیرا ہوں تو دین مکمل ہوتا ہے۔

سب سے پہلی بات دل کی گواہی ہے کہ دل میں اس بارے میں کوئی شک نہ ہو کہ یہ دین سچا ہے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے جو کہہ دیا وہ بالکل حق ہے۔ سائنس جھوٹی ہو سکتی ہے۔ فلسفی جھوٹے ہیں۔ مگر محمد عربی ﷺ کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ ساری دنیا میں کفر کا طوفان آ جائے تمام ذرائع ابلاغ پروپیگنڈہ کریں کہ اسلام جھوٹا ہے۔ مسلمان کا دل اس بات پہ ٹکا ہونا چاہیے کہ قرآن کا ایک نقطہ بھی غلط نہیں ہے۔ رسول ﷺ نے جو فرما دیا وہ آسمان کے سورج سے زیادہ سچا ہے۔ اگر دل میں اس بارے میں ذرا بھی تذبذب ہے تو دین مشکوک ہے۔

دوسری بات زبان کی شہادت ہے کہ وہ جہاں بھی ہو دین کی تبلیغ کرے۔ اس کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں۔ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان ایک آیت کا بھی علم رکھتا ہو تو یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ جس کسی کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو بھی صلاحیت بخشی ہے وہ اس کا استعمال کرے۔ کوئی تقریر کر سکتا ہے تو وہ تقریر کے ذریعے، کوئی کتاب لکھ سکتا ہے تو کتاب کے ذریعے، دین کے مدرسے قائم کر کے، تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرے۔ اگر وہ ماں ہے تو بچوں کو ہوش سنبھالتے ہی رسول ﷺ کی سیرت سے آگاہ کرے۔ مجاہدین اسلام کی حکایتیں سنائے تاکہ دودھ کے ساتھ ہی بچے میں دین کی محبت بھی سرایت کر جائے۔

تیسری بات عمل کی گواہی ہے اس کا دین کے بارے میں کتنا ہی یقین ہو، وہ جتنی چاہے وعظ و تبلیغ کرے، جب تک وہ عمل کے ذریعے ثابت نہیں کرے گا تو کون اس کے زبانی دعوے پر یقین کرے گا۔ یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی شخص یہ اشتہار دے کہ میرے پاس ایک نسخہ ہے جس سے میں اندھوں کی بینائی لوٹا سکتا ہوں لیکن وہ خود اندھا ہو تو کون اس کے دعوے اور اشتہار کا یقین کرے گا۔ عمل کی گواہی قول کی گواہی سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔

چوتھی بات یہ کہ عمل انفرادی نہ ہو بلکہ تمام معاشرہ اسی رنگ میں رنگا ہوا ہو ملک کا تمام نظام اسلام کے تابع ہو۔ چپڑاسی سے لے کر صدر مملکت تک ہر شخص اسلام کا چلتا پھرتا اشتہار ہو۔ عدالت میں جج، بازار میں تاجر، دفاتر میں افسر اور ماتحت سب اسلام کا نمونہ ہوں۔ امیر المومنین قوم کا خادم ہو۔ ایک دفعہ قیصر روم کا سفیر مدینہ منورہ آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کدھر ہے اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے بتایا کہ ادھر چراگاہ میں بیت المال کے اونٹ چر رہے ہیں وہیں ہوں گے۔ سفیر چراگاہ پہنچا تو دیکھا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ ریت پر لیٹے ہوئے پسینے میں شرابور دھوپ میں سو رہے ہیں۔ قیصر کا سفیر انہیں دیکھ کر بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا عمر! تو انصاف کرتا ہے اس لئے تجھے اس سخت زمین پہ اتنی گرمی میں نیند آ جاتی ہے۔ ہمارے بادشاہ ظلم کرتے ہیں اس لئے انہیں مخمل کے نرم بستروں پہ نیند نہیں آتی۔ جب سارا معاشرہ اسلام میں ڈھلا ہوا ہو تو کسی تبلیغ کی ضرورت نہیں ہوگی۔ غیر مسلم ایسا معاشرہ دیکھ کر خود ہی اسلام کی صداقت پہ ایمان لے آئے گا

پانچویں اور آخری بات جہاد فی سبیل اللہ ہے کہ آدمی اپنی جان کی قربانی دے کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے۔ دنیا میں تمام لوگ ایسے شریف نہیں کہ قول و عمل کی گواہی سے مان جائیں انہیں منوانے کے لئے اپنی جان بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینی پڑتی ہے تاکہ لوگوں کو یقین آ جائے کہ اگر اللہ نہیں ہے تو اس شخص نے کس کی خاطر اپنی جان دی۔ یہ کسی بھی شخص کی دین کے سچا ثابت کرنے کے لئے آخری گواہی ہے۔ اس کے بعد کسی اور ثبوت اور دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کا سچا داعی بننے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ روز قیامت ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

موت

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ج فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴾ [34/سبا:14]

''اور پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر کر دیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے جو ان کے عصا کو کھاتا رہا جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اس ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔''

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

سامعین کرام! میں چھ دن سے ایک موضوع پر خطبہ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور وہ بہت اہم موضوع تھا مگر جب صبح اٹھا اور خبر سنی کہ پاکستانی فوج کے سترہ اٹھارہ (18،17) افراد حادثہ کا شکار ہو گئے تو اس وقت سمجھا کہ اللہ تعالیٰ ارادے بدلنے پر قادر ہے تو پھر میں نے ارادہ بدل لیا اور یہ بات حقیقت بن کر میرے سامنے آ گئی کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے اتنے بڑے بڑے عہدوں پر پہنچ کر کہ جن کی خواہش لوگ زندگی بھر کرتے رہتے ہیں یہ لوگ موت سے بچ نہیں سکے۔ تحقیق ہوتی رہے گی کہ یہ حادثہ کیسے ہوا مگر وہ لوگ تو واپس نہیں آ سکتے۔

یہ حادثہ ہم سب کے لئے عبرتناک ہے کہ ہم سوچیں کہ ہم کس کے سہارے بے فکر ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں کہ ہماری موت کا ابھی تک وقت نہیں آیا۔ موت کسی کی شخصیت کو نہیں دیکھتی کہ یہ بادشاہ ہے یا صدر۔ وہ تو سب سے ایک جیسا سلوک کرتی ہے یہ لوگ جو حادثہ کے شکار ہوئے لوگ ان کو کتنا بڑا سمجھتے تھے اور ان کو سلامیاں دی جاتی تھیں لیکن ایک معمولی سی وجہ سے موت کے منہ میں چلے گئے۔

جو آدمی اس کے بعد بھی غافل رہتا ہے تو وہ بے عقل ہے۔ کسی شخص کو باڈی گارڈ، قلعے اور بڑے بڑے محل موت سے نہیں بچا سکتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾

''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ ہو'' [4/النساء:78]

بڑے بڑے محل باڈی گارڈ توپیں اور فوج کسی کو موت سے نہیں بچا سکتیں۔ جو شخص جہاں بھی ہو گا موت اسے چھوڑے گی نہیں۔ موت ایسا پیغام ہے جو ہر جانے والا اپنے پیچھے رہنے والوں کو دے کر جاتا ہے اور پھر ایسے افراد کی موت جو سب کے سامنے عیاں ہو۔

میں نے سورۂ سبا کی آیت نمبر 14 پڑھی اس میں اللہ پاک نے ایسی ہی ایک عبرتناک موت کا ذکر کیا ہے۔ اگر کوئی موت سے بچ سکتا تو ایسے لوگ موت سے بچ جاتے۔ نہج البلاغۃ میں اسی آیت کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کا ایک خطبہ بھی ہے اگر علی رضی اللہ عنہ کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے تو پھر پتہ چلتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے علم کی وسعت کا کیا عالم تھا۔

((روی عن نوف البکالی قال خطبنا بھذہ الخطبة امیرا لمؤمنین علی علیه السلام بالکوفة وھو قائم علی حجارة نصبھا له جعده بن ھبیرة المخزومی وعلیه مدرعة من صوف وحمائل سیفه من لیف وفی رجلیه نعلان من لیف وکان جبینه ثفنة بعیر فقال علیه السلام ......اوصیکم عباداللہ بتقوی اللہ الذی البسکم الریاش واسبغ علیکم المعاش فلو ان احدا یجد الی البقاء سلما او لدفع الموت سبیلا لکان سلیمان بن داؤد الذی سخر له ملك الجن والانس مع النسوة وعظیم الزلفة فلما استوفی وطعمته واستکمل مدته رمته فی الفناء بنبال الموت واصبحت الدیار منه خالیةوالمساکن معطلة و ورثھا قوم آخرون وان لکم فی القرون السالفةلعبرة این العمالقة وابناء العمالقة این

الفراعنة وابناء الفراعنة اين اصحاب مدائن الرس الذين قتلوا النبيين واطفؤوا سنن المرسلين واحيوا سنن الجبارين اين الذين ساروا بالجيوش وهزموا بالالوف وعسكروا العساكر ومدنوا المدائن))

''نوف البکالی بیان کرتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ہمیں یہ خطبہ دیا اس حال میں کہ آپ پتھروں پر کھڑے تھے جنہیں جعدہ بن ہبیرۃ نے آپ کے لئے لگایا تھا آپ نے اون کا کُرتا پہن رکھا تھا اور تلوار کی نیام کھجوروں کے پتوں کی تھی اور کھجور کے پتوں ہی کی آپ کی جوتیاں تھیں اور آپ کی پیشانی کثرت سجود سے اونٹ کے گھٹنے کی طرح سخت ہو چکی تھی تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا: اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں جس نے تمہیں خوبصورت لباس پہنائے اور معاش کے بہت سے دروازے تمہارے لئے کھولے اس دنیا میں اگر کوئی ہمیشہ زندہ رہتا یا کسی کو موت سے پناہ ملتی تو وہ سلیمان بن داود علیہ السلام ہوتے جن کے لئے نبوت کے ساتھ ساتھ جن اور انسانوں کی بادشاہت بھی مسخر کر دی گئی تھی اور وہ اللہ کے برگزیدہ بندے تھے لیکن اس کے باوجود جب انہوں نے اپنی روزی کھالی اور اپنی زندگی اس دنیا میں گزار لی تو موت کے تیر کا نشانہ بن گئے اور گھر آپ کی ذات سے خالی ہو گئے اور دوسرے لوگ آپ کے وارث بن گئے۔ان گزرے ہوئے زمانوں میں تمہارے لئے عبرت کا سامان ہے۔عمالقہ اور اس کے بیٹے کہاں ہیں؟ فرعون اور اُس کے فرزند کہاں ہیں؟ اصحاب مدین کنویں والے کہاں ہیں؟ جنہوں نے نبیوں کو قتل کیا، نبیوں کی سنتوں کو مٹایا اور ظالموں کے طریقوں کو زندہ کیا۔کہاں ہیں وہ لوگ جو لشکروں کے ساتھ چلتے تھے اور انہوں نے ہزاروں کے لشکر کو شکست دی۔ بڑے بڑے لشکر تیار کئے اور بڑے بڑے شہر آباد کئے آج وہ کہاں ہیں۔''

آپ نے غور فرمایا!

علی رضی اللہ عنہ کے زہد وورع کا یہ حال تھا اتنے بڑے حکمران ہونے کے باوجود آپ نے اُون کا موٹا لباس پہنا ہوا تھا اور پاؤں میں جوتی بھی کوئی شاندار اور نفیس نہیں تھی بلکہ کھجور کے پتوں کی تھی اور تلوار کہ جس سے آپ دشمنان اسلام کی گردنیں اڑاتے تھے اس کا نیام بھی کھجور کے پتوں کا تھا۔ آپ کا یہ خطبہ انتہائی بلیغ اور مؤثر ہے۔آپ نے اپنے اس خطبہ میں سلیمان علیہ السلام کا حوالہ دیا ہے کہ جن کو اللہ نے نبوت کے ساتھ سلطنت بھی عطا فرمائی تھی اور بڑے بڑے جن آپ کے تابع تھے آپ جو حکم انہیں دیتے تھے وہ بجالاتے تھے اور آپ کا تخت ایسا تھا کہ وہ ہواؤں میں اڑتا تھا اور صبح وشام کے وقت دو مہینے کی مسافت طے کر لیتا تھا وہ بھی ہوائی جہاز ہی کی طرح کا تھا آپ کا کھانا اتنی بڑی بڑی دیگوں میں پکتا تھا کہ جن کو کوئی اٹھا بھی نہیں سکتا تھا۔

جب ملکہء بلقیس آپ کے پاس آئیں تو آپ نے شیشے کا محل تیار کر لیا تھا جب ملکہ بلقیس اس پر سے گزریں تو اس نے پانی سمجھا اس لئے اپنے پائنچے اوپر کر لئے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ پانی نہیں بلکہ شیشہ ہے۔ اللہ نے اتنی بڑی سلطنت عطا کی ہوئی تھی کہ انسان اور جن حتیٰ کہ پرندے بھی آپ کے حکم کے منتظر رہتے تھے، لیکن وہ بھی موت سے نہ بچ سکے اور موت نے ان کو اتنا وقت بھی نہ دیا کہ بستر پر لیٹ ہی سکیں۔ وہ کھڑے تھے انہوں نے اپنا حجرہ بنایا ہوا تھا اور حکم دیا تھا کہ مجھے کوئی نہ ملے، اپنا کاروبار حکومت آصف بن برخیا جو آپ کے وزیر اعظم تھے ان کے حوالے کیا ہوا تھا اور آپ کبھی کبھی ایسا کیا کرتے تھے اس حال میں آپ تھے کہ آپ نے ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا وہ آپ کے پاس آیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آج میں تم سے ملاقات نہیں کر سکتا ہوں اس نے کہا کہ میں جس کے پاس بھی جاتا ہوں کبھی اس سے ملاقات کا وقت نہیں لیا کرتا کسی کے پاس وقت ہو یا نہ ہو میں اس سے وقت لے لیا کرتا ہوں اور کوئی چیز مجھے روک نہیں سکتی نہ میں رشوت لیتا ہوں اور نہ میں کسی سے ڈرتا ہوں چنانچہ آپ چھڑی کے سہارے کھڑے تھے کہ اسی حالت میں آپ کی روح قبض کر لی گئی۔قرآن کہتا ہے:

﴿ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴾ [/سبا: 14]

''اور جب ہم نے آپ کی موت کا حکم دیا تو کسی کو آپ کی موت کا پتا نہ چلا آپ چھڑی کے سہارے کھڑے تھے اور جن مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں مصروف تھے پھر جب آپ کی چھڑی کو گھن لگ گئی اور لکڑی کمزور ہوگئی تو اس وقت وہ آپ کو سہارا نہ دے سکی تو آپ پھر زمین پر گر پڑے۔ اس وقت جنوں کو معلوم ہوا کہ آپ وفات پا چکے ہیں اگر انہیں غیب کا علم ہوتا تو وہ اس طرح رسوا کن عذاب میں پھنسے نہ رہتے۔''

قرآن مجید زندگی کو فانی قرار دیتا ہے اور انسان کو اس بات کا ہر وقت احساس دلاتا ہے کہ ایک دن آئے گا جب وہ اس دنیا کو چھوڑ جائے گا اور قرآن کہتا ہے:

﴿ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ﴾

''ہر نفس نے موت کا مزا چکھنا ہے۔''

قرآن مجید صرف کھیل تماشے کی بات نہیں کرتا بلکہ یہ نصیحت کی کتاب ہے اور لوگوں کو حقائق سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے:

﴿ فَذَكِّرْ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾

''اس قرآن سے ان لوگوں کو نصیحت کیجئے جو وعید سے ڈرتے ہیں۔''

قرآن مجید اس وقت نازل ہوا جب عرب جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے اور صرف یہی نہیں کہ وہ برے کام کرتے تھے بلکہ اسے فخر سے بیان بھی کیا جاتا تھا اور وہ اس میں کوئی شرم بھی محسوس نہیں کرتے تھے۔ اس قوم کو اللہ کے رسول نے قرآن مجید سنایا اور موت کی یاد دلائی کہ ایک وقت آئے گا جب تم اس دنیا کو چھوڑ کر اللہ کے پاس جاؤ گے اور تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس قوم کو قرآن سنایا تو قرآن نے ان پر اثر کیا اور چونکہ وہ ان کی زبان میں نازل ہوا تھا اس لئے جب وہ قرآن کو سنتے تو ان کے دل دہل جاتے اور وہ اللہ کے خوف سے کانپنا شروع کر دیتے۔ وہ ہماری طرح تو قرآن نہیں پڑھا کرتے تھے کہ شبینہ میں ختم کر لیا جائے یا تراویح میں جلدی جلدی پڑھ کر جان چھڑا لی جائے اور سارا قرآن پڑھنے اور سننے کے بعد بھی یہ پتہ نہ ہو کہ کیا پڑھا اور کیا سنا۔ وہ تو قرآن مجید کا ایک ایک لفظ سنتے اور سمجھتے تھے بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین دن سے پہلے قرآن مجید کو ختم کرنے سے منع کر دیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید کو رسمی طور پر نہیں پڑھتے تھے بلکہ قرآن کہتا ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴾

''مومن تو ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان کے سامنے قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔''

[8/انفال:2]

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم موت کی تیاری کر لو اور اسے ہر وقت پیش نظر رکھو کسی وقت بھی تم موت کی آغوش میں جا سکتے ہو اور پھر اچانک موت جس کی آج کل بڑی کثرت ہے یہ تو بستر کی موت سے بھی زیادہ قابل رحم ہے چونکہ بستر کی موت کے موقع پر انسان توبہ واستغفار کر لیتا ہے لیکن اچانک موت میں تو اس کا بھی احتمال نہیں ہوتا۔

ہمارے علاقہ میں ایک آدمی تھا جو اذان دیا کرتا تھا وہ ایک دن اذان کے لئے وضو کر رہا تھا اور ٹونٹی پکڑی ہوئی تھی اس کی موت آ گئی لوگ وضو کر کے نماز پڑھنے لگے لیکن وہ وہیں بیٹھا رہا تو جب جماعت کا وقت آیا تو لوگوں نے کہا کہ مؤذن نہیں آیا وہ کہاں ہے تو جب جا کر دیکھا تو وہ وفات پا چکا تھا۔ تو یہ موت ہر ایک کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ اس دنیا میں ہمیشگی کسی کو حاصل نہیں اگر کسی کو دنیا میں ہمیشہ رہنا ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ رہتے

گر سلیمان زماں بھی ہو گیا
تو بھی اے سلطان آخر موت ہے

اگر کوئی اس دنیا میں ہزار برس بھی زندہ رہے پھر بھی وہ موت سے بچ نہیں سکتا حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کتنی لمبی عمر عطا فرمائی کہ قرآن مجید کہتا ہے:

''آپ ان میں پچاس سال کم پورے ہزار سال رہے لیکن پھر بھی موت سے بچ نہ سکے۔''

کچھ لوگ جنوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ قرآن مجید جنوں کے متعلق کہتا ہے کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو کبھی بھی اس رسوا کن عذاب میں مبتلاء نہ رہتے۔ سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے تھے لیکن ان کو پتہ بھی نہ چلا

اور وہ مسجد تعمیر کرتے رہے۔

موت ایک اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی مفر نہیں۔ موت کا فرشتہ کسی کی عمر کو نہیں دیکھتا کہ ابھی یہ بچہ ہے جوان ہوگا اور پھر بوڑھا ہوگا پھر کہیں اس کی موت کا وقت آئے گا بلکہ ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے۔ جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو پھر موت نہیں دیکھتی کہ یہ بچہ ہے، جوان ہے، بوڑھا ہے، غریب ہے، امیر ہے، پردیسی ہے، بلکہ جب موت کا وقت آ جاتا ہے تو پھر وہ آ جاتی ہے اور اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

آپ نے کتنے بچے دیکھے ہوں گے کہ جب وہ پیدا ہوتے ہیں تو گھر میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور مٹھائی بانٹنے کا اہتمام ہوتا ہے لیکن کچھ لمحات گزار کر پھر وہ موت کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ گھر جس میں چند روز پہلے خوشی کا سماں ہوتا ہے اس میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ اور دوسری طرف کچھ لوگ اتنے بوڑھے ہو جاتے ہیں کہ وہ دعائیں کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں موت دے لیکن ان کو موت نہیں آتی۔

زندگی انسان کی ہے مانند مرغ خوش نوا
شاخ پہ بیٹھا ذرا سا چہچہایا اڑ گیا

جب کوئی عالم مر جاتا ہے تو پھر اس کے بعد لوگ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ بہت بڑا عالم تھا۔ چار دانگ عالم اس کا شہرہ تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کا ذکر بھی باقی نہیں رہتا اور لوگ اس کو بھول جاتے ہیں۔ اللہ نے قرآن مجید میں تین قسمیں کھا کر فرمایا ہے:

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ [19/طارق:19]

”ہمیں شام کی سرخی کی قسم اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ اکٹھا کر لیتی ہے ان کی اور چاند کی جب وہ کامل ہو جائے کہ تم درجہ بدرجہ اپنی منزل کی طرف چڑھو گے۔“

اسی طرح جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو اس کا چرچا ہوتا ہے اور پھر جب موت آتی ہے تو پھر انسان کا ذکر ہوتا ہے لیکن آخر کار لوگ اس کو بھول جاتے ہیں لیکن اس سے انسان کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ جس طرح چاند چھپ کر پھر نکل آتا ہے اسی طرح انسان مر کر پھر زندہ ہو جائے گا اور درجہ بدرجہ ہر انسان اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ موت، برزخ اور قیامت

ان سب مراحل سے انسان گزر کر اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اسی لئے فرمایا: اگر کوئی موت کی گرفت سے بچ سکتا تو وہ سلیمان علیہ السلام ہوتے۔ قرآن مجید نے ایک موقعہ پر فرمایا: انسان روئے گا چلائے گا لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو تین چیزیں اس کے پیچھے رہ جاتی ہیں دو واپس آ جاتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے جو واپس آ جاتی ہیں وہ رشتہ دار اور مال ہوتا ہے اور جو ساتھ جاتا ہے وہ اس کے اعمال ہوتے ہیں۔ {1}

انسان کی جائداد روپیہ پیسہ تو وہیں پڑا رہ جاتا ہے رشتہ دار قبر تک اس کے ساتھ جاتے ہیں اور اللہ ان کی جوتیوں کی آواز بھی اس کو سناتا ہے کہ دیکھ جن کو تو اپنا ساتھی خیال کرتا تھا وہ بھی تجھ کو چھوڑے جا رہے ہیں۔ اور تیسری چیز جس کی انسان پرواہ نہیں کرتا وہ اس کے اعمال ہوتے ہیں اگر اچھے اعمال ہوں گے تو اس کی راحت کا سبب بنیں گے اور اگر برے اعمال ہوں گے تو عذاب کا سبب ہوں گے۔

جنہاں واسطے پاپ کماونا ایں
حامی کار اولاد تے رن ناہیں

تیری بیوی اور اولاد قیامت کے دن تیرے خلاف گواہی دیں گے کہ اس نے ہمیں حرام مال کھلایا قیامت کے دن وہ بھی تیرا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ اس لئے حلال کی روزی کماؤ اور نیک اعمال کرو تاکہ قیامت کے دن نجات کا باعث بنیں۔

ہارون الرشید بنو عباس کا عظیم الشان حکمران تھا جس کی پوری دنیا پر حکمرانی تھی اور اگر کہیں حکمرانی نہیں تھی تو وہاں سے ٹیکس اور جزیہ اس کو پہنچتا تھا۔ ہارون خراساں کے دورے پر گیا ہوا تھا کہ اچانک بیمار ہو گیا۔ طوس سے ایک بہت دانا طبیب کو بلایا گیا۔ اس نے طبیب کا امتحان لینے کے لئے اپنا پیشاب ایک شیشی میں ڈال دیا اور دوسرے لوگوں کا پیشاب بھی شیشیوں میں ڈال دیا تو جب طبیب آیا تو اس کے سامنے وہ شیشیاں رکھ دی گئیں تو وہ شیشیاں دیکھتا گیا جب ہارون الرشید کی شیشی کو دیکھا تو اس نے کہا کہ یہ جس شخص کا پیشاب ہے اس کی موت کا وقت آ چکا ہے وہ جو وصیت کرنا چاہے تو کر لے۔ اس وقت ہارون نے یہ اشعار پڑھے

ان الطبیب بطبه ودواء ه
لا یستطیع دفاع نحب قد اتی

{1} مسند حمیدی احادیث انس بن مالک ح: 1156، فتح الباری شرح بخاری: 290/11،

ان الطبیب یموت بالداء الذی
قد کان یبرئ منہ فی ما قد مضی

''جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو طبیب اور دوائی اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی بلکہ طبیب خود اس بیماری سے مرتا ہے جس سے وہ بہت سے لوگوں کو شفا بخشتا ہے۔ تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے۔''

اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ ہارون وفات پا چکا ہے حالانکہ وہ ابھی زندہ تھا تو اس نے حکم دیا کہ مجھے گھوڑے پر سوار کر کے سیر کرائی جائے تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ ہارون ابھی زندہ ہے جب اس کو سوار کرانے لگے اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں تو اس نے کہا کہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں کہ ہارون وفات پا گیا اور اس کو قرآن مجید کی یہ آیت یاد آئی:

﴿مَا اَغْنٰی عَنِّی مَالِيَهْ هَلَكَ عَنِّی سُلْطَانِيَهْ﴾ [69/الحاقة:28,29]

''ہارون کے کوئی چیز کام نہ آئی حالانکہ اتنی لمبی چوڑی اس کی سلطنت تھی کثیر تعداد میں فوج تھی خزانہ اس کا مال سے بھرا ہوا تھا۔''

یہ واقعات عبرت کے لئے ہوتے ہیں اور اللہ لوگوں کو ایسے واقعات دکھاتا ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ کوئی اپنی طاقت پر گھمنڈ نہ کرے۔ یہ سب چیزیں عارضی ہیں۔ اللہ کا حکم غالب ہے۔ اللہ پاک کسی کے مال و دولت اور اولاد احفاد کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تقویٰ دیکھتا ہے کہ کوئی اللہ سے کتنا ڈرتا ہے۔ ایک قسم کے لوگ تو ایسے ہیں:

﴿فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾

''جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' [79/النازعات:37,38,39]

یہ قیامت کے دن زار و قطار التجائیں کریں گے لیکن اس وقت ان کی التجائیں کسی کام نہیں آئیں گی۔ اس وقت ان کے اعمال کا بدلہ ان کو دیا جائے گا۔

﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ [3/آل عمران:4]

''اللہ سخت بدلہ لینے والا ہے۔''

اللہ پاک سب کچھ دیکھ رہا تھا جو تم کرتے ہو۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ [89/فجر:14]

''بے شک تیرا رب گھات میں ہے۔''

دوسرے لوگ وہ ہیں جن کے متعلق قرآن کہتا ہے:

﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی﴾ [79/النازعات:40,41]

''جو لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور انہوں نے نیک اعمال کیے تو ان کا ٹھکانا جنت ہوگا۔''

قیامت کے دن ان کو ان کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا:

﴿اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰی بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا﴾

''خود ہی اپنا نامہ اعمال پڑھ لے۔ تمہارا ٹھکانا جنت ہے جہاں پر ہر نعمت میسر ہوگی۔'' [17/بنی اسرائیل:14]

دوزخ سے بڑھ کر کوئی برا ٹھکانا نہیں اس کے عذاب کیا بیان کیے جائیں۔ قرآن مجید نے صاف کہہ دیا جو وہاں چلا گیا اس کا بہت برا حال ہوگا: نہ اس کو موت آئے گی کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائے اور نہ ہی عذاب والی زندگی میں جینے کا مزہ ہوگا وہ بہت چیخے گا چلائے گا اور موت کی تمنا کرے گا اور کہے گا:

﴿يَا لَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ﴾ [69/الحاقة:27]

''کاش میں موت کے بعد دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا۔''

اس وقت اس کا رونا چلانا کسی کام نہیں آئے گا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

قیامت کے دن اللہ دوزخیوں کو دردناک عذاب دے گا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ عذاب رسوا کن بھی ہوگا اس دنیا میں کسی پر کتنی بڑی مصیبت آجائے لیکن لوگ اسے برداشت کر لیتے ہیں لیکن رسوائی کو کوئی برداشت نہیں کرتا۔ عزت کی خاطر لوگ اپنی جان دے دیتے ہیں اور رسوائی کی زندگی سے موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن نہ صرف دردناک عذاب ہوگا بلکہ رسوا کن بھی ہوگا اور کسی طرح بھی اس عذاب سے چھٹکارا نہیں ہوگا۔ موت آئے گی اور نہ ہی کہیں پناہ ملے گی۔ دوسری طرف وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی احکام خداوندی کے

مطابق بسر کی جن کے متعلق اللہ نے خود فرمایا:

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا
جو سنا افسانہ تھا

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ﴾ [98/البینة: 8]

''اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے''

جنہوں نے ہر معاملہ میں اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دی۔ دنیا کی مال و دولت اور رنگینی ان کو اللہ سے غافل نہ کرسکی۔

جن کے متعلق علامہ اقبال نے کہا:

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم گماں لاالہ الااللہ

اللہ قیامت کے دن ان کو فرمائے گا کہ تم دنیا میں میرا کہا مانتے تھے لیکن آج میں تمہارا کہا مانوں گا آج جو کچھ تم طلب کرو گے میں وہ تمہیں عطا کروں گا۔ اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ انہی لوگوں کو اللہ نے فرشتوں کے سامنے پیش کیا تھا جب اللہ نے فرشتوں سے کہا تھا: میں زمین میں خلیفہ بنانے لگا ہوں تو انہوں نے کہا کہ تو ایسی مخلوق کو پیدا کرنے لگا ہے جو زمین میں فساد کرے گی اور خون ریزی کریگی حالانکہ ہم تیری تقدیس و تسبیح کرتے ہیں۔ اللہ نے جواب میں فرمایا تھا: میں جانتا ہوں کہ ان میں فسادی بھی ہوں گے۔

لیکن میں نے یہ دنیا ان کے لئے نہیں بلکہ ان کے لئے بنائی ہے جو میرے لئے اپنا سب کچھ قربان کردیں گے۔ اپنا سر میری راہ میں کٹوا دیں گے اور اپنے خون سے میرے ایک ہونے کی گواہی دیں گے۔ ان میں ابراہیم علیہ السلام ہوگا جو میری خاطر آگ میں چھلانگ لگا دے گا۔ میری خاطر اپنے بیوی بچوں کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ آئے گا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوگا جو میرے حکم پر چھری کے نیچے ذبح ہونے کے لئے تیار ہوجائے گا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہوگا جو اپنے بچوں اور خاندان کو لے کر کربلا میں آجائے گا اور اپنا سب کچھ قربان کردے گا۔

مقام بندگی دیگر مقام عاشقی دیگر
زِ نوری سجدہ می خواہی زِ خاکی پیش ازاں خواہی

اے فرشتو! تم تو فقط عبادت کرتے ہو۔ مجھے کچھ عاشق چاہیئے ہیں۔ فرشتوں نے یہ کوئی اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ اس کی حکمت پوچھی تھی تو اللہ نے ان کے سامنے تمام نیک لوگ کر دیئے جن کی وجہ سے اللہ نے یہ دنیا بنائی ہے اور جب کہا:

﴿أَنۢبِـُٔونِي بِأَسۡمَآءِ هَٰٓؤُلَآءِ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ﴾ [2/البقرة: 140]

تو اس میں اسماء سے مراد صرف چیزوں کے نام نہ تھے بلکہ وہ صالحین اور نیک لوگ تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی راہ میں بسر کردی وہ ابراہیم، اسماعیل اسحاق علیہم السلام وغیرہ تھے۔

اللہ پاک نے فرمایا تھا کہ تم فقط میری عبادت کرتے ہو مجھے کچھ عاشق چاہئیں جن کی میں آزمائش کرسکوں؟ عبادت کرنا بہت کم درجہ ہے لیکن کچھ وہ لوگ بھی ہوں گے جن کو معلوم ہوگا کہ ہمارے سرتن سے جدا کئے جائیں گے، ہماری لاشوں کی بے حرمتی کی جائے گی، اوپر گھوڑے دوڑائے جائیں گے، عورتوں کو گرفتار کیا جائے گا، بچے ذبح ہوں گے لیکن پھر بھی وہ میری راہ میں جان قربان کریں گے۔

جنگ احد کے موقعہ پر جب ستر (70) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے تو لوگوں نے کہا کہ اب اللہ کی مدد کہاں گئی اب اللہ نے تمہاری مدد کیوں نہ کی؟ اس موقعہ پر اللہ نے خود فرمایا:

﴿وَيَتَّخِذَ مِنكُمۡ شُهَدَآءَ﴾

مجھے کچھ شہیدوں کی ضرورت تھی جو اپنے خون سے اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ ہے حقیقت میں شہید ہی اللہ کے ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ ورنہ ہم تو صرف زبان سے کہتے ہیں:

((اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ))

''اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔''

لیکن شہید اپنی جان قربان کر کے اپنے خون سے کلمہ کی گواہی دیتا ہے کہ اگر کوئی معبود نہ ہوتا تو پھر شہید اپنی جان قربان کیوں کرتے۔ شہید بھی سمجھتا ہے جان دینے میں تکلیف ہوتی ہے جان چلی جاتی ہے لیکن وہ اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ اپنے مولا پر قربان ہوجاتا ہے۔ ہم لوگ جن کو موت یاد نہیں وہ مال پر سانپ بن کر بیٹھے ہوتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراتے ہیں۔ جب کسی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مولوی صاحب تنگ نہ کیا کریں! آپ کو کیا معلوم ہمارے اخراجات کتنے زیادہ ہیں، لیکن جب

شادی کا موقعہ آتا ہے تو یہی لوگ فضول رسموں پر ایک دن میں لاکھوں روپیہ خرچ ڈالتے ہیں۔

دوسری طرف وہ لوگ جن کو موت یاد تھی ان کا عالم یہ تھا کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ جو علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی کے بیٹے اور آپ کی بڑی بیٹی زینب کے شوہر تھے یعنی آپ کے داماد یہ بہت مالدار تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابۃ میں ان کے متعلق لکھا ہے کہ ایک سوداگر تجارت کی غرض سے چینی لے کر آیا لیکن بھاؤ کم ہو گیا اور اسے بہت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا لیکن آپ نے اپنے منشی سے کہا کہ اس سے مہنگے داموں چینی خریدو اور لوگوں میں مفت تقسیم کرو تا کہ وہ اپنی ضرورت پوری کریں۔

﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾

یہی لوگ تھے جن کو اللہ کے وعدوں پر یقین تھا کہ اللہ ان کو اجر عطا فرمائے گا۔ ایک دانے کے بدلے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾

اور کسی کو یہ خیال نہ آئے کہ وہ کیسے دے گا کیونکہ وہ وسعت والا ہے اور جو بھی اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے اس کا اسے پتہ ہے۔

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ جب کسی سائل کو کوئی چیز دیتے تو اس کے ہاتھ پر رکھتے ہی اس چیز کو چوم لیتے۔ لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یہ چیز یا روپیہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اللہ کے دائیں ہاتھ پر جاتا ہے اس لئے میں اسے چوم لیتا ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے موت کو یاد رکھا اور آخرت کے لئے تیاری کی۔ انہوں نے دنیا کو فانی اور آخرت کو باقی رہنے والی سمجھا۔ اللہ ہم سب کو بھی آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

تسلیم ورضا

دو باتوں کا ذکر کتاب اللہ اور حدیث رسول میں اکثر پایا جاتا ہے بلکہ دین اسلام پر لکھی ہوئی اکثر کتابوں میں ان کا ذکر ملے گا یہ دو الفاظ دین کا مغز اور خلاصہ ہیں۔

کہنے کو تو یہ دو لفظ ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام دین کو ان دو الفاظ میں جمع کر دیا گیا ہے۔ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ کس چیز سے مومن کی پہچان ہوتی ہے۔ آخر ایک بندہ اعلان کرتا ہے کہ میں اللہ کو مانتا ہوں تو اس کا کوئی ثبوت بھی ہونا چاہئے محض دعوے سے کسی کا حق تسلیم نہیں کیا جا سکتا جس طرح کہ دنیاوی عدالتیں، کوئی شخص دعویٰ کرے تو اس کا ثبوت مانگتی ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ پر ایمان کا دعویٰ کرے تو اس کا کس طرح پتہ چلے گا کہ وہ مومن ہے؟

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کہ دو چیزوں سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ مومن ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکومت کے دو شعبے ہیں۔ ایک ''تکوینی امور'' اور دوسرے ''تشریعی امور'' ہیں اللہ کی طرف سے زندگی اور موت کے فیصلے، رزق کی تقسیم، خوشی و غم تکوینی امور کے ذیل میں آتے ہیں۔ جب کہ دوسرا شعبہ جو کہ قانون ساز ہے وہ ہمیں زندگی گزارنے کے طریقے بتاتا ہے، اور حلال و حرام کا حکم دیتا ہے۔

اللہ نے کوئی کام کرنے کا حکم دیا اور بندے نے اس کو بخوشی مان لیا۔ اس کا نام تسلیم ہے اللہ نے کسی بات سے رک جانے کا حکم دیا اس کا کہا مان لیا اور رک گیا۔ اسے تسلیم کہتے ہیں۔ فرمان خداوندی کے سامنے اس نے سر خم کر دیا، ساری شریعت اس میں آ جاتی ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی تقدیر میں جو بھی خوشی یا غم ہو اس پر راضی رہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مومن ہے۔

اس لئے اذان میں ((اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ)) کو دو دفعہ دہرایا گیا ہے۔ شاہ رفیع الدین نے اذان کے بارے میں ایک رسالہ لکھا ہے اس میں انہوں نے فلسفہ اذان کے بارے میں بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: کہ غور کرنے کی بات ہے کہ آخر اذان میں شامل کلمات کو ایک معین تعداد میں کہنے کا حکم کیوں دیا گیا، دین میں شامل باتوں کو سمجھنے کے لئے اذان کو سمجھ لینا ہی کافی ہے۔

اذان میں دو دفعہ ((اشهد ان لا اله الا الله)) کہنا بھی اسی بات کا اقرار ہے میں تیری طرف سے تقدیر میں جو بھی آئے اس کو مانتا ہوں اور تیری طرف سے جو حکم بھی ملے گا اسے تسلیم

کروں گا اب شہادت کے بارے میں بھی لوگوں میں جھگڑا ہے۔حق کی آواز بلند کرنے کو عربی میں شہادت کہتے ہیں۔رسول بھیجا گیا کہ وہ حق کا اعلان کرے۔

اللہ کے ایک معنیٰ منتظم ومدبر کے بھی ہیں۔جب کوئی بندہ ((اشهد ان لا اله الا الله)) کہتا ہے تو دراصل وہ یہ کہتا ہے کہ میں اللہ کی حکومت کو ماننے کا اعلان کرتا ہوں۔جو یہ سمجھتا ہے کہ دکھ اور سکھ کسی نبی ولی اور فرشتے کی طرف سے بھی آسکتے ہیں وہ اس کلمہ کا منکر ہوجاتا ہے۔کیونکہ یہ کلمہ کہہ کر بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ سارے جہاں پر حکمرانی کا حق صرف خدا کا ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

اس کائنات کو بنانے میں کسی کا حصہ ہے اور نہ اس کے چلانے میں کوئی اس کا شریک ہے۔جب دوسری دفعہ ((اشهد ان لا اله الا الله)) کہتا ہے: تو وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کائنات کو بنانے کے بعد اللہ نے اس کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کو چلانے کے لئے اس نے ایک ضابطہ دیا ہے۔

اسلامی اصول فقہ کی کوئی بھی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے اس کا آغاز اسی بات سے ہوگا کہ اس دنیا میں حکم دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔نبی بھی حاکم نہیں وہ صرف حکم پہنچاتا ہے۔وہ کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کرسکتا۔یہ صرف اللہ کا اختیار ہے۔وہی جہان کا مالک ہے وہی بتائے گا کہ بندوں نے کیا کام کرنا ہے اور کس سے رک جانا ہے۔رسول اس کا نمائندہ ہے کیونکہ اللہ براہ راست تو ہر انسان سے مخاطب نہیں ہوتا۔رسالت اور توحید آپس میں بالکل جڑے ہوئے ہیں۔مگر حاکم صرف اللہ ہے۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علمِ کلام

اللہ کوئی فیصلہ کرے تو بندہ اسے خوشی سے مان لے یہ رضا ہے۔اب یہ تو کوئی بات نہیں کاروبار میں نفع ہوجائے تو خوش ہوجائے۔اگر نقصان ہوجائے تو واویلا کرے اور ناراض ہوجائے۔بیٹا

پیدا ہو تو خوشی سے آپے سے باہر ہوجائے بیٹی پیدا ہوجائے تو سوگ منائے۔ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا﴾ [46/احقاف:13]

اللہ کی طرف سے جو بھی حکم آئے تو اس پر دل جمعی سے قائم رہے اگر انسان یہ سوچ لے کہ اللہ کی طرف سے غلط فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اللہ مجھ سے بہتر جانتا ہے کہ میرے لئے کیا صحیح اور کیا غلط ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح اٹھتے ہوئے تندرست ہوں یا بیمار ہوں میرے لئے برابر ہے کیونکہ میں جانتا ہوں اللہ کا فیصلہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔

لوگوں میں ڈپریشن کیوں بڑھ گئی ہے،لوگ خودکشی کیوں کرتے ہیں۔صرف اس لئے کہ وہ اللہ کے فیصلے سے ناراض ہوتے ہیں رب کے بارے میں بدگمان ہوجاتے ہیں۔

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی کبھی یہ نہیں کہا کاش یہ نہ ہوتا اس طرح ہوتا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی یہ نہ کہو اگر اس طرح ہوتا یا اگر یہ نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو تمام فیصلے اسی دن کر لئے تھے جب یہ کائنات بنائی تھی۔ [1]

علامہ نصیر الدین طوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تجرید الکلام میں لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے غنی اور عالم ہونے کی وجہ سے اس سے ہر قسم کی غلط بات کی نفی ہوجاتی ہے۔اللہ کے بارے میں یہ سوچنا کہ وہ غلط فیصلہ کرے گا اس کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ غلط فیصلہ کرنے میں اس کی کوئی غرض شامل ہے یا کسی قسم کا لالچ ہے حالانکہ وہ تو بے نیاز اور غنی ہے اس لئے یہ وجہ بھی نہیں ہوسکتی۔دوسری بات یہ ہوسکتی ہے کہ اسے علم نہ ہو کہ انسانوں کے لئے کیا صحیح ہے کیا غلط ہے؟ یہ بھی نہیں ہوسکتا۔کیونکہ وہ تو سب کچھ جاننے والا ہے اسے سب سے بڑھ کر علم ہے کہ بندوں کے لئے کیا چیز صحیح ہے۔

آدمی راضی اسی وقت ہوگا جب یہ بات اس کے علم میں ہوگی کہ میرا رب تمام غلطیوں اور خطاؤں سے پاک ہے۔وہ ہر بات پر قادر ہے وہ عادل ہے۔ایسا لطیف ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں صرف وہی فیصلہ کرتا ہے جو سب سے بہتر ہو۔وہ مدبر عالم ہے ساری دنیا کا نظام اس کے ہاتھ میں ہے۔آدمی کو اللہ کے بارے میں جتنا زیادہ علم ہوگا اتنا ہی وہ اس کے فیصلوں پر خوش ہوگا اللہ کی رضا پر راضی ہوجانا اس کی محبت کا ثمر ہے۔

[1] فتح المجید شرح کتاب التوحید ص:420، راوی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس نے اپنے مالک سے تھپڑ کھا کر خوشی محسوس نہیں کی وہ اپنے دعوٰی محبت میں جھوٹا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صحابی تھا وہ کسی جنگل میں رہتا تھا وہ جب بھی مدینہ میں آتا تو آپ کے لئے جنگلی سبزیوں اور پھلوں کا تحفہ لاتا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپسی پر اپنے پاس سے کوئی تحفے تحائف دے دیتے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن بازار میں گئے دیکھا تو وہی جنگلی صحابی زاہر رضی اللہ عنہ اپنے کام کاج میں مصروف ہیں۔ آپ نے پیچھے سے جا کر اس کو اچھی طرح پکڑ لیا پہلے تو اس نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کی مگر جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی ہے جو اس غلام کو خرید لے! یہ سن کر وہ آپ کے ساتھ چمٹ گیا: اور کہا: یارسول اللہ! اگر آپ نے مجھے بیچا تو میں بہت سستا بکوں گا کیونکہ ان کا رنگ کالا اور قد چھوٹا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زاہر تم دنیا والوں کی نظر میں سستے ہو! مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری قیمت بہت زیادہ ہے۔

بندہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح محبت کرے کہ اس کی نظر میں اس کی قدر و قیمت بڑھ جائے۔ کئی لوگ زبان سے کہہ دیتے ہیں جو اللہ پاک کی رضا ہو مگر دل سے اس فیصلے کو ناپسند کرتے ہیں۔ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی مکمل معرفت حاصل ہو جائے تو پھر وہ اس کے ہر فیصلے پر لذت محسوس کرتا ہے۔ اس معرفت کا آخری درجہ یہ ہے کہ وہ تسلیم و رضا کا پتلا بن جائے۔

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب زادالمعاد کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں غزوۂ احد میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت صدمہ پہنچا جنگ میں بڑے اکابر صحابہ شہید ہو گئے جس میں آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی اونچی آواز میں روتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جتنی اونچی آواز میں وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش دیکھ کر روئے، دوسری طرف آپ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی تھے آپ کا دل مطمئن تھا کہ اللہ جو کرتا ہے وہ درست ہے۔ [1]

اس کی مثال ایسے ہے کہ جب ڈاکٹر کینسر زدہ اعضاء کو کاٹتا ہے ایک طرف مریض تکلیف پر ہائے ہائے کرتا ہے مگر دوسری طرف وہ اس بات پر خوش بھی ہوتا ہے کہ اس سے میری جان بچ جائے گی۔ عقل مطمئن ہے، جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ احد سے واپس آئے تو آپ کو راستے میں حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا ملیں وہ آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور ام المومنین

[1] الرحیق المختوم، مجمع الزوائد: 121/6، باب مقتل حمزہ، الطبرانی

زینب رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں آپ نے فرمایا: کہ حمنہ تمہارا بھائی عبداللہ بن جحش شہید ہو گیا تو اس نے کہا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّـآ اِلَیْـہِ رَاجِعُوْن" حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جنگ میں جانے سے پہلے دعا کی تھی کہ یا اللہ! جنگ میں میرا سامنا کسی طاقتور کافر سے ہو وہ مجھے مارے، میں اسے ماروں، پھر وہ مجھے قتل کر دے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ پھر آپ نے فرمایا: تیرا ماموں حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گیا اس نے پھر پڑھا: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن"

پھر آپ نے فرمایا: تمہارا خاوند مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہو گیا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اولین ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اسلام لانے سے پہلے وہ اپنی ماں کے بہت لاڈلے بیٹے تھے۔ بہت ناز و نعم میں پرورش ہوئی تھی بہت قیمتی لباس زیب تن کرتے بیش قیمت اور اعلیٰ خوشبو استعمال کرتے مگر اسلام لانے کے بعد ماں نے سب کچھ چھین لیا پھر بہت آزمائش میں زندگی گزاری۔ ایک دن مسجد نبوی میں تشریف لائے تو ان کا لباس بہت بوسیدہ تھا پھٹے ہوئے کپڑوں کو چمڑا رکھ کر رسی سے سیا ہوا تھا آپ اسے اس حال میں دیکھ کر رونے لگے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! رونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: مصعب رضی اللہ عنہ نے جوانی بہت عیش و عشرت میں گزاری ہے مگر یہ آزمائش اسے اسلام لانے کی پاداش میں ملی ہے۔ یہی مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے قبل مدینہ میں لوگوں کو اسلام سکھانے اور تبلیغ کے لئے بھیجا تھا جب حمنہ نے اپنے خاوند مصعب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سنا تو وہ بہت روئی تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ماموں اور بھائی کا اتنا صدمہ نہیں ہوا جتنا اس نے خاوند کا محسوس کیا۔ [1]

امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ چند افراد کو چھوڑ کر زیادہ تر لوگ اللہ کے بارے میں غلط گمان رکھتے ہیں۔ مجھے میرے حق سے کم دیا گیا ہے جو مجھے ملا میں اس سے زیادہ کا حق دار تھا اپنی زبان سے تو اس بات کا اظہار نہیں کرتے مگر ان کی یہ حالت کہ ہر وقت حالات کے بارے میں شکوے کرتے رہتے ہیں۔ زبان سے یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ٹھیک کرتا ہے مگر اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھے گا تو اس میں اللہ تعالیٰ سے کوئی نہ کوئی گلہ ضرور ہو گا کہ جو ملا ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ ہے اور کہے گا یوں نہیں ہونا چاہیے یوں ہونا چاہیے تھا۔

[1] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ: 370/4،

زمینی حقائق

آج کل آپ لوگ ٹیلی ویژن دیکھیں یا اخبارات کا مطالعہ کریں، حکمرانوں کی باتیں سنیں یا دانشوروں کے کالم پڑھیں! امت مسلمہ کو مسلسل ایک پیغام دیا جارہا ہے: کہ زمینی حقائق اس وقت ہمارے حق میں نہیں ہیں امریکہ اور اس کے اتحادی جو بھی مطالبہ کرتے ہیں ہمیں اسے تسلیم کرلیں اور اپنے آپ کو بین الاقوامی حالات کے مطابق ڈھالیں۔ ہمیں کسی ایڈونچر میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔ یہ آواز آج کل عام ہے اور اسے حکمت اور دانائی کا نام دیا جارہا ہے۔

ہمیں یہ سبق دیا جارہا ہے: کہ اپنا آپ بچائیں۔ ہم ساری دنیا سے ٹکر نہیں لے سکتے! پچھلے زمانے میں اسے تاریخی وجوب کہا جاتا تھا۔ اس دور میں اسے زمینی حقائق یا حالات کا جبر کہہ دیا جاتا ہے۔ انہی زمینی حقائق کے پیشِ نظر برادر اسلامی ملک افغانستان کو ملیامیٹ کرنے کے لئے ہم نے امریکہ کو اپنے ہوائی اڈے دیئے، انہیں خفیہ معلومات فراہم کیں اپنے مسلمان بھائیوں کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا، تمام بین الاقوامی قوانین کو نظر انداز کرتے ہوئے افغانستان کے سفیر عبدالسلام ضعیف کو پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا۔ ایسا کرتے وقت نہ تو ان کی ہمسائیگی کا خیال کیا گیا اور نہ ہی ان کے کلمہ گو ہونے کا لحاظ کیا گیا۔

ایسا ہی وقت شیرِ ہندوستان سلطان ٹیپو شہید کی زندگی میں آیا تھا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج نے اپنے اتحادیوں نظام اور مرہٹوں کے ساتھ سرنگا پٹم کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ محاصرہ بہت شدید تھا۔ کہیں سے بھی کمک پہنچنے کی کوئی امید نہ تھی۔ حالات روز بروز دگر گوں ہوتے جارہے تھے۔ کئی مورچے فتح ہو چکے تھے۔ انہی حالات میں انگریز کمانڈر انچیف نے ٹیپو سلطان کو صلح کی پیش کش کی اس نے مطالبہ کیا کہ وہ فرانسیسی جو انگریزوں کو مطلوب ہیں اور سلطان نے انہیں پناہ دے رکھی ہے اگر وہ ہمارے حوالے کر دیئے جائیں تو ہم محاصرہ اٹھانے کے لئے تیار ہیں۔ حالات کے جبر کے پیشِ نظر سلطان ٹیپو کے بہت سے ساتھیوں نے اسے حکمت اور دانائی کا یہی مشورہ دیا تھا کہ اقتدار بچانے کے لئے سلطان کو انگریزوں کی یہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔

ٹیپو سلطان نے اس وقت وہی جواب دیا تھا جو کسی غیرت مند مسلمان کو دینا چاہیے تھا۔ سلطان نے گرج کر کہا: اگر کتے میری بوٹیاں بھی نوچ لیں تو میں اپنے کسی مہمان کو جسے میں پناہ دے چکا ہوں اس کے دشمنوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ

زندگی سے بہتر ہے۔ نہ سلطان شہید اس دنیا میں رہا نہ غدار ملت میر صادق مگر سلطان شہید کا نام قیامت تک کے لئے تاریخ کا حصہ بن گیا۔

سلطان شہید آج بھی لوگوں کے دلوں میں زندہ ہے۔ افغانستان کو تباہ برباد کرنے کے لئے طالبان کو ختم کرنے کے لئے ہم نے جو امریکہ کے لئے کیا، عراق کو تباہ کرنے کے لئے ویسی ہی سہولتیں ترکی نے امریکہ کو فراہم کیں۔ اور یہ سب کچھ چند لاکھ ڈالر کے لئے کیا گیا۔ ایسا موقف اختیار کرنے پر اگر کچھ لوگ چیخے چلائے یا انہوں نے احتجاج کیا تو انہیں کہا گیا کہ تم لوگ خاموش رہو! تمہیں حالات کی سنگینی کا اندازہ نہیں۔

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

یہ ایسا کافرانہ اور ملحدانہ رویہ ہے کہ اگر آج مسلمانوں نے اسے مسترد نہ کیا تو مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جائیگا۔ خواہ یہ زندہ بھی رہیں مگر اسلام ختم ہو جائیگا۔ ملک شاید مضبوط ہو جائے گا اور معیشت ترقی کر جائیگی۔ مگر اسلام نہیں ہوگا' اسلام کی تو بنیاد ہی حالات کے مقابلہ پر ہے دین یہ ہے کہ حالات کا مقابلہ کیا جائے اس سے ٹکر لی جائے اور اسے بدل دیا جائے۔

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جو ہو رہا ہے اسے ہونے دیا جائے، ان لوگوں کو چاہیے کہ اسلام کو معاف کر دیں۔ وہ کوئی ایسا مذہب اختیار کرلیں جس میں انہیں یہ سب کرنے کی آزادی ہو۔ ہم اہل قبلہ کہلاتے ہیں اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اس کا طواف کرتے ہیں۔ اگر ہم اس کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کریں کہ وہ عراق میں پیدا ہوئے۔ جب اللہ نے انہیں منصب نبوت پہ سرفراز کیا تو انہوں نے دیکھا کہ نامساعد حالات ہیں۔ بادشاہ وقت نمرود اللہ کا باغی ہے آپ کا باپ آزر سلطنت کا بہت بڑا مہنت اور اپنے قبیلے کا سردار ہے۔ بہت بڑی گدی تھی جو ابراہیم علیہ السلام کی منتظر تھی۔ وہاں کے عوام بت پرستی کی لعنت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اگر زمینی حقائق کو دیکھتے تو ابراہیم علیہ السلام کبھی بھی وہ نعرہ مستانہ نہ لگاتے کہ ''اے قوم! میں ان سے بےزار ہوں جنہیں تم پوجتے ہو''۔

ابراہیم علیہ السلام حالات کے سامنے سینہ سپر ہو گئے اور انہوں نے حالات سے ٹکر لی۔ انہوں نے تن تنہا اپنی دعوت جاری رکھی۔ جوں جوں حالات خراب ہوتے گئے ابراہیم علیہ السلام کا جوش و خروش بڑھتا گیا۔ جب کفار زبانی مخالفت سے ابراہیم علیہ السلام کو تبلیغ سے نہ روک سکے تو انہیں جسمانی طور پر ختم کرنے کا فیصلہ کیا گیا اس کے لئے آگ کا الاؤ روشن کیا گیا۔ آگ دیکھ کر بھی آپ کے

پائے استقلال میں ذرہ بھی لغزش نہ آئی تو انہوں نے اٹھا کر جلتے الاؤ میں پھینک دیا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے آگ ٹھنڈی ہوگئی تو انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ جب باپ نے کہا کہ میں تمہیں دیکھنا نہیں چاہتا۔ تم عراق میں سے نکل جاؤ تو آپ نے کہا: ابا جی! میں جا رہا ہوں۔ آپ یہاں سے اس حالت میں نکلے کہ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی سارہ اور بھتیجا لوط تھے یعنی اتنے سال کی وعظ و تبلیغ کے بعد کل دو ساتھی تھے۔

حدیث بے خبراں تو با زمانہ بساز
زمانہ باتو نہ سازد تو بہ زمانہ ستیز

احمق اور بے وقوف یہ کہتے ہیں کہ زمانے کے ساتھ چلو۔ اگر زمانہ تیرے ساتھ نہیں چلتا تو اس کو ختم کر کے نئی دنیا تعمیر کر! چاہے آگ کا پیراہن پہننا پڑے۔

ہم جو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں یہ اس دنیا کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ ہم ''لا'' کہہ کر ساری دنیا کی نفی کر دیتے ہیں۔ یہ بات کہ اسلام صلح اور امن کا دین ہے اسلام کے خلاف تہمت ہے۔ اسلام صرف ان لوگوں کے ساتھ صلح اور امن چاہتا ہے جو لوگ امن کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس دنیا میں فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں، کمزور اور بے بس ملکوں پر زبردستی قبضہ کرتے ہیں اور ان کے وسائل پر قبضہ کرتے ہیں، اسلام ان کے خلاف جنگ کا حکم دیتا ہے اور یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک اس زمین سے فساد ختم نہ ہو جائے۔

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر چل رہا ہے ابراہیم علیہ السلام نے تنہا اس طاغوتی نظام کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس اعزاز سے سرفراز کیا جو کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ سورہ النحل میں فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾

''ابراہیم اپنی ذات میں تنہا ایک امت تھا۔''

یہ اعزاز انہوں نے اس لئے حاصل کیا کہ انہوں نے وہ کام کیا جو ایک پوری جماعت کے کرنے کا تھا۔ اللہ تعالیٰ سورہ ممتحنہ میں انہیں یوں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ
قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ

اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ﴾ [60/الممتحنة:4]

''تمہارے لئے ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہاری نہیں مانتے ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی پیدا ہوگئی جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔''

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو کلمہ پڑھنے والے کے لئے کسوٹی قرار دیا ہے کیا کلمہ پڑھنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی کوئی تبدیلی تم میں پیدا ہوئی۔ اگر نہیں ہوئی تو تمہارا دعویٰ ابھی خام ہے تم ابھی مسلم نہیں ہوئے۔ انہوں نے تنہا اپنی قوم اور بادشاہ وقت نمرود کو للکارا: کہ اے میری قوم کے لوگو! ہم تم سے بھی بیزار ہیں اور جنہیں تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو ان سے بھی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور دشمنی پیدا ہوگئی ہے۔ کیونکہ ہم حزب اللہ تعالیٰ ہیں اور تم حزب الشیطان ہو حالانکہ اس وقت جنگ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔

ہمیں کفار کے ساتھ مدارات کا حکم ہے کہ وہ تمہارے پاس آئیں تو تم ان سے اچھا سلوک کرو۔ موالات یعنی دل سے دوستی کفار کے ساتھ قطعاً حرام ہے۔ عیسائی ہمیں دھوکہ دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کا نبی ہے۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امن کے نبی تھے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ اگر کوئی تمہارے بائیں گال پر تھپڑ مارے تو تم دایاں گال اس کے آگے کر دو! اگر کوئی تمہارا چوغا اتارے تو تم قمیض اتار کر اسے دے دو! لیکن خود عیسیٰ علیہ السلام کا قول اس انجیل میں موجود ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی نہ کہے کہ میں صلح کا نبی ہو بلکہ میں اس زمین پہ تلوار چلانے کے لئے آیا ہوں: کاش کہ یہ چل چکی ہوتی! [1]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحاب نے مکی دور میں ایسا ہی کیا تھا۔ انہیں کوئلوں پر لٹایا گیا، گلے میں رسی ڈال کر پتھروں پہ گھسیٹا گیا۔ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اوجڑی پھینکی گئی ایک بدبخت نے آپ کے گلے میں کپڑا ڈال کر اتنے بل دیئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں باہر آ گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پہ صبر کیا لیکن اپنے موقف سے نہیں ہٹے۔ جب مدینہ میں طاقت میسر آئی تو سو کے قریب جنگیں لڑیں۔

[1] کلام مقدس کا عہد عتیق و جدید مقدس لوقا باب: 22، 37 آیت 111

بلکہ ایک جگہ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے کرتے بیچ کر تلواریں خریدو۔ [1]

اللہ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ﴾ [8/الانفال:6]

"اور جہاں تک ہو سکے فوج اور گھوڑے تیار رکھو اور دشمن کے مقابلے میں ہر طرح کی قوت مہیا کرو تا کہ تمہارے اور اللہ کے دشمنوں پر ہیبت طاری رہے۔"

اللہ نے ﴿مِّنْ قُوَّةٍ﴾ فرمایا: یعنی ہر طرح کی طاقت پرانے زمانے میں نیزے اور تیر تھے۔ موجودہ دور میں ٹینک، میزائل، جہاز، ایٹم بم سمیت تمام قسم کا اسلحہ اس ذیل میں آتا ہے۔ آپس میں صلح اور اتحاد پیدا کیا جائے۔ عوام میں جوش و جذبہ پیدا کیا جائے تا کہ اگر کبھی جنگ کا موقع آئے تو لوگ خوف زدہ نہ ہوں بلکہ ہر محاذ پہ دشمن سے نبرد آزما ہوں کیونکہ موجودہ جنگ صرف میدان جنگ میں نہیں لڑی جاتی بلکہ موجودہ جنگ میڈیا میں بھی لڑی جاتی ہے۔

عوام کا مورال بلند رکھنا بھی جنگی حکمت عملی کا حصہ ہے۔ مگر ہمارے ارباب اقتدار اپنی قوم کو بزدل بنا رہے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں کہ امریکہ کا مقابلہ کر سکیں بلکہ آج کل تو ہمیں انڈیا سے بھی مرعوب ہونے کا سبق دیا جا رہا ہے۔ پچاس سال تک ہم نے بھارت کا ہر میدان میں مقابلہ کیا۔ اب ہمیں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ بھارت ہم سے آگے نکل گیا ہے ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہمیں اس سے صلح کر لینی چاہیے۔ اللہ تو ہمیں شاہین بنانا چاہتا ہے اور ہمارے حکمران ہمیں مولہ بننے کا سبق دے رہے ہیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

اسلام قطعاً امن و سلامتی کا راستہ نہیں بلکہ یہ ایسی خطرناک گھاٹی ہے جس میں قدم قدم پر خطرات کے سائے ہیں یہ ایسی لہو رنگ وادی ہے جس میں ہر لمحے پاؤں چھلنی ہوتے ہیں۔

جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

"جنہیں اپنی جان عزیز ہو وہ ہرگز اس راستے پر چلنے کا خطرہ مول نہ لیں۔"

[1] کلام مقدس کا عہد عتیق و جدید مقدس متی باب 10 مسئلہ نمبر:34، آیت:111،

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں
جنہیں زندگی ہو پیاری وہ یہیں سے لوٹ جائے

اسلام میں فوجی تربیت کی کیا ضرورت اور اہمیت ہے اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ عبداللہ بن شماسہ سے روایت ہے: فقیم لخمی نے مشہور صحابی عقبہ بن عامر سے تیر اندازی کی مشق دیکھ کر کہا کہ تم ان دنوں نشانوں کے لئے آتے جاتے ہو۔ بوڑھے ضعیف ہو کر تم پر مشکل ہوتا ہوگا۔ عقبہ بن عامر نے جواب دیا اگر میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک بات نہ سنی ہوتی تو کبھی اتنی مشقت نہ اٹھاتا۔ حارث نے عبداللہ بن شماسہ سے پوچھا وہ کیا بات تھی۔ انہوں نے کہا:

((قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا او قد عصی))

"رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی تیر چلانا سیکھے پھر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں یا گناہ گار ہے۔"

یہ قرآن پاک یا نماز کے بارے میں نہیں فرمایا: بلکہ تیر اندازی جو اس وقت کا ہتھیار تھا اس کے بارے میں فرمایا: اب بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ بندوق چلانا سیکھے، مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ دہشت گرد ہیں اسلام قطعاً دہشت گردی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو دہشت گردی کو ختم کرتا ہے۔

دہشت گرد تو امریکہ ہے جو دنیا بھر کے وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ جب تک وہ حدود میں تھا مسلمانوں نے کبھی اسے کچھ نہ کہا۔ لیکن جب اس نے دوسرے ملکوں پر قبضے شروع کر دیئے اور اس نے اسرائیل کو بھی کھلی دہشت گردی کی اجازت دی بلکہ اس کی پشت پناہی کرتا ہے اب مسلمانوں نے اس کا جواب دینا شروع کیا تو چلانے لگا کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔ اب امریکہ نے ایک غیر منطقی عذر تراشا ہے کہ ہمیں جس ملک کی طرف سے حملے کا خطرہ ہوگا ہم اس پر پیشگی حملہ کر دیں گے۔

اس صورتحال پر اس بھیڑیئے کی مثال صادق آتی ہے جو بھیڑ یا دریا کے کنارے پانی پینے والے میمنے کو دیکھ کر کہنے لگا: کہ تم اس پانی کو گدلا کر رہے ہو، جسے میں پی رہا ہوں میمنے نے جواب دیا: جناب پانی تو آپ کی طرف سے میری طرف آ رہا ہے میں نے اسے کیسے گدلا کر دیا! بھیڑیئے نے پینترا بدلا اور کہنے لگا: کہ تم نے پچھلے سال مجھے گالیاں دی تھیں! میمنے نے کہا: جناب میری عمر تو چھ ماہ ہے پچھلے سال تو میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا! بھیڑیئے نے کہا: کہ تم مجھے جھوٹا کہتے ہو! اور اسے

کھا گیا، یہی کچھ امریکہ بہادر کر رہا ہے۔ خود خطرناک ہتھیاروں کے انبار لگا رکھے ہیں مگر کوئی غریب ملک کوئی چھوٹا موٹا ہتھیار ہی بنالے تو اس کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔

اسلامی ملک عراق میں جو کچھ اس نے کیا۔ دنیا کا کون سا قانون اور اخلاق اس کی اجازت دیتا ہے۔ اب انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ہمارے خفیہ اداروں نے غلط رپورٹ دی تھی۔ عراق کے پاس تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہی نہ تھے۔ بلکہ اس میں استعمال ہونے والا کوئی کیمیکل بھی موجود نہ تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس غلطی پر تمام دنیا سے معافی مانگتے اور عراق سے نکل جاتے۔ ڈھٹائی سے جواب دیا ہم اپنے مقاصد حاصل کئے بغیر عراق سے نہیں نکلیں گے۔ وہ مقاصد کیا ہیں۔ ساری دنیا کے علم میں ہیں کہ عراق کے تیل کے ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں کے حکمران اور دانشور ہمیں صلح اور امن کی باتیں سکھا رہے ہیں۔ یہ لوگ قوم کو بزدلی اور بے حمیتی کا سبق دے رہے ہیں۔

باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ

اس وقت عالم اسلام کے حکمران، دانشور، فلاسفر اور علماء سوء، مسلمانوں سے ان کی شیری چھیننا چاہتے ہیں تا کہ یہ تر نوالہ بن جائیں۔ جو چاہے انہیں نگل لے۔ حالانکہ مسلمان وہ لوہے کا چنا ہے جو آسانی سے نگلا نہیں جاسکتا۔ اسلام نے ہمیں رہبانیت کی تعلیم نہیں دی۔ رسول ﷺ نے جس طرح نماز روزے کے مسائل بتائے اسی طرح مسلمانوں کی فوجی تربیت کی۔ جمعہ کی نماز کے بعد مسلمانوں کو لے کر باہر نکل جاتے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان گھوڑ دوڑ کا مقابلہ کرواتے۔ ان میں سے جو بھی کامیاب ہوتا انہیں آپ انعام دیتے، آپ نے تمام شرط اور انعام منع فرمادیئے مگر گھوڑوں کی دوڑ اونٹوں کی دوڑ اور تیر اندازی کے مقابلوں کے لئے اس کی اجازت دی اور آپ اپنی نگرانی میں یہ مقابلے کرواتے اور جیتنے والوں کو خود انعام دیتے۔

جس طرح آپ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اسی طرح بعد میں جا کر گھوڑوں کی دوڑ دیکھی کیونکہ رسول ﷺ جانتے تھے کہ اس دنیا میں صرف شریف آدمی نہیں رہتے بلکہ ان میں زیادہ تعداد ظالموں اور باغیوں کی ہے اور ان ظالموں کا علاج طاقت سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہر قسم کی طاقت مہیا کریں تا کہ کفار تم سے خوف زدہ رہیں۔ اس طاقت کا مقصد ظلم کرنا نہیں بلکہ ظالم کے ہاتھ سے طاقت چھین کر بنی نوع انسان کو ظلم سے محفوظ کرنا ہے۔

پس غزا زیں شد فرض بر مومناں
تا ستانند از کف مجنون سناں

مسلمانوں پر اس لئے جہاد فرض کیا گیا کہ وہ پاگل اور مجنوں کے ہاتھ سے تلوار چھین لیں۔ طاقت اور قوت کے بغیر اس دنیا میں ظلم ختم نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اسوہ اور نمونہ قرار دیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے تن تنہا اس وقت کی حکومت کو للکارا تھا اور ان کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔ اگر اس دین سے تعلق رکھنا ہے تو دین اس بات کو نہیں مانتا کہ حالات کا جبر ہے یا مجبوری ہے یا حالات سازگار نہیں ہیں۔

آپ انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھیں۔ تاریخ کا مطالعہ کریں۔ کس نبی کو حالات سازگار ملے تھے۔ اللہ تعالیٰ تو نبی بھیجتا ہی اس وقت ہے جب حالات انتہائی ناسازگار ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی نبی کا پھولوں کے ہار لے کر اور قالین بچھا کر استقبال نہیں ہوا۔ نوح علیہ السلام کو دیکھ لیں۔ انہیں کتنا ستایا گیا۔ انہوں نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ کی۔ بائبل میں لکھا ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو کل سات افراد آپ کے ساتھ تھے۔ سورۃ نوح علیہ السلام کا مطالعہ کریں اس میں لکھا ہے کہ جوں جوں مخالفت بڑھی آپ نے زیادہ زور وشور سے دعوت وتبلیغ کا کام کیا۔ اس کے لئے نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی اعلانیہ بھی لوگوں کو تبلیغ کی چھپ چھپ کر بھی لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کی، مگر قوم نہیں مانی تو تب اس پر ان کی ہلاکت کی دعا کی۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے

گر خدا داری زِغم آزاد شو
گر خدا خواہی گم آزار شو

شرک کی وجہ سے تین دیگر بیماریاں بھی لاحق ہوتی ہیں۔

① یاس ② خوف ③ حزن

یاس

یعنی ناامیدی۔ یہ شرک سے پیدا ہوتی ہے۔ بندہ اس لئے کوشش نہیں کرتا کہ حالات سازگار نہیں میری کوشش کا کوئی نتیجہ نکلنے کا امکان نہیں ہے۔ حالات سے بددل ہو جاتا ہے۔ یہ شرک سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ اس کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ہوتا۔ وہ دنیاوی طاقتوں سے خائف ہو جاتا ہے۔ اگر اس کا خدا پر ایمان ہو تو وہ بددل نہیں ہوتا کیونکہ اس کا ایمان ہوتا ہے کہ میرا خدا قادر

مطلق ہے۔ زمین و آسمان اس کے حکم سے قائم ہیں۔ وہ پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتا ہے۔ سمندر پھاڑ کر راستے بنا سکتا ہے۔ بے شک یہ نظر آتا ہو کہ ہماری کوشش کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا اپنی بساط کے مطابق کوشش جاری رکھے کیونکہ تمہارا رب جو چاہے کر سکتا ہے۔ شرک کا دوسرا نتیجہ خوف کی صورت میں نکلتا ہے۔

ہر کہ رمز مصطفیٰ فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

''جس نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پالیا اس نے اس راز کو سمجھ لیا کہ جو کسی ڈر میں مبتلاء ہو گیا وہ مشرک ہے''۔

حزن

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت مدینہ کے لئے سفر کا آغاز کیا اور غار ثور میں چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا عبد اللہ روزانہ غار میں آتا اور سارے دن کی رپورٹ پیش کرتا کہ مشرکین مکہ آپ کو تلاش کر رہے ہیں اور انہوں نے آپ کے سر کی قیمت سو سرخ اونٹ مقرر کی ہے۔ ایک دن تلاش کرنے والے غار کے دروازے تک آ گئے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ پریشان ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ! اب کیا بنے گا؟ کیونکہ انہوں نے ذرا سا جھک کر دیکھ لیا تو ہم پکڑے جائیں گے۔ اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾

''کہ فکر نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔'' [1]

اے کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبی تعلیم لاتحزن بگیر

تو کیوں غموں میں گرفتار ہے کہ تیرے نبی کی یہ تعلیم ہے کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

ایں سبق صدیق را صدیق کرد
سر خوش پیمانہ تحقیق کرد

اسی تعلیم نے صدیق کو صدیق بنا دیا اس کے بعد کبھی کوئی غم اور فکر ان کے قریب نہیں آیا۔ اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے رزم گاہ عمل بنایا ہے۔ دنیا مسلمان کے لئے میدان جنگ ہے۔ ہمیں اپنی

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التفسیر باب ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن: 325/8۔

طاقت آزمائی کا حکم دیا گیا ہے۔ میدان جنگ میں کسی کو حالات ساز گار نہیں ملتے

جو بڑھ کر تھام لے ساغر و مینا اسی کا ہے

اس میں جو ثابت قدم رہا یا تو اس نے دنیا کو بدل کر اپنے پیچھے چلا لیا یا مر گیا دونوں صورتوں میں وہ کامیاب ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسرار خودی میں یہی بھولا ہوا سبق یاد دلایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

در عمل پوشیدہ مضمون حیات
لذت تخلیق قانون حیات

انسان کی تخلیق کی اصل لذت اسی مضمون میں پوشیدہ ہے کہ وہ ایک نیا جہان تخلیق کرے جسے یہ درست سمجھتا ہے دنیا کو ادھر لائے نہ کہ دنیا کے پیچھے چل پڑے۔

خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو
شعلہ در بر کن، خلیل آوازہ شو

اٹھ اور نئی دنیا بنا اپنے گرد آگ کا لباس پہن لے اور ابراہیم خلیل اللہ کی طرح اعلان کر دے کہ میں اس دنیا سے بغاوت کا اعلان کرتا ہوں۔ جہاد کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس دنیا میں امن قائم کر کے اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق اس زمین کا نظام قائم کرنا ہے۔

با جہانِ نامساعد ساختن
ہست در میدان سپر انداختن

اگر تو نے نامساعد حالات کی وجہ سے دنیا سے موافقت کر لی تو ایسے ہی ہے کہ سپاہی میدان جنگ میں دشمن کے سامنے ہتھیار پھینک کر دشمن کے سامنے لیٹ جائے۔

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار

جو شخص خود دار اور اپنے عقائد پر پختہ ہوتا ہے وہ دنیا کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھال لیتا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اس دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ انہوں نے حالات کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے بلکہ سینہ سپر ہو گئے اس کے بعد حالات ساز گار ہوتے چلے گئے عراق میں شام میں عرب میں دین کا پرچم لہرا دیا گیا۔ اقتدار ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گیا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں امام کہا ہے کہ دنیا کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں تھی۔

بعد میں ان کے پوتے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر زیر نگین ہوگیا۔ اسی طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی جب اس دنیا میں آئے تو چند اہل کتاب کے علاوہ کوئی بھی اللہ کو ماننے والا نہ تھا۔ مکہ میں تیرہ (13) سال تک آپ نے آوازۂ حق بلند کیا، تکلیفیں برداشت کیں مگر اپنے مؤقف سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ بالآخر آپ کی زندگی میں عرب اور یمن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حکومت قائم ہوگئی۔

ہماری تمام کاوشیں اسی لئے ہونی چاہئیں کہ ہم تمام دنیا کو اس راہ پر لے آئیں جو اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہے۔ اگر ہم اس کوشش میں کامیاب ہوجائیں تب بھی ٹھیک ہے۔ اگر نہیں ہوتے تو ہم اس بارے میں مکلّف نہیں ہمیں اس بارے میں کوئی مصالحت نہیں کرنی چاہیے۔ اپنا مؤقف نہیں چھوڑنا چاہے ساری دنیا مخالف ہوجائے۔ ہمیں اپنا رخ مکہ اور مدینہ کی طرف رکھنا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا اس کی پیروی کرنی ہے جس نے اس سے انحراف کیا وہ مرتد ہوگیا اقبال کا پیغام تو یہ ہے۔

ایام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کلمہ پڑھنے والا کبھی سواری نہیں بنتا کہ جو چاہے اس پر سوار ہوکر جدھر چاہے لے جائے بلکہ وہ راکب یعنی سوار بنتا ہے اور دنیا کو اپنے مطابق چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ امت مسلمہ میں اس طرح کے بہت سے مصلحت پسند اور زمینی حقائق کے مطابق چلنے والے لوگ گزرے۔ آج ان کی قبریں بھی نہیں ملتیں اور لوگ ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر جو لوگ حالات کے سامنے سینہ سپر ہوگئے لوگ آج بھی ان کی قبریں تلاش کر کے وہاں دعائیں کرتے ہیں انہیں رحمۃ اللہ علیہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں اور صدیاں گزرنے کے باوجود تاریخ میں ان کے نام زندہ ہیں

ایسا ہی ایک راکب سلطان صلاح الدین ایوبی تھا جس کا مزار آج بھی دمشق میں مرجع خلائق عام ہے۔ وہ سلطان نور الدین زنگی کا غلام تھا جب اس نے دیکھا کہ سارا یورپ بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے اُمڈ آیا ہے۔ پادری پطرس سارے یورپ میں گھوما اس نے اپنی تقریروں کے ذریعے لوگوں کے جذبات بھڑکائے کہ تمہارے مقدس مقامات مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ برطانیہ جرمنی فرانس اور کئی دوسرے ملکوں کے بادشاہ نواب اور قبائل کے سردار اس جنگ میں شرکت کے لئے اپنی اپنی افواج لے کر بیت المقدس پر حملہ آور ہوئے۔

سلطان صلاح الدین نے جب دیکھا کہ مسلمان حکمران اپنی باہمی لڑائیوں میں مصروف

ہیں سارا یورپ شام کے ساحل پر اُمڈ آیا ہے تو اس نے عنان حکومت خود سنبھال لی۔ صلیبی فوجوں نے دو سال عکہ کا محاصرہ کئے رکھا۔ دو سال بعد عکہ میں مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حالات انتہائی ناساز گار تھے۔ کئی مشیروں نے مشورہ دیا کہ اس ٹڈی دل افواج کا مقابلہ ممکن نہیں ہمیں اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے صلح کر لینی چاہیے۔ صلیبی افواج نے بھی کہا کہ رقم لے لو اور بیت المقدس ہمارے حوالے کردو لیکن سلطان نے کہا کہ حالات جیسے بھی ہوں میں لڑوں گا۔ وہ اس بے جگری سے لڑا کہ صلیبی افواج کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا ان کے کئی بادشاہ مر گئے۔ کچھ دریا کی نذر ہوگئے سلطان کو اللہ تعالیٰ نے یہ کامیابی اسی لئے دی کہ اس نے حالات کا مقابلہ کیا۔ وہ ہتھیار ڈالنے کی بجائے ڈٹ گیا اور تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ ہوگیا۔

مومن کو حالات کی سنگینی سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ پھر کوئی صلاح الدین یا ٹیپو سلطان پیدا کریگا۔ اللہ اکبر کہنے والا کبھی کسی سے خائف نہیں ہوتا۔ وہ اس راز کو پا جاتا ہے کہ اس کائنات میں اللہ ہی سب سے بڑا ہے، دنیاوی طاقتیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ فرعون اور نمرود جیسے اس دنیا میں ذلیل اور خوار ہوکر مرے۔ روس جیسی سپر پاور ختم ہوگئی اور یہ کارنامہ دنیا کی سب سے پسماندہ قوم کے ہاتھوں سرانجام پایا۔ اس طرح امریکہ اور اس کے اتحادی بھی مٹ جائیں گے انشاء اللہ یہ اندھیری رات ایک دن ختم ہوجائے گی۔

کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

مسلمان جانیں دیں گے اور اس دنیا میں پیش آنے والی تکلیفیں برداشت کریں گے تو کامیابی ان کے قدم چومے گی۔

عظمت انسان

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ﴾ [31/لقمان:20]

''کیاتم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ نہ وہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔''

حبیب کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ آپ نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن پکڑ لیا ان لوگوں کو یہ تحفظ حاصل ہو گیا کہ ان لوگوں کی نجات یقینی اور قطعی ہے۔اس سے بڑی شان اور عظمت کسی ہستی کی کیا ہو سکتی ہے! کہ اللہ اسے یہ مقام عطا کر دے کہ جس کسی نے اس کی اتباع اور پیروی کی اس کا صرف یہی مقام نہیں کہ وہ اللہ کا محبّ بن جائے بلکہ یہ ہے کہ وہ اللہ کا محبوب بن جائے اور مالک کائنات خود اس سے محبت کرے۔

اگر آپ قرآن پاک کا مطالعہ کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ اللہ نے انسان کی کتنی عظمت بیان کی ہے حالانکہ دیگر کئی مخلوقات سے یہ بہت کمزور اور حقیر ہے۔مگر اللہ کی نظر عنایت اس خاکی انسان پر بے پایاں ہے۔یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ اس نے انسان کو اس کی عظمت اور بلندی کا احساس دلایا۔ورنہ دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں، فلسفیوں کے اقوال پر نظر کریں، انہوں نے انسان کو دنیا کی گھٹیا ترین مخلوق بتایا اسے یہی کہا کہ اپنے آپ کو مٹا دے! اپنی خودی فنا کر دے۔

بہت سے مذاہب میں اس بات کو کمال سمجھا جاتا تھا کہ اس کے پیرو اپنے آپ کو مٹا دیں لیکن قرآن پاک نے یہ راز کھولا کہ اس ساری کائنات کا مقصود اور حاصل تو یہی مشت خاک بنی آدم ہے۔عرش عظیم سے لے کر تحت الثریٰ تک سارا جہان اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جس کی وسعت ناپیدا کنار ہے۔اتنی ترقی کے باوجود انسان اس کی وسعت کا اندازہ نہیں لگا سکا کہ اس میں

کتنی کہکشائیں، کتنے ستارے، کتنے دیگر نظام شمسی ہیں۔جو کچھ اس نے دریافت کر لئے ہیں یہ اسی پہ حیران و پریشان ہے۔

قرآن پاک میں اللہ نے جگہ جگہ یہ بات بتائی ہے۔جیسا کہ اس مضمون کے آغاز میں سورہ لقمان کی آیت درج کی گئی جس میں اللہ فرماتا ہے: ﴿اَلَمْ تَرَوْا﴾ کیا تم نے کبھی سوچا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ ہم نے تمہاری خدمت میں لگا رکھے ہیں۔اللہ نے تمہیں ظاہری نعمتیں عطا کیں ان مادی نعمتوں پہ غور کریں کہ اللہ نے انسان کی تواضع کے لئے کیا کچھ پیدا کیا ہے۔پھل، غلے، جانور، اتنے بڑے بڑے پہاڑ، بے کنار سمندر اس کے لئے مسخر کر دیئے۔اس کے بعد باطنی نعمتوں کا ذکر کیا کہ روحانی اور عقلی نعمتیں بھی عطا کیں اور اتنی کشادہ دلی سے عطا کیں کہ کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

قرآن میں اللہ پاک ایک جگہ فرماتا ہے:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ﴾ [45/جاثیہ:13]

''جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب تمہارے لئے ہے۔''

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث منسوب کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ فرماتا ہے: کہ اے محمد! اگر تم نہ ہوتے تو میں یہ دنیا نہ بناتا! [1]

گو کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات نہیں فرمائی۔مگر اس کے مضمون میں کوئی شک نہیں۔ محمد مصطفیٰ کی تو کیا ہی بات ہے، اگر انسانوں کو نہ بنانا ہوتا تو اللہ ہرگز یہ کائنات ہی نہ بناتا۔نامعلوم کتنی صدیوں سے اللہ نے دیگر مخلوقات زمین و آسمان، پہاڑ، دریا، سمندر سب تخلیق کر لیا تھا سب سے آخر میں انسان کی تخلیق کی اور اس کے بعد اللہ نے کوئی اور مخلوق تخلیق نہیں کی تمام سٹیج تیار ہو چکا تھا آخر میں حضرت انسان کو تخلیق کیا۔شیخ سعدی فرماتے ہیں:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکار اند

تا تو نانے بہ کف آری بہ غفلت نہ خوری

یہ بادل ہوائیں چاند اور سورج سب اس خدمت میں لگے ہوئے ہیں کہ تمہاری فصلوں کی افزائش ہو، وہ پکیں اور تیرے لئے رزق کا بندوبست ہو۔انسان کو ان تمام نعمتوں کے بعد صرف

[1] مستدرک مع التلخیص کتاب التاریخ ج2 آخر کتاب البعث ص:615،

اتنا کرنا ہے کہ وہ اپنے خالق کا شکر گزار بندہ بن جائے۔ اللہ قرآن پاک میں ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔ کہ ''انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی خوراک کو دیکھے کہ اتنے پھل اور غلے اس کی تواضع کے لئے مہیا کئے گئے ہیں۔''

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی نکتہ یہی ہے کہ وہ لوگوں کو شکر کی تعلیم دیتے ہیں۔ اللہ نے قرآن پاک کا آغاز بھی الحمدللہ سے کیا ہے۔ اللہ صرف یہ چاہتا ہے کہ اتنی نعمتیں ملنے کے بعد اس کے باطن سے شکر کا چشمہ جاری ہو جائے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کو پہچانے اور اس پہ اس ہستی کا احسان مند ہو جائے۔ دین انسان کو رہبانیت کی تعلیم نہیں دیتا اللہ نے جو نعمتیں اتاری ہیں انسان اس سے استفادہ کرے۔ مگر اس کے بعد اتنا کرے کہ احسان مندی سے اپنے مالک کے سامنے اپنی گردن جھکا دے۔ یہ اعزاز بھی بنی آدم کو حاصل ہے کہ اللہ نے اتنی مخلوقات پیدا کیں مگر کسی کے بارے میں قبل از تخلیق کوئی اعلان نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس وقت اپنی مقرب ترین مخلوق یعنی فرشتوں کی مجلس میں اس ارادے کا اظہار کیا: کہ

﴿اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ [2/بقرة:30]

''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں''

یہ ایسے ہی تھا کہ بزم آراستہ تھی، میز کرسیاں شامیانے لگ گئے تھے، مہمان خصوصی کا انتظار تھا۔

فطرت آشفت کہ از خاکِ جہانِ مجبور
خود شکن و خود نگر و خود گرے پیدا

فرشتوں نے جب یہ بات سنی تو کانپ گئے کہ ایسی مخلوق جسے یہ اختیار ہو کہ وہ اس زمین میں توڑ پھوڑ کر سکے، خود تعمیر کر سکے یہ تو تباہی مچا دے گی، ان کا یہ خیال درست بھی تھا جو بھی با اختیار ہوگا وہ اس بات پر قادر ہوگا کہ تعمیر کرے یا تخریب، فرشتوں نے یہی بات خالق ارض و سما کے سامنے عرض کی: کہ یا الٰہی! تو ایسے شخص کو اپنا نائب بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور کشت و خون کرتا پھرے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿اِنِّی اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [2/بقرة:30]

''جو باتیں میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''

کہ تمہاری لاکھوں سال کی تسبیح و مناجات کے مقابلے میں اس کا گناہ کرنے کے بعد معافی

اتنا بھاری ہوگا۔ انسان ہزار غلطیاں کر کے روسیاہ ہو جائے مگر جب وہ اپنے مالک کے در پر لوٹ شرمندہ و پشیمان ہوگا وہ جبرائیل اور اسرافیل پہ بھاری ہوگا۔ اللہ نے اس امانت کا ذکر سورۃ احزاب میں کیا کہ اسے زمین و آسمان کے سامنے پیش کیا:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾ [33/احزاب:72]

''ہم نے بار امانت کو زمین و آسمان اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔''

ذرا زمین و آسمان کی وسعت اور عظمت کا اندازہ کریں مگر اس بار امانت کو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا یہ انسان کی بہادری ہے کہ اس نے اس چیلنج کو قبول کیا اور اس بار عظیم کو اٹھا لیا۔ اس کے بعد جو فرمایا:

﴿اِنَّهٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ [33/احزاب:72]

کہ ''انسان ظالم اور جاہل تھا۔''

یہ ترجمہ غلط ہے۔ حالانکہ پہلے اللہ نے اس بہادری کا ذکر کیا جو اس نے اس بار امانت کو اٹھایا یہ کَانَ تامہ ہے جیسے کہ اللہ کے بارے میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیْمًا حَکِیْمًا﴾ [76/دهر:30]

کہ ''اللہ علیم حکیم ہے۔''

اس کا بھی ترجمہ یہ ہوگا کہ انسان اپنی بری حرکتوں کی وجہ سے ظالم اور جاہل بن جاتا ہے جیسے فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ [103/عصر:2]

''کہ انسان خسارے میں ہے۔''

حالانکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ سب انسانوں کے بارے میں کہہ رہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے اتنا بڑا بوجھ اٹھا کر اس ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا۔ انہوں نے برے کام کیے تو وہ ظالم اور جاہل ہو گئے لیکن جن لوگوں نے اس ذمہ داری کو نبھایا ذرا قرآن پاک کا مطالعہ کریں کہ اللہ ان لوگوں کے بارے میں کیا فرماتا ہے: فریدالدین عطار فرماتے ہیں۔

خلیفہ زادہ بہ گلشن شو گدا

کہ تو خلیفہ زادہ یعنی آدم کی اولاد ہو کر بھی گندگی کے ڈھیر پر پڑا ہے باغ میں آجا یہ گداگری تیری شان کے لائق نہیں! تو تو شہزادہ ہے تخت وتاج تیرا منتظر ہے۔ [1]

انبیاء کرام علیہم السلام آ کر ابن آدم کو اس کی اصل شان یاد دلاتے ہیں کہ تو اللہ کا خلیفہ ہے۔ اس نے اپنی امانت تیرے سپرد کی ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے تو خود اس امانت کو اٹھا کر اس مقام تک پہنچ جا کہ

عالم ہے فقط مومن جاں باز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

کہ اگر تیرے جیسے اس امانت کو اٹھانے والے نہ ہوتے تو میں یہ کائنات ہی نہ بناتا اگر ہزار میں سے ایک انسان بھی ایسا نکل آئے تو یہ سودا مہنگا نہیں اور جنت میں خود مالک کائنات تمہیں سلام کہے گا:

سورہ یٰسین میں ہے:

﴿سَلٰمٌ وقف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾

اللہ فرماتا ہے کہ اہل جنت اس روز عیش ونشاط کے مشغلے میں ہوں گے وہاں پر وہ اپنی بیویوں کے ساتھ تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے تمام نعمتیں ان کے پاس ہوں گی۔ وہاں پروردگار مہربان کی طرف سے انہیں سلام کیا جائے گا۔ یہ مقام اور اعزاز کسی اور کو حاصل نہیں ہوگا نہ کسی فرشتے کو اور نہ کسی جن کو۔ جن آزمائشوں میں سے گذر کر انسان وہاں پہنچے گا ان کا اندازہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں ہو سکتا انسان کے اندر ایسی خواہشات سر اٹھاتی ہیں جو قدم قدم پہ انسان کو گمراہ کرتی ہیں ان خواہشات کے حصول کے لئے غلط ذرائع اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ کرپشن اس لئے بڑھ رہی ہے کہ خواہشات لامحدود ہیں اور ذرائع محدود، لامحدود خواہشات کی تکمیل کے لئے غلط کام کرتا ہے۔ انسان رشوت لیتا ہے، منشیات فروخت کرتا ہے۔

پچھلے دنوں اخبارات میں ایک رپورٹ شائع ہوئی ہے جس میں کرپشن کے اسباب کی کھوج لگائی گئی تو پتا چلا کہ ان میں زیادہ قصور بیویوں کا ہے کہ وہ نت نئے فیشن کے لئے اپنے مردوں کو تنگ کرتی ہیں جس وجہ سے مرد مجبور ہو کر غلط ذرائع سے دولت حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتا

[1] تاریخ دعوت وعزیمت

ہے۔ قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

سورہ لہب میں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو! نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ جو اس نے کمایا وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو ایندھن لا کر اس بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالے گی۔''

ابولہب جو خانہ کعبہ کا متولی تھا اس کی بیوی نے زیورات کے حصول کے لئے اسے تنگ کیا۔ ابولہب نے خانہ کعبہ سے سونے کے دو ہرن چرا لئے جو کسی بادشاہ نے چڑھاوا چڑھائے ہوئے تھے۔ قرآن کی برکت سے اس کا پول کھل گیا اور اس کی بدنامی ہوئی۔ اللہ نے اسی طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح اس دنیا میں وہ اپنے شوہر کی بدنامی کا باعث ہوئی دوزخ میں بھی اس کے عذاب میں اضافے کا باعث ہوگی۔ کتنا کڑا امتحان ہے۔ اندر سے خواہشات تنگ کرتی ہیں، بیوی بچے مجبور کرتے ہیں، ماحول کا دباؤ ہے ان تمام مشکلات کو کچل کر جو شخص نیکی کرتا ہے اور دین پہ ثابت قدم رہتا ہے فرشتوں کی تسبیحات اس کا کیا مقابلہ کر سکتی ہیں، اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے درست فرمایا ہے

مقامِ شوق تیرے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد

اس دنیا میں ایسے زندگی بسر کرو کہ روز قیامت جب اپنے خالق کے سامنے پیش ہو تو کہے

کف خاکے کہ دارم از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چو رسم پیش تو از من ارمغاں خواہی

''کہ اے مالک! تو نے مجھے ایک مشت خاک دی تھی کہ اسے محبت کی کیمیا کے ساتھ سونے کی اکسیر بنا کر اللہ کے سامنے پیش کر سکوں جب اللہ کوئی تحفہ طلب کرے تو پاک صاف دل خداوند تعالیٰ کے سامنے پیش کر سکے، یقیناً اللہ اس پر

﴿سَلٰمٌ وقف قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ﴾

کہے گا'' جہاں تک محبت کا تعلق ہے ''اللہ'' صرف انسانوں سے محبت کرتا ہے۔ کہیں بھی یہ بات نہیں کہی کہ میں جبرائیل یا میکائیل سے محبت کرتا ہوں۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ یہی بات فرمائی:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾

''اللہ اہل ایمان سے محبت کرتا ہے اہل ایمان اللہ سے محبت کرتے ہیں۔''

یہ بھی اہل ایمان کے لئے کہا: کہ میں ان سے راضی ہوں! اہل ایمان بھی مجھ سے راضی ہیں۔ حالانکہ فرشتے جتنی عبادت اور فرمان برداری کرتے ہیں۔ کوئی انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کی عبادت اور فرمانبرداری میں وہ دشواریاں حائل نہیں جو انسان کی عبادت میں ہیں۔ کہیں فرمایا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ﴾

''جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔''

[98/البینة:7]

﴿جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ﴾

[98/البینة: 8]

''ان کی جزا ان کے رب کی دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہ اس کے لئے ہے جس نے اپنے رب کا خوف کیا۔''

اللہ نے انسان کے لئے دنیا میں کھانے پینے اور زینت کے لئے بے شمار نعمتیں پیدا فرمائیں اور کہا کہ اس سے استفادہ کرو۔ دوسرے مذاہب میں اس شخص کو برگزیدہ تصور کیا جاتا جو ان نعمتوں سے اجتناب کرے، لیکن قرآن پاک کہتا ہے: کہ حلال چیزیں کھاؤ! زینت کے لئے جو لباس اتارے گئے ہیں انہیں پہنو! مگر اس کیلئے ایک ہی شرط رکھی:

﴿لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ﴾

''کہ اپنے رب سے ڈرتے رہو۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کیسے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس خوف زدہ پرندے کی طرح تھے جسے ہر طرف جال ہی جال نظر آتا ہو۔ یہ دنیا بھی اس صیاد کی طرح ہے جس نے ہر طرف جال پھیلا رکھا ہو۔ جس طرح کوئی پرندہ بے خبری میں دانا اٹھانے کیلئے جھکتا ہے تو جال میں جکڑا جاتا ہے۔ اس طرح دنیا میں انسان ذرا سا بھی اپنے رب کے خوف سے آزاد ہوتا ہے تو دنیا اس کو جکڑ لیتی ہے پھر انسان پھڑ پھڑاتا رہ جاتا ہے۔ بہت

کم ایسے خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو اس جال سے نکل کر اللہ کی طرف پلٹتے ہیں اور انہیں توبہ کی توفیق ہوتی ہے۔ انسان کو اس دنیا میں یہی سمجھنا چاہیے کہ دنیا ایک خاردار جھاڑی ہے انسان اپنا آپ سمیٹ کر اس سے نکل جائے۔

اللہ جنت کی بہت سی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے: کہ اس میں نہریں ہوں گی، شہد اور شراب ہو گی، پھل ہوں گے، خوبصورت اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ مگر سب سے آخر میں جس نعمت کا ذکر کرتا ہے:

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ [9/التوبة:72]

''رب کا راضی ہو جانا سب سے بڑی نعمت ہے۔''

علامہ رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ہیچ کرمنا شنید ایں آسمان
کہ شنید ایں آدمی پر غماں

مولانا سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس میں اللہ فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا﴾ [17/الاسرا:70]

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی ان کو پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔''

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان نے کبھی یہ آواز نہیں سنی کہ ہم نے تجھ کو عزت اور دوسری مخلوقات پر فضیلت بخشی یہ اعزاز صرف دکھ اور غم میں مبتلاء انسان کو حاصل ہوا۔ یہ انعام صرف اس لئے ملا کہ انسانی زندگی دکھوں سے پر ہے۔ اس مشت خاک کی زندگی میں جو آلام اور مصیبتیں ہیں وہ دنیا میں کسی بڑی سے بڑی مخلوق کو لاحق نہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ایک فارسی نظم ہے ''تنہائی'' اس میں لکھتے ہیں: کہ میں سمندر کے پاس گیا اس کی مضطرب لہروں سے کہا کہ تم اتنی بے چین ہو کیا تمہارے پاس دل ہے تو وہ شرمسار ہو کر لوٹ گئیں۔ یہ غم جھیلنے، کڑھنا، رب کی تلاش میں جاگنا، اس کی راہ میں جانیں قربان کرنا یہ صرف اس دل کا کام ہے۔ فرماتے ہیں: پھر میں پہاڑوں کے پاس گیا سورج اور چاند سے پوچھا مگر سب لاجواب ہو گئے۔ اسی طرح پھر وہ اللہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور کہا:

شدم بہ حضرتِ یزداں گذشتم ازمہ و مہر
کہ در جہانِ تو یک ذرہ آشنایم نیست
جہاں تہی زِ دل و مشتِ خاکِ من ہمہ دل
چمن خوش است ولے درخور نوایم نیست
تبسمے بہ لبِ او رسید و ہیچ نہ گفت

قلندرانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ میں سورج چاند اور آسمان سے بھی گذر کر رب کائنات کے پاس گیا اور عرض کیا کہ میں نے ساری دنیا میں تلاش کیا مگر مجھے پوری کائنات میں اپنا کوئی واقف حال نہیں ملا کوئی اس غم کا ساجھی نہیں جو مجھے لگا۔ یا یہ سارا جہان دل سے خالی ہے اور مجھے جو مشت خاک دی وہ سب دل ہی دل ہے۔ تو نے یہ باغ بہت خوبصورت اور دیدہ زیب بنایا مگر یہ میرے چہچہانے کے لائق نہیں کیونکہ اس جہاں میں اور کوئی پرندہ ہی نہیں جو میرا ہم نوا ہو۔ اس میں مجھ جیسا سوز ہو اور وہ رو سکے۔ جب اللہ نے میری غم انگیز فریاد سنی تو اس کے ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ آئی اور وہ خاموش رہا۔

اس لئے اس امانت کو اٹھانے کے لئے کوئی اور مخلوق تیار نہ ہوئی کہ غموں کی بھٹی میں کون جلے۔ ساری زندگی تلاش یار میں خاک چھاننا اس کی راہ میں جانیں قربان کرنا، تلواروں کی نوک پر سر رکھ کر مسکرانا، یہ صرف اس خاکی انسان نے کیا، کہ اس نے ایک ایک مسئلے کی تلاش میں عمریں گزار دیں۔ صحرا اور بیابان کے سفر کئے اگر عبادت گزاروں کی طرف دیکھیں تو انہوں نے نماز اور روزے میں اپنی زندگیاں تیاگ دیں۔ اگر مجاہدین کی طرف دیکھیں کہ

دشت تو دشت رہے صحرا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

مومن جس شان سے زندگی گذارتا ہے اسی شان سے اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ وہ میدان کارزار میں اپنی جان دیتا ہے تو مسکراتا ہوا اپنے رب کے حضور پیش ہوتا ہے۔ اگر بستر مرگ

پہ جان دیتا ہے تو اپنے مالک حقیقی کو یاد کرتا ہوا اس فانی دنیا سے اپنی ابدی منزل کی طرف رخصت ہوتا ہے۔ بہت سے بزرگوں کے حالات ان کے ساتھیوں نے لکھے ہیں۔ ان میں ان کی بیماری کے حالات اور اس دنیا سے رخصت کے مناظر بھی قلمبند کئے ہیں۔ کہ اللہ کے بندے کس طرح اللہ کو یاد کرتے ہوئے اور مسکراتے ہوئے اپنے دوست حقیقی کی ملاقات کے لئے روانہ ہوئے۔

فارسی شاعر ابن یمین نے ان مناظر کو اپنی ایک رباعی میں یوں پیش کیا ہے:

منگرید کہ دلِ ابن یمیں پر خوں شد
بنگرید کہ از سرائے فانی چساں رخصت شد
مصحف بہ کف پابرہ دیدہ بدوست
ملک الموت آمدُ خندہ زنان رخصت شد

ابن یمین لکھتے ہیں کہ یہ نہ دیکھو کہ میں نے فانی زندگی کن مشکلات میں گزاری اس دنیا میں کتنے غم اور دکھ جھیلے۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اس فانی دنیا سے میں کس شان سے رخصت ہوا ہوں کہ قرآن پاک میرے ہاتھ میں ہے۔ پاؤں چلنے کے لئے تیار ہیں اور نظریں دوست پہ لگی ہیں۔ کہ ادھر جان نکلی ادھر دوست سے جاملوں گا۔ موت کا فرشتہ آیا اس کے ساتھ مسکراتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

براء ابن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک صحابی انصاری کے جنازے کے ساتھ گئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہمارے ساتھ تھے ابھی لحد تیار نہیں ہوئی تھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبلہ رو ہو کر بیٹھ گئے کبھی زمین کھودنے لگتے کبھی آسمان کی طرف نظر کرتے اور ہم سے فرمانے لگے:

"اِسْتَعِیْذُوا بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

"قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔"

اور خود بھی تین دفعہ پڑھا:

"اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ"

"یا اللہ! میں قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

اس کے بعد فرمانے لگے: جب کسی مومن کا وقت آخر ہوتا ہے تو فرشتوں کا ایک گروہ آتا ہے۔ ان کے پاس جنت کا کفن اور خوشبو ہوتی ہے، وہ اس آدمی سے کچھ فاصلے پر آ کر رک جاتے ہیں ان میں سے اس گروہ کا سردار یعنی ملک الموت اس آدمی کے پاس آتا ہے اسے سلام کہتا ہے

اور فرماتا ہے:

"اَخْرُجِیْ عَلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ"

کہ "چل اس رب کی طرف جو تم سے راضی ہوا اور اس نے تیرے گناہ بخش دیئے۔" [1]

مومن کی جان بہت آسانی کے ساتھ نکل جاتی ہے وہ روح جہاں سے بھی گزرتی ہے زمین و آسمان کی ہر چیز اور فرشتے اسے سلام کہتے ہیں۔ مومن کا اس دنیا سے رخصت ہونا اپنے رب کے ہونے کی گواہی ہے کہ اگر یہ دین سچا نہ ہوتا تو میں اپنی زندگی اس دنیا میں غموں اور مصیبتوں میں گزار کر اتنی ہنسی خوشی اس دنیا سے رخصت نہ ہوتا۔

اللہ نے انسان کو بہت عظمت بخشی ہے اگر وہ اپنے مقام کو پہچانے اور زندگی اسی طرح گذارے جیسے اس کا مالک حقیقی چاہتا ہے تو اسے ایسی حیات ابدی حاصل ہوتی ہے کہ موت بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو انبیاء، صلحاء، صدیقین اور شہداء تاریخ کے اوراق میں اسی طرح زندہ ہیں۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زندگانی ہے صدف ، قطرۂ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر خود گر و خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

انسان کا یہ مقام ہے کہ وہ اللہ کا نائب ہے اسے وہ فرشتوں سے بھی زیادہ محبوب ہے انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے مقام اور مرتبے کے مطابق زندگی گذارے اگر کوئی گورنر چپڑاسی جیسی حرکتیں کرے تو اسے کس نظر سے دیکھا جائے گا؟۔

زندگی کی آزمائشوں سے گھبرانا نہیں چاہیے انہی آزمائشوں کا اجر ملے گا جب انسان پر غم دل لے کر اپنے مالک کے حضور پیش ہوگا تو اللہ ان مشکلات کا بہت بہتر اجر دے گا وہ اجر

﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾

"کہ وہاں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ دنیاوی زندگی کا پچھتاوا ہوگا۔"

[1] تلخیص احکام الجنائز للالبانی ص:65۔

اللہ قرآن پاک میں جہاں بھی جنت کا ذکر فرماتا ہے وہاں جنت کی نعمتوں کے ساتھ یہ فقرہ ضرور دہراتا کہ وہاں انہیں کوئی خوف اور ڈر لاحق نہیں ہوگا۔ جنت میں یہ مقام انہی لوگوں کو ملے گا جنہوں نے اپنی زندگی اس مقام اور مرتبے کے مطابق گزاری جو انہیں اللہ نے عطا کیا۔

اس بلندی کو صرف قرآن پاک نے اور رسول ﷺ نے بیان کیا ہے ورنہ دیگر مذاہب میں اسے راندۂ درگاہ بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے انسان کے مقام کو مسخ کیا ہے۔

بلکہ بائبل نے تو آدم علیہ السلام کا جو قصہ بیان کیا ہے اس میں بتایا ہی یہ گیا ہے کہ آدم اور حوا نے اللہ کی نافرمانی کی تو اللہ نے دونوں کو جنت سے نکال کر علیحدہ علیحدہ اس زمین میں پھینک دیا اور تین سو سال تک روتے رہے پھر ان کی توبہ قبول کی۔ یہ ساری کہانی لغو اور بکواس ہے ان سے نافرمانی ضرور ہوئی مگر انہوں نے وہیں توبہ کی جسے اللہ نے قبول کرلیا۔ آپ سورہ بقرہ کا مطالعہ کریں اللہ نے فرمایا: کہ اتر جاؤ! اس کے بعد فرمایا: کہ انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے منظور کرلیا۔

اس کے بعد فرمایا کہ اتر جاؤ پہلا حکم نافرمانی کی وجہ سے تھا۔ اس وقت انہوں نے توبہ کی تو اللہ نے خود انہیں وہ الفاظ بتائے جو سورۂ اعراف میں ہیں:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾

"اے پروردگار ہم سے غلطی ہوئی اب اگر تو نے معاف نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔" [7/الاعراف:23]

اللہ نے اسی وقت ان کی دعا قبول کی۔ یہ کہانی عیسائیوں اور یہودیوں نے گھڑی ہوئی ہے اسی لئے وہ رہبانیت سے جان نہیں چھڑا سکے کیونکہ ان کے ہاں تصور یہ ہے کہ اسے مجرم ہونے کی وجہ سے اس دنیا میں بھیجا گیا۔ اس لئے یہ دنیا انسان کے لیے ایک قید خانہ ہے۔ وہ یہ بات نہیں سمجھتے کہ یہ دنیا اس کا مستقر اور ٹھکانہ ہے اسے یہاں ایک اسائنمنٹ دے کر بھیجا گیا ہے۔ زمین پہ یہ بطور خلیفہ اتارے گئے اور اسے اختیار دیا گیا کہ اس زمین کا بندوبست کرے، بقول علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ

حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد

کہ جب انسان اس دنیا میں آیا تو حسن بھی کانپ گیا کہ اب صاحب نظر پیدا ہو گیا ہے یہ حسن کو اپنے معیار کے مطابق پرکھے گا اسے تنقید کرنے والی نظر عطا ہوئی ہے یہ کہے گا کہ اس گلشن کو یوں نہیں یوں ہونا چاہیے! یہ اس زمین میں اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرے گا۔ عشق نے بھی کہا کہ میرے کام کا بندہ تو اب آیا ہے۔ جو خونیں جگر ہے تلوار سینے میں پیوست ہو گی اور وہ نعرہ تکبیر بلند کرے گا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے رسول ﷺ کی سچی اتباع نصیب فرمائے اور آخرت کی کامیابی نصیب فرمائے۔

انسان کی تخلیق کا مقصد

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾

[4/النساء:1]

"لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا یعنی اول اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان سے کثرت سے مرد اور عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیئے اور اللہ سے جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے حق وصول کرتے ہو ڈرو اور قطع ارحام سے بچو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی کلام میں ایک حکایت بیان کی ہے کہ کسی درخت پر دو پرندے بیٹھے ہوئے تھے ایک پرندہ دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ انسان خوامخواہ بڑائی کے گھمنڈ میں ڈھینگیں مارتا ہے حالانکہ اس کے پر ہی نہیں ہیں کہ وہ اڑ سکے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے یہ سن کر اس پرندے سے کہا کہ انسان نے اب ترقی کر لی ہے کہ اس نے ایسے جہاز بنا لئے ہیں جو پلک جھپکنے میں انسان کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں اب انسان نے فضا کو تسخیر کر لیا ہے۔ پرندے نے میری یہ بات سن کر اپنے پر میں چونچ پھیری اور جواب دیا:

تو کار زمین رانکو ساختی؟
کہ با آسماں نیز پرداختی؟

تو نے زمین کا انتظام اچھی طرح کر لیا ہے کہ آسمان کی طرف پرواز شروع کر دی ہے۔ کسی دانشور نے درست ہی کہا کہ انسان پرندوں کی طرح فضا میں اڑتا ہے مچھلی کی طرح سمندر میں تیرتا ہے مگر افسوس! اسے انسان کی طرح زمین پہ رہنا نہیں آیا۔

اللہ نے بے شمار انبیاء کرام علیہم السلام اس دنیا میں بھیجے کہ ان لوگوں کی تربیت کر کے انہیں

شائستہ اور مہذب انسان بنا دیا جائے۔ یہ سب نمازیں روزے زکوۃ حج، ان سب کا اصل مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اچھا انسان بنایا جائے۔ مگر افسوس کہ لوگوں کی بہت بڑی اکثریت ہمیشہ گمراہ رہی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی کہیں وعظ فرماتے یا خطبہ نکاح ارشاد فرماتے تو سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت تلاوت فرماتے۔

انسان اگر یہ چاہتا ہے کہ اس دنیا میں امن وسکون سے رہے تو اس کی دو بنیادیں ہیں، پہلی وحدت الہ اور دوسری وحدت آدم۔ انسان اس کوشش میں سرگرداں ہے کہ پرانے نظام ختم کر کے کوئی نیا نظام رائج کر دیا جائے تا کہ اس کرۂ ارض سے جنگ وجدل کے بادل چھٹ جائیں۔ تنازعات کی گرد بیٹھ جائے اور بھائی چارے کی فضا پیدا ہو جائے اور دنیا کسی ایسے نیو ورلڈ آرڈر پر متفق ہو جائے جس سے جھگڑوں کا یہ لامتناہی سلسلہ ختم ہو جائے جس نے انسان کا امن وسکون برباد کر رکھا ہے۔

مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ ہم اس بات پر متفق نہیں ہوتے کہ ہمارا جو پیدا کرنے والا ہے وہ حی القیوم ہے اس دنیا میں قائم سب آستانے باطل ہیں وہی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اس کائنات کا نظام اسی ہستی کے پاس ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر کا سب سے پہلا اصول توحید ہے کہ ہمارا رب ایک ہے۔ کیونکہ اللہ کے علاوہ تمام انسان کسی ایک خدا پر متفق نہیں ہو سکتے۔ بت پرستوں کی طرف دیکھیں کہ تمام بت پرستوں کے خدا علیحدہ علیحدہ ہیں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی طرف دیکھیں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے دل صاف ہیں ان میں بغض اور کینہ بالکل مفقود ہے لیکن اس کے باوجود وہ ایک بات پر متفق نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے شیخ ہیں دوسرا گروہ ان سے جھگڑتا ہے کہ تم لوگ غلط کہتے ہو: حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔ یہ جھگڑا اسی وقت ختم ہو سکتا ہے کہ یہ مان لیا جائے اللہ ہی ہے جو اس کائنات کا مالک ہے وہی ہے جس کی پوجا کی جائے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا: تمہیں بنانے والا ایک اللہ ہے اور تمہارا ایک ہی باپ ہے اور وہ آدم علیہ السلام ہیں۔ [1]

یہ وحدت کا دوسرا اصول ہے۔ ابلیس نے انہی دو بنیادوں پر حملہ کیا ہے لوگوں کو گمراہ کر کے

[1] مجمع الزوائد باب لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی: 7، 8/87،

بہت سے آستانے بنا دیئے اور دوسری ضرب وحدت آدم پر لگائی کہ اسے بہت سی تفریقوں اور دائروں میں تقسیم کر دیا۔ اس میں سب سے بڑی تفریق اوطان کی ہے کہ ہم عربی ہیں، ہم ہندی ہیں، ہم یوپی ہیں۔ ان میں ایک تفریق صوبائی کہ ہم سندھی ہیں ہم پنجابی ہیں۔ حالانکہ اس میں کسی انسان کا نہ کوئی کمال ہے اور نہ ہی کوئی اختیار ہے کیونکہ اسے اللہ نے جہاں چاہا پیدا کر دیا۔ یہ نسلی تفریق اس حد تک ہے کہ یورپ میں رہنے والے سب گورے ہیں۔ مگر ان میں جرمن دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم سب سے اعلیٰ ہیں، فرانسیسی دعویٰ کرتے ہیں کہ نہیں ہماری تہذیب زیادہ پرانی ہے۔ انگریز اپنی بڑائی کے دعوے دار ہیں۔ ایک تفریق رنگوں کی ہے۔ کوئی کالا ہے، کوئی گورا ہے یہ تفریق اس حد تک ہے کہ دنیا کے سب سے مہذب ہونے کا دعویٰ کرنے والے ممالک میں گوروں اور کالوں کی آبادیاں الگ الگ ہیں۔ ان کی خریداری کے لئے دکانیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور سب سے بڑی بات کہ عبادت کے لئے گوروں اور کالوں کے گرجے بھی الگ الگ ہیں۔

ایک ہی مذہب ہندومت کے ماننے والوں برہمنوں اور اچھوتوں میں تفریق اس حد تک ہے کہ برہمن عبادت کر رہا ہو تو اچھوت اسے سن نہیں سکتا۔ بہت سے لوگ زبانوں پر جھگڑ رہے ہیں۔ یہ لسانی اختلافات کبھی کبھار اتنی شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ قتل وغارت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ حالانکہ یہ تو صرف اظہار کا ذریعہ ہیں۔ ہر قوم کی زبان اس کے ابلاغ کے تقاضے پورے کرتی ہے اس میں تفاخر کی کونسی بات ہے۔

یہ تقسیم اور دائرے ہیں جس نے اولاد آدم کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس بنیاد پر ہونے والی جنگوں میں انسان اس پستی میں گرا کہ اتنے تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ہونے کے باوجود اس نے جاہلیت اولیٰ کی یاد تازہ کر دی۔ تقسیم کی بنیادیں وہی ہیں جو پتھر کے زمانے کے انسانوں میں تھیں۔ یہ تقسیم اسی طرح ختم ہو سکتی ہے کہ ساری دنیا اس نقطہ پر اکٹھی ہو جائے کہ ہمارا اللہ ایک ہے اور ہم ایک ہی باپ آدم کی اولاد ہیں۔ اور یہ وہ بنیاد ہے جس پر ساری دنیا کے انسان اکٹھے ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور بنیاد ہے جس پر بھائی چارے کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے وہ اسلام ہے۔ وہ نبی امی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامن ہے جس میں پناہ لینے کے بعد رنگ نسل اعلیٰ ادنیٰ عربی عجمی سب تفریقیں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ اس طرح بھائی بھائی بن جاتے ہیں کہ ایک ماں کے جنے ہوئے بھائیوں میں بھی وہ محبت پیدا نہیں ہوتی۔

پھر ایک اور خاندان وجود میں آتا جس میں محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے باپ ہیں امہات

المؤمنین ہماری مائیں ہیں۔ تمام کلمہ گو جسد واحد کی طرح ہو جاتے ہیں جیسے سر میں درد ہو تو تمام جسم بے سکون ہو جاتا ہے اگر تیونس میں کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے تو پاکستان اور افغانستان میں اس کا درد محسوس ہوتا ہے۔ وہ

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفریق کی تمام زنجیریں توڑ کر انہیں ایک تسبیح میں پرو دیا ہے جو شخص اس میں کسی بھی قسم کی تفریق ڈالتا ہے وہ انتہائی ظالم ہے۔ وہ مسلک ہی باطل ہے جو مسلمانوں میں کسی قسم کی تقسیم ڈالے۔ یہ زنا اور قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔ یہ اس لئے بہت بڑا گناہ ہے کہ صدیوں سے انسانیت سسک رہی تھی۔ لوگوں کو رنگ و نسل کی بنیاد پر قبیلوں کی بنیاد پر اعلیٰ ادنیٰ میں تفریق کر کے لڑایا جا رہا تھا۔

انسانی تاریخ میں پہلی بار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آ کر تمام تفرقے ختم کئے۔ قبائلی معاشرے میں بٹے ہوئے لوگوں کو اس طرح کر دیا کہ پھر تاریخ نے وہ عجیب منظر بھی دیکھا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جو نسلاً حبشہ کے تھے یمن میں پیدا ہوئے نو عمری میں غلام بنا لئے گئے۔ قریش کے مختلف لوگوں کے غلام رہے پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا۔ جب انہوں نے شادی کرنا چاہی تو ایک ایسے شخص نے اپنی بہن کا رشتہ دیا جو دنیاوی لحاظ سے بہت اونچا تھا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ وہ بنی زہرہ کے سردار، رشتے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں، دس جنتی صحابہ میں سے ایک، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ سب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعجاز تھا کہ انہوں نے تمام تفاخر اپنے پاؤں تلے روند دیئے انسانی تاریخ کے سب سے روشن دور میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ ان میں ایک اور واقعہ پیش خدمت ہے۔

اسلام کی ایک بیٹی نے ایسی درخشاں مثال قائم کی جو آنے والے دور میں مشعل راہ رہے گی۔ اس واقعہ کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے، ابو عبد الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے جتنی بھی حدیثیں روایت کی ہیں یہ ان میں سب سے اعلیٰ اور خوبصورت ہے۔ [1] رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک صحابی تھے۔ جلیبیب رضی اللہ عنہ ان کا نام تھا، رنگ ان کا سیاہ تھا، قد چھوٹا تھا، شکل و صورت بھی واجبی سی تھی، طبیعت بھی کوئی ایسی سنجیدہ نہیں تھی، راہ چلتے عورتوں میں کھڑے ہو جاتے ہنسی مذاق کی باتیں کرتے، نیت ہرگز بری نہ تھی، مدینہ میں بہت سے اور لوگوں کی طرح ابو بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی بچیوں کو منع کر رکھا تھا کہ جلیبیب رضی اللہ عنہ

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب فضائل جلیبیب

کو ہرگز تمہارے پاس نہ دیکھوں! ایک دن انہی ابو بردہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہاری بیٹی کا رشتہ چاہتا ہوں! وہ بہت خوش ہوئے کہ شاید رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے رشتہ مانگا ہے۔ کہا: کہ یا رسول اللہ! اس سے بڑی ہماری خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے؟۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے لئے نہیں! جلیبیب رضی اللہ عنہ کے لئے رشتہ چاہتا ہوں۔ یہ بات ابو بردہ رضی اللہ عنہ کو ناگوار گزری کہ مدینہ میں ایک میری ہی بیٹی رہ گئی تھی کہ جلیبیب کیلئے رشتہ مانگا۔ انہوں نے اظہار تو نہ کیا مگر ٹالنے کیلئے بہانہ کر دیا کہ میں بیوی سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ گھر جا کر بیوی سے بات کی تو بیوی نے کہا: توبہ! توبہ! جلیبیب! بیوی نے ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے کہا: کہ جا کر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دے دو! بیٹی پردے کے پیچھے سے تمام باتیں سن چکی تھی۔ اس نے باپ کو آواز دی اور کہا: کہ ابا جان! آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جواب دیں گے؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز مجھے ضائع نہیں کریں گے وہ امت کی بیٹیوں کے زیادہ خیر خواہ ہیں۔ آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہاں کہہ دیں! چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بچی کا نکاح خود جلیبیب رضی اللہ عنہ سے پڑھایا۔

حدیث میں آتا ہے: کہ اس طرح کی دعا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی اور کے نکاح پر نہیں مانگی جو اس بچی کے لئے مانگی:

"اَللّٰهُمَّ صُبَّ عَلَيْهَا الْخَيْرَ صَبًّا وَلَا تَجْعَلْ عِيْشَهَا كَدًّا"

"یا اللہ! اس پر خیر کی موسلا دھار بارش برسا اس کی زندگی میں کوئی تلخی اور ناگواری نہ آئے۔"

پھر حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ نے جو مرتبہ و مقام حاصل کیا وہ بھی قابل فخر ہے وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ میں گئے لڑائی کے بعد گمشدہ لوگوں کی تلاش شروع ہوئی تو جلیبیب رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے کافی تلاش کرنے کے بعد سات کفار کی لاشوں کے درمیان ان کی بھی لاش پڑی تھی۔ یعنی سات کفار کو قتل کرنے کے بعد خود بھی شہید ہو گئے اس کی میت پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ جملہ کہا جو ساری حیات مبارکہ میں صرف خوش نصیب لوگوں کے لئے کہا ہو گا آپ نے فرمایا:

"اَنَا مِنْ جُلَيْبِيْب وَجُلَيْبِيْب مِنِّي"

"میں اور جلیبیب دو نہیں، میں جلیبیب میں سے ہوں اور جلیبیب مجھ سے ہے"۔ [1]

[1] صحیح مسلم، مسند احمد۔

اس روایت میں لکھا ہے ان کو اکیلے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھا کر قبر میں لٹایا، یہ انہونا کام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرانجام دیا۔ ورنہ آج بھی اتنے پڑھے لکھے اور ترقی یافتہ ہونے کے باوجود لوگ اس بات سے پیچھا نہیں چھڑا سکے۔ ہماری برادری مختلف ہے، زبان اور ہے، ہمارے ہم پلہ نہیں ہیں، لوگ ابھی تک اس بات کو نہیں مان رہے کہ انسانیت کی بنیاد وحدت الہ اور وحدت آدم ہے۔ اسلام نے اس بات کو انسانی ذہنوں میں راسخ کیا

شکیب امتیازات آمدہ

درنہاد او مساوات آمدہ

''دنیا اعلیٰ وادنیٰ آقا اور غلام کی تقسیم میں پھنسی ہوئی تھی پھر ایک امین دنیا میں تشریف لائے اور مساوات کی امانت دنیا کے سپرد کی۔''

آقا اور غلام کی تمیز ختم کردی، انسانوں کے درمیان ایسی مساوات قائم کی کہ آسمان نے یہ منظر بھی دیکھا۔ کہ مسلمانوں کی ایرانیوں کے ساتھ جنگ ہوئی۔ ان کے سپہ سالار جابان نے ایک مسلمان غلام سے امان طلب کی: غلام اسے پہچانتا نہ تھا اس نے جابان کو پناہ دے دی۔ بعد میں لوگوں نے اسے پہچان لیا۔ اب لشکریوں میں یہ بحث شروع ہوگئی کہ اس کی امان کو مانا جائے یا اسے قتل کر دیا جائے؟ ایک گروہ یہ کہہ رہا تھا: کہ ایک غلام کی امان کی کیا حیثیت ہے اسے قتل کر دیا جائے۔ بات امیر لشکر حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے ایک مسلمان نے پناہ دی ہے۔ یہ امان بھی ہمارے لئے اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح ایک آزاد مسلمان کی امان ہے یہ کہہ کر جابان کو آزاد کر دیا۔

دنیا نے صدیوں کی کوششوں کے بعد انصاف، مساوات اور انسان آزادی کا امین ایک ادارہ بنایا ہے۔ جسے اقوام متحدہ کہتے ہیں۔ مگر کتنی افسوس ناک بات ہے کہ اس کی بنیاد ہی ناانصافی پر رکھی گئی۔ پانچ ممالک کو ویٹو (Veto رد) کا حق دیا گیا ہے دنیا کے دوسو کے قریب ممالک ایک بات پر متفق ہو جائیں ایک ملک اس کو ویٹو (Veto رد) کردے دوسو ملکوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ اس ادارے نے آج تک نہ تو کسی ملک کو انصاف دیا ہے اور نہ ہی انسانی آزادی کا تحفظ کیا ہے۔

خود ان پانچ ممالک کے پاس مہلک ہتھیاروں کے انبار لگے ہوئے ہیں لیکن اگر کوئی مسلمان ملک اپنے تحفظ کیلئے کوئی چھوٹا سا ایٹمی پلانٹ ہی لگا لے تو اس پر پابندیاں لگ جاتی ہیں معائنہ کار اس ملک میں پہنچ جاتے ہیں۔ کیا اس کو انصاف اور انسانی آزادی کہتے ہیں۔ انسانی

آزادی اور مساوات کا چارٹر (دستور العمل) پندرہ صدیاں پہلے ایک نبی امی نے پیش کیا تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو خطبہ دیا تھا اس میں انسانی آزادی اور مساوات کا ایسا بیش بہا تصور پیش کیا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انسانی جان اسی طرح قابل احترام ہے جس طرح یہ دن یہ مہینہ اور یہ شہر حرام ہے۔ [1]

وہ دن حج کا تھا لوگ احرام میں تھے جس میں ایک جانور کو مارنا بھی حرام ہے۔ ذوالحج کا مہینہ سال کے چار مہینوں میں سے تھا جس میں کفار بھی جنگ نہیں کرتے تھے اور شہر ایسا مبارک اور محترم جس میں ہمیشہ کے لئے شکار تک حرام ہے۔

اسلام نے تو انسانی زندگی کو یہ احترام دیا ہے مسلمانوں کے بارے میں کفار کا یہ الزام ہے کہ یہ جنگجو اور دہشت گرد ہیں، انسانی خون بہاتے ہیں، لیکن یہ الزام انتہائی لغو ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے۔ ذمی کو اتنا تحفظ دیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تین گروہ ایسے ہیں کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے فریق ہوگا۔'' [2] ان میں ایک ذمیوں کا گروہ ہے۔ میدان جنگ میں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جنگ میں کوئی قانون نہیں ہوتا مگر اس میں بھی مسلمانوں کو پابند کر دیا ہے کہ عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔

اسی موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''گورے کو کالے پر، عربی کو عجمی پر، آقا کو غلام پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔'' [3]

دنیا بھر میں لکھے گئے قوانین، آئین اور ضابطے پڑھ لیں اس سے بڑھ کر بہتر کوئی بات نہیں کہی گئی۔ انصاف کا کیسا انتظام کیا گیا ہے انسانوں کے درمیان مساوات کس طرح قائم کی گئی ہے۔ پہلی صدی ہجری کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے، بہت صدیاں گزرنے کے بعد کی بات ہے ترکی میں ایک مسلمان بادشاہ سلطان مراد تھا۔ بہت باجبروت حکمران تھا اس نے ایک معمار کو بلایا اور ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ مسجد مکمل ہوگئی تو سلطان معائنے کے لئے آیا اسے مسجد کی تعمیر میں کوئی نقص نظر آیا۔ اس نے معمار کا ہاتھ کٹوا دیا معمار روتا پیٹتا قاضی کے پاس گیا۔ قرآن پاک

---

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الحج باب الخطبۃ ایام منیٰ: 573/3، ح: 1739،

[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حر: 417/41، ح: 2227،

[3] مجمع الزوائد: 87/8، باب لافضل لاحد

قاضی کے سامنے پڑا تھا معمار نے اپنا خون آلود ہاتھ دکھایا اور کہا کہ قاضی صاحب آپ قرآن پاک کے امین ہیں۔ میرے اور شاہ مراد کے درمیان انصاف کیجئے! قاضی نے سلطان کے نام پروانہ لکھ کر اسے طلب کیا۔ سلطان مراد کانپ گیا وہ قاضی کے پاس پیش ہو گیا قاضی نے پوچھا: معمار کا ہاتھ تم نے کاٹا ہے؟ سلطان مراد نے جرم تسلیم کیا۔ قاضی نے قصاص کے بارے میں قرآن کی آیت پڑھی اور کہا: قرآن تو برابری اور انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ سلطان مراد کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ سلطان نے اپنا ہاتھ پیش کر دیا۔ معمار کو بادشاہ پر رحم آ گیا۔ اس نے کہا کہ میں سلطان کو معاف کرتا ہوں! مجھے انصاف مل گیا ہے۔

رنگ نسل زبان کی سطح پر ہونے والی یہ تقسیم بھی بہت بڑا جرم ہے۔ مگر ایک جرم اس سے بھی بڑا اور سنگین ہے اور اس کے اثرات بھی اس سے بڑھ کر ہیں اور وہ ہے مسلک کی بنیاد پر تقسیم۔ فقہی یا عقیدوں کے اختلاف کی بنیاد پر کفر اور جہنم کے فتوے۔ یہ ناقابل معافی جرم ہیں۔ میں انتہائی ذمہ داری سے یہ بات کہتا ہوں: کہ یہ کہنا کہ ایک فرقے کے ماننے والے کی نماز دوسرے مسلک والے کی اقتداء میں نہیں ہوتی، دنیا میں سب سے جھوٹا مسئلہ ہے۔ اس طرح کی تفریق پیدا کرنے والے علماء کو سرعام پھانسی دینی چاہئے اور ایسی کتابیں جلا دینی چاہئیں جس میں اس طرح کے فتوے لکھے ہوئے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں یہ ساری باتیں تھیں آپ نے شیعوں خارجیوں اور بدعتیوں کے بارے میں پیش گوئیاں کی ہیں۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی یہ نہیں فرمایا: کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنا! یہ مسلمانوں کو جوڑنے والی آخری بات ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نماز پڑھیں۔ آپ نے فرمایا تھا: کہ ایسا دور بھی آئے گا کہ لوگ بے وقت اور بے ڈھنگی نماز پڑھیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: ہمارے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: نماز ان کے ساتھ پڑھنا۔

ان اختلافات کے بارے میں پریشان ہونے والی بات نہیں ہے کیونکہ فقہی اختلاف فطری بات ہے کیونکہ اللہ نے ذہن مختلف سطح کے پیدا کئے ہیں۔ ایک عام آدمی قرآن پاک پڑھتا ہے اسے اس میں کوئی عام مسئلہ نظر آتا ہے۔ فلسفی اسے پڑھتا ہے تو اسے اس میں گہری بات نظر آتی ہے۔ بس یہ بات سمجھ لیں جس طرح دیگر علوم میں مختلف سکول آف تھاٹ (مکاتب فکر) ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسلام میں فقہی مسالک مختلف سکول آف تھاٹ (مکاتب فکر) ہیں ان اختلافات کی حیثیت علمی ہے۔ اس میں دین سے خارج کر دینے والی کوئی بات نہیں۔ اس بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ نماز نہ پڑھنا یا ایک دوسرے سے رشتے ناتے نہ کرنا جرم ہے۔

حضرت امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ بہتر فرقوں والی حدیث کے بارے لکھتے ہیں کہ اس حدیث کی بنیاد پر جو لوگ باقی بہتر (72) فرقوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ خیال قطعی باطل ہے اور وہ قرآن وسنت کے منکر ہیں۔ یہ سب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں اور انہوں نے آخر جنت میں داخل ہونا ہے۔ ان کا دوزخ میں جانا بھی یقینی نہیں ہے یہ تو ایک وعید ہے جس طرح کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قاتل جہنم میں جائیں گے۔ اللہ معاف کر سکتا ہے۔ اگر ان کی بات مانی جائے کہ بہتر (72) فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بات کیسے سچی ہوگی کہ قیامت کے دن اسی (80) صفیں میری امت کی ہوں گی اور باقی تمام انبیاء علیہم السلام کے ماننے والوں کی چالیس ہوں گی۔ یہ فرقے اس دور میں پیدا ہوئے جن سے بہتر دور کوئی اور نہیں ہے۔ میری مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے۔

شیعہ اور خارجی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ظہور پذیر ہوئے۔ جب باغیوں نے مسجد نبوی پر قبضہ کر کے نماز کی امامت خود شروع کر دی۔ اس وقت عبیداللہ بن عدی بن الخیار رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہو کر کہا کہ آپ امام برحق ہیں۔ باغیوں نے آپ کو بے دخل کر کے مسجد نبوی پر قبضہ کر لیا ہے ہمارا دل نہیں مانتا کہ ان کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: کہ نماز سب سے اعلیٰ کام ہے وہ نماز کے لئے بلائیں تو نماز ان کے ساتھ پڑھو! جب فتنے کی طرف بلائیں تو ان کے ساتھ شریک نہ ہونا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا یہی تقاضا ہے کہ آپ بھی اس عداوت کو ختم کر دیں اور تمام مسجدوں میں نماز پڑھیں اور سمجھیں میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کیا ہے۔

المغنی میں یہ ساری بحث ہے کہ اہل بدعت کے پیچھے جمعہ کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ یاد رہے کہ یہ اہل بدعت فقہی بناء پر نہیں تھے بلکہ عقیدوں میں اختلاف کی بناء پر تھے ان میں شیعہ خارجی اور معتزلی شامل تھے اور اہل سنت کے ساتھ ان کے اختلافات کوئی پوشیدہ بات نہیں۔

خلیفہ مامون اور اس کے گورنر معتزلی تھے۔ امام اہل سنت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا: کہ ہم اہل بدعت کے پیچھے جمعہ پڑھیں؟ کیونکہ اس زمانے میں دستور یہ تھا کہ خلیفہ اور گورنر جمعہ کا خطبہ دیتے تھے۔ امام رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ان کے پیچھے نماز پڑھو! اہل علم میں اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بات پر متفق

ہیں۔ خود حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ جیسے متقی اور پرہیز گار صحابی حجاج اور دوسرے ظالم گورنروں کی اقتداء میں نمازیں اور جمعہ پڑھتے تھے حالانکہ حجاج بن یوسف کے مظالم اور سفا کی سے سب لوگ واقف ہیں۔

صحیح مسلم میں امام صاحب ؒ نے اس بارہ میں علیحدہ باب قائم کیا ہے خلیفہ عبد الملک نے جب حجاج کو امیر حج بنا کر بھیجا تو کہا: تمام مسائل عبد اللہ بن عمر ؓ سے پوچھنا۔ اس نے اس پر عمل کیا۔ اس بارے میں حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا کہ اگر امیر حج ظالم بھی ہو تو اس کی اقتداء میں حج جائز ہے۔ ابن قدامہ ؒ لکھتے ہیں: کہ ایک صحابی بھی ایسا نہیں ہے جس نے یہ کہا ہو کہ ایسے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ ابن قدامہ ؒ لکھتے ہیں: جب مختار ثقفی کوفہ میں حکمران تھا اس وقت وہاں علماء اکٹھے ہوئے اور اس بات پر بحث ہوئی کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ یہی فیصلہ ہوا کہ اس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے۔ اسے عبد اللہ بن حزاید نے روایت کیا ہے۔ ہمیں امت کی وحدت کو نقصان نہیں پہنچانا چاہئے۔ وہ عالم ڈاکوؤں سے بڑھ کر ظالم ہے جو مسلمان گروہوں کو آپس میں لڑاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم سب کو رسول ﷺ پر ایمان نے جوڑ رکھا ہے۔ جب تک کوئی رسول ﷺ کو مانتا ہے وہ مسلمان ہے اس کے ساتھ نماز اور رشتے ناتے جائز ہیں۔

امام محمد بن نصر ؒ نے کسی سے پوچھا کہ اگر کوئی ابو بکر ؓ، عمر ؓ کی بات نہ مانے وہ کیسا ہے اس نے جواب دیا وہ بہت برا ہے۔ امام صاحب ؒ نے پوچھا جو رسول ﷺ کا حکم نہ مانے وہ کیسا ہے اس نے جواب دیا وہ کافر ہے۔ امام صاحب ؒ نے پوچھا جو اللہ کی بات سے انکار کرے وہ کیسا ہے؟ امام یہ بات کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ مؤذن جب کہتا ہے: "حی علی الصلوٰة" وہ اللہ کا حکم پہنچاتا ہے اب جو ظالم اس "حی علی الصلوٰة" سے انکار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ امام ابن قدامہ ؒ لکھتے ہیں کہ دین میں اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ایک دفعہ نماز پڑھ کر اسے لوٹایا جائے۔ [1]

رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ اگر تیمم کر کے نماز پڑھی اور بعد میں پانی مل جائے تو کیا وضو کر کے دوبارہ پڑھ لی جائے؟ آپ نے فرمایا: جو پڑھ لی وہی درست ہے۔ [2]

....

[1] المغنی ج:2، ص:189
[2] مشکوٰة مترجم مولانا صادق خلیل باب التیمم :1/246، ح:533،

آخر میں ایک حوالہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کی کتاب کلید مثنوی [1] سے پیش خدمت ہے یہ مولانا روم ؒ کی مثنوی کی چوبیس جلدوں میں شرح ہے۔ مولانا تھانوی ؒ لکھتے ہیں: ایک گروہ فلسفیوں کا ہے جو اللہ اور رسول کی باتوں کو اپنی عقل سے پرکھ کر رد کر دیتا ہے وہ کافر ہے۔

اس کے مقابلے میں ایک دوسرا گروہ ہے جو طرز و طریق، بحث و استدلال میں انہی جیسا ہے مگر وہ اپنی عقل سے اسے رد نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ اس کا وہ معنیٰ نہیں جو عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ وہ ہے جو ہم نے غور و خوض کے ذریعے پیش کیا ہے۔ مگر بوجہ قلت فہم و غلبہ وہم کے بعض نصوص کے ظواہر جن کو سلف کے علماء نے بھی ظواہر ہی پر محمول رکھا بوجہ معارضہ کے بعض علوم تخمینیہ، طبیہ......؟ در یاضیہ والہیہ، وہ اپنے فہم و سوچ اور عقل کی بناء پر سلف سے مختلف نظر آتے ہیں مگر ان کی نیت کیونکہ درست ہے۔ اس لئے وہ کافر نہیں ہیں اگر ان سے تاویل نہ ہوتی تو وہ تاویل کی کوشش میں تو لگے رہتے۔ مگر شرائع کا ہرگز انکار نہ کرتے یہ جماعت اہل بدعت مثلاً معتزلہ، خوارج وغیرہ ان کے متکلمین کی ہے۔ یعنی وہ متکلمین سب مذموم ہیں مگر ان کا درجہ مذمت ایک نہیں بلکہ بعض ان میں ایسے ہیں جو دین کو اصل مقصود سمجھتے ہیں کہ ان کی نسبت یہ مضمون ہے کہ خورشید عنایت حق ان پر ایک درجہ چمکا ہے گو کہ وہ بوجہ عدم اتباع سلف...... وترك ظواهر نصوص بناء على علومهم الخرصيه ادراك اصليه...... سے محروم و مایوس ہیں۔

✲✲✲

....

[1] جلد نمبر:22/دفتر ششم

ذوی القربیٰ سے سلوک

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا﴾

[17/ الاسراء:26]

”اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔“

﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

”والدین سے اچھا سلوک کرو۔“

احسان کا معنیٰ ہے ایسا اچھا سلوک کرنا کہ اس کا حق ادا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں ماں باپ کی کیا قدر و منزلت ہے؟ اور ان کے جو تعلق والے لوگ ہیں اس بارے میں شریعت میں کیا احکامات ہیں؟ اور معاشرے میں اس کے کیا اثرات ہیں؟ ہم اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

مندرجہ بالا آیت سے قبل جو آیات ہیں اس میں اللہ نے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے اور اس آیت میں رشتہ داروں اور مسکینوں کے ساتھ بھلائی کا حکم دیا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کے بعد بات ختم نہیں کی بلکہ اس دائرہ کو وسیع کرتا چلا جاتا ہے۔ رشتہ داروں محتاجوں اور ہمسایوں سے تعلق بڑھتا ہوا پورے معاشرے تک پھیل جاتا ہے کیونکہ فرد واحد سے لے کر پورے معاشرے تک پھیلانے کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح دنیا میں امن چین قائم ہو سکے۔

دین کے بارے میں اگر کوئی شخص تصور رکھتا ہے کہ یہ نماز روزے اور ذکر اذکار تک محدود ہے تو اس نے دین کو سمجھا ہی نہیں، دین اس دنیا میں اچھے طریقے سے زندگی گزارنے کا نام ہے۔ اس میں کچھ عبادات بھی ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے دل میں خوف خدا پیدا ہو اور یہ احساس جاگزیں ہو کہ مجھے ایک دن اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے اور وہ مجھ سے اس زندگی کے بارے میں ضرور سوال کرے گا۔

عبادات کے ساتھ ساتھ دین میں بہت سا حصہ معاملات کے بارے میں ہے کہ

...یا رکس طرح کرنا ہے، عدالت کس طرح کرنی ہے، رشتے ناطے کس طرح کرنے ہیں؟ اسلام ...ام معاملات میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اس سلسلے کی پہلی کڑی والدین ہیں کیونکہ فرد کا سب ...پہلا تعلق والدین سے ہوتا ہے اس لئے اس کا آغاز بھی والدین سے کیا ہے۔ اس طرح ...سلسلہ یہ تعلق پھیلتا چلا جاتا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بڑے پائے کے صحابی ہیں۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ جن کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ...ن سی راز کی باتیں بتائی تھیں، ان سے کسی نے پوچھا کونسا صحابی اپنے کردار کے لحاظ سے ...ول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ ہے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زندگی ...ول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شب و روز سے قریب ترین تھی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اور یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے ...ضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین میں بہت ...ی نیکیاں بتائی گئی ہیں۔ ان میں کون سا عمل اللہ کو زیادہ پسند ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا:

”قَالَ: اَلصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا“

”نماز کا اپنے وقت پر ادا کرنا۔“

کیونکہ اسلام لانے کے بعد پہلا عمل جو فرض ہوتا ہے وہ نماز ہے۔ باقی فرائض تو اپنے اپنے وقت پر ہوں گے اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نماز دین کا ستون ہے۔ جو مسلمان اپنی نمازوں کا خیال نہیں رکھتا اس کا ایمان خطرے میں ہے۔

پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! نماز کے بعد کونسا عمل اللہ کو بہت محبوب ہے؟ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: والدین سے اچھا سلوک کرنا۔ پھر میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! اس کے بعد؟

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ))

”رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہاد اسلام میں بہت بڑی نیکی ہے۔“

شہید کو جو انعام ملتا ہے وہ کسی اور کو نہیں ملتا۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو والدین سے اچھا سلوک کرنے کے بعد رکھا۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہم جہاد میں شریک ہونا چاہتے ہیں آپ پوچھتے کہ ماں باپ زندہ ہیں؟ جو کہتا ہاں! اس سے کہتے: جا! ماں باپ کی خدمت کر! اس میں تیری جنت ہے۔ والدین سے نیک سلوک انسان کو کس درجہ پر پہنچاتا ہے۔ اس کا پتہ اس

حدیث سے چلتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے خواب میں مجھے جنت کی سیر کروائی! میں نے وہاں ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا میں نے پوچھا یا اللہ یہ کون ہے جو جنت میں قرآن پاک پڑھ رہا ہے؟ اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ یہ حارثہ بن نعمان ہے میں نے پوچھا اسے زندگی ہی میں یہ مقام کیسے مل گیا کہ وہ جنت میں قرآن پاک پڑھ رہا ہے؟ جواب ملا ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے یہ مقام ملا ہے۔ [1]

اسی طرح کسی نے پوچھا: یارسول اللہ! سب سے بڑے گناہ کون سے ہیں؟

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(1) شرک (2) والدین کی نافرمانی (3) جھوٹی قسم۔ [2]

والدین کو تنگ کرنا ان کی نافرمانی کرنا ان کی قربانیوں کو بھلا دینا اتنا بڑا جرم ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ بتایا۔ قرآن پاک میں ہے تمہارا پروردگار فرماتا ہے:

''اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور عجز و نیاز سے ان کے آگے جھکے رہنا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار جیسا انہوں نے مجھے شفقت سے پرورش کیا تو بھی ان کے حال پر رحمت فرما''۔ [3]

آپ نے ملاحظہ کیا کہ اللہ نے شرک سے منع کرنے کے بعد ماں باپ سے نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح نیکیوں میں نماز کے بعد والدین سے نیک سلوک کا حکم دیا گیا اسی طرح گناہوں میں شرک کے بعد والدین کی نافرمانی کو دوسرے درجے پر رکھا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں فرمایا:

''تین لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے (1) شراب پینے والا (2) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا (3) وہ بے غیرت شخص جسے یہ علم ہو کہ اس کی ماں، بہن، بیوی یا بیٹی زنا کرتی

[1] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: 1/359،
[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الشہادات باب ما قیل فی شہادۃ الزور: 5/261، ح: 2654، 5976،
[3] بنی اسرائیل: 24،

ہے مگر وہ اس کو برداشت کرتا ہے۔'' [1]

ماں باپ سے نیکی انسان کو دنیا میں ہی جنت میں پہنچا دیتی ہے اور ان کی نافرمانی پہ جنت حرام ہو جاتی ہے۔ دین نے اس تعلق کو ماں باپ تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے بڑھا کر ذوی القربیٰ تک پھیلا دیا ہے کہ ان کے جو بھائی بہنیں ہیں یا ان کی اولاد ہے اس سے بھی نیک سلوک کرو۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی بات پر اپنے بھانجے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئیں۔ حالانکہ آپ کو عبداللہ سے بہت محبت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ چونکہ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی اس لئے اپنی کنیت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام پر ام عبداللہ رکھی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ناراض ہو کر قسم کھالی کہ مرتے دم تک عبداللہ سے کلام نہیں کروں گی! عبداللہ نے بہت منت سماجت کی، بہت سی سفارشیں کروائیں مگر عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں مانیں۔ آخر کار انہیں ایک تدبیر سوجھی۔

انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ننھیال بنو زہرہ سے دو آدمی ڈھونڈے اور ان سے کہا تم عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ! میں بعد میں آجاؤں گا۔ تم ان سے میری سفارش کر دینا انہوں نے اسی طرح کیا جب وہ بیٹھے عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کر رہے تھے۔ عبداللہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا کہ اماں! عبداللہ کو معاف کر دو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوچا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں موجود نہیں مگر یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ کے رشتے دار ہیں اگر آپ زندہ ہوتے اور میں ان لوگوں کی بات رد کرتی تو کتنا ناراض ہوتے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ لوگوں کے تعلق کی وجہ سے عبداللہ کو معاف کرتی ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دوں گی۔ [2]

نفل نمازیں اگر نہ بھی پڑھیں تو کوئی گناہ نہیں مگر مخلوق خدا میں سے جتنا حق کسی کا بنتا ہے اسے ادا نہ کیا تو قیامت کے دن وہ حق دار کھڑے ہو جائیں گے کہ یا اللہ یہ اتنی نمازیں پڑھتا تھا مگر ہم پر ظلم کرتا رہا تو سوچ لیجئے اس وقت ہم کیا جواب دیں گے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے: کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے اپنی سواری کے علاوہ ایک فالتو جانور بھی ان کے پاس تھا دوران سفر ایک بدوی شخص ان کے پاس آیا انہوں نے حضرت عبداللہ کو سلام کیا آپ نے اس شخص کو بہت تعظیم دی، جاتے وقت

[1] صحیح الجامع الصغیر: 1/585، حدیث: 3052،
[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الشہادات باب الھجرۃ: 1/491، ح 6073، 6074، 6075،

اپنی پگڑی اتار کر اس بدوی کو دے دی اور فالتو جانور بھی اسے دے دیا بعد میں ان کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ دیہاتی لوگ ہیں ان کو تھوڑا بہت دے دیا جائے تو یہ خوش ہو جاتے ہیں آپ نے اسے اتنا کچھ دے دیا۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: باپ کے مرنے کے بعد ان سے نیک سلوک یہ ہے کہ باپ کے دوستوں سے بھی نیک سلوک کرو۔ یہ بات جان لو کہ یہ شخص میرے باپ عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا وہ ان کے پاس آتا تو میرا باپ اس سے اسی طرح کا برتاؤ کرتا تھا جیسا کہ میں نے کیا ہے۔ [1]

ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ملنے کے لئے آئے اور کہا کہ میں صرف اس لئے ملنے آیا ہوں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا بھی باپ کے ساتھ نیکی شمار ہوتی ہے۔ میرے باپ عمر رضی اللہ عنہ آپ کے باپ کے اچھے دوست تھے میں اسی تعلق کو نبھانے آیا ہوں۔

مگر اب صورت حال یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ نافرمانی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ بھائیوں اور بہنوں کا حیلوں بہانوں سے مال ہڑپ کیا جاتا ہے اور رشتہ داروں سے ملنا جلنا بس شادی اور مرگ تک محدود ہے۔ قطع رحمی کی سزا اللہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ماں باپ اور رشتہ داروں سے نیک سلوک سے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ [2]

ایک اور حدیث میں آتا ہے: کہ اپنے بچوں کو نسب کا علم سکھایا کرو تا کہ انہیں علم ہو سکے کون ہمارے رشتہ دار ہیں۔ ہمارا اپنے رشتے داروں سے ملنا ملانا بس اتنا ہی رہ گیا ہے کہ کوئی مر گیا تعزیت کر لی یا کوئی بیمار ہوا تو اس کی عیادت کر لی۔ [3] اس سلسلے میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ حقوق تو دین کے تمام لوگوں کے لئے ہیں کہ ملے تو سلام کرو! بیمار ہو تو عیادت کرو! فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھو! ذوی القربیٰ کے حقوق تو اس سے بڑھ کر ہیں۔ نان و نفقہ کا حق صرف والدین اور بیوی بچوں تک محدود نہیں بلکہ اگر کوئی رشتہ دار غریب ہے تو اسے نان و نفقہ کا خرچ دینا بھی پڑوسی مالدار کی ذمہ داری ہے اور یہ کوئی اخلاقی ذمہ داری نہیں بلکہ یہ اس کا حق ہے

[1] صحیح مسلم کتاب الادب باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام ح:6514،
[2] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل باب البر والصلۃ:4/108، ح:4918،
[3] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل باب البر والصلۃ:4/113، ح:4934،

اگر کوئی شخص ویسے نہیں دیتا تو عدالت کے ذریعے یہ حق لیا جا سکتا ہے جب تک اس آدمی کے حالات درست نہیں ہوتے عدالت امیر رشتہ داروں سے ان کی تنخواہ لگوائے۔ اسلام ایسا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس میں ہر شخص کے دکھوں کا مداوا ہو سکے۔ اسلامی ریاست میں کوئی شخص بھوکا اور پریشان نہیں رہ سکتا۔ چھوٹے بچے ہوں تو ماں باپ کی ذمہ داری بوڑھے ہو جائیں تو بیٹے کی ذمہ داری۔ اگر کوئی امیر رشتہ دار ہو تو اس کی ذمہ داری اور جس کا کوئی نہ ہو تو حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اگر کوئی غریب ہو تو اس کے مالدار پڑوسی کی ذمہ داری ہے۔

ایک شخص امیر المؤمنین کے پاس آیا اس کے ساتھ اس کا ایک یتیم بھتیجا بھی تھا آپ نے اسے ہدایت کی کہ اس یتیم پر بھی اتنا ہی خرچ کر جتنا تو اپنے بچوں پر کرتا ہے اور فرمایا اگر یہ تیرا بہت دور کا رشتہ دار بھی ہوتا تو بھی اسی طرح تجھ پر اس کا نان و نفقہ فرض ہوتا۔ اسلام ایسا مذہب نہیں کہ تم تو جی بھر کر کھاؤ اور تمہارے رشتہ دار اور پڑوسی دھکے کھاتے پھریں۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ اس میں کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ رزق کی زیادتی سے آزماتا ہے کہ وہ اللہ کے دیئے ہوئے میں سے کتنا دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔ ان میں پہلا حق رشتہ داروں کا رکھا ہے۔ اس کے بعد مسکینوں اور مسافروں کا حق رکھا ہے۔ مال دار یہ سمجھے کہ مجھے اللہ نے زیادہ اس لئے دیا ہے کہ میں اس کے دیئے ہوئے مال سے لوگوں پر خرچ کروں لیکن اگر وہ یہ سمجھے کہ یہ مجھے میری محنت سے ملا ہے۔ میں نے زکوۃ ادا کر دی ہے بس میری ذمہ داری ختم ہے۔ مخلوق خدا بھوکی مرتی ہے تو مجھے اس کی کیا پرواہ ہے بلکہ اب تو نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ لوگ زکوۃ دیتے ہی نہیں اور اس سے بچنے کے لئے حیلے بہانے سوچتے ہیں۔

حالانکہ قرآن پاک میں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ﴾ کہ جو تو دیتا ہے وہ کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ جو دیتا ہے وہ ان کا حق ہے۔ انسان تو بہت دور کی بات ہے اسلام تو جانوروں کے حقوق کا بھی خیال رکھتا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ایک آدمی بکری کو ذبح کرنے کے لئے ٹانگ سے پکڑ کر گھسیٹ رہا تھا تو فرمایا کہ اس کو مرنے سے پہلے کیوں موت دے رہے ہو؟ فرمایا: کہ جانور کو ایک دوسرے کے سامنے ذبح نہ کرو اور ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلاؤ۔ [1]

ایک سفر میں آپ نے دیکھا کہ ایک پرندہ چیختا چلاتا ادھر ادھر منڈلا رہا ہے۔

[1] سنن الکبریٰ مع الجواہر النقی کتاب الضحایا باب الزکاۃ بالحدید ومواراتہ عن البہیمۃ:9/281،

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اسے کس نے دکھ دیا ہے؟ ایک صحابی نے کہا کہ یارسول اللہ! ایک جھاڑی میں مجھے بچے نظر آئے میں نے اٹھا لئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے بچے چھوڑ دو! اس نے بچے چھوڑ دیئے بچے کیونکہ چھوٹے تھے ابھی اڑ نہ سکتے تھے پرندہ اڑ کر آیا ان سے چمٹ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم دیکھتے ہو اس پرندے کو اپنے بچوں سے کتنا پیار ہے؟ اپنی جان کی پرواہ نہیں کی بچوں کے پاس آ گیا رب اس سے بھی بہت زیادہ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے جاؤ ان کو جہاں سے اٹھایا تھا وہیں واپس رکھ آؤ۔ [1]

آج کل انسداد بے رحمی کے محکمے اور قوانین بنے ہوئے ہیں مگر ان کی کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ لیکن اس مبارک دور میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایسی تربیت کر دی تھی کہ وہ کسی کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کرتے تھے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں شام بھیجا کہ وہاں کے لوگوں کو دین سکھائیں۔ انہوں نے ایک اونٹ رکھا ہوا تھا اس کا نام دمون تھا جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو لوگوں سے کہا کہ دمون کو لے آؤ! لوگ اونٹ کو لے آئے۔ آپ نے فرمایا: دمون! میں اللہ کے پاس جا رہا ہوں ایک دن آئے گا اللہ تم سے پوچھے گا کہ ابوالدرداء نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ میرا رب گواہ ہے کہ میں نے اندازہ کر لیا تھا کہ تم آسانی سے اتنا بوجھ اٹھا سکتے ہو، میں نے کبھی اس سے زیادہ بوجھ تم پر نہیں لادا۔ تو روز قیامت اللہ پاک کے حضور میرے حق میں بیان دینا کہ ابوالدرداء نے میرے ساتھ ظلم نہیں کیا۔

اگر ہم اسلام کی تعلیمات پر عمل کریں تو دنیا جنت کا نمونہ بن جائے۔ اللہ نے اس دنیا میں سب کیلئے برابر کا رزق اتارا ہے۔ یہ فساد اس لئے ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں نے اس میں اپنی چالاکی سے زیادہ حاصل کر لیا ہے اور اس کے بارے میں یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ میرا ہے۔

ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں لوگوں نے ایسے دکان دار بھی دیکھے کہ بازار میں ایک ہی جنس کی مختلف دکانیں ہیں اگر ایک دوکان دار اتنی سیل کر لیتا ہے کہ جس سے اس کی گزر بسر ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد کوئی گاہک آتا تو خود ہی دوسرے دکاندار کے پاس بھیج دیتا کہ میرے بھائی کے پاس اسی طرح کا سودا ہے جا کر اس سے خرید لو! مگر اب یہ وقت آ گیا ہے کہ ہر کوئی یہی چاہتا ہے کہ ساری دنیا میں ہی سمیٹ لوں۔

....

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل باب رحمۃ اللہ: 2/372، ح: 2377، صحیح ابوداود: 2/507،

عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم دین تھے ان کے دور کے ایک اور عالم دین مشہور محدث حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہ میں نے بڑی کوشش کی کہ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ایک سال ہی گزار لوں مگر مجھ سے یہ کام نہ ہو سکا! وہ سال میں تین مہینے تجارت کر کے رزق حلال کماتے۔ تین مہینے طالب علموں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے اور ان کا خرچ بھی خود اٹھاتے۔ تین مہینے جہاد کرتے تین مہینے انہوں نے حج اور عمرہ کے لئے وقف کر رکھے تھے دین میں ان نیکیوں سے بڑھ کر اور کوئی نیکی نہیں ہے۔ ان کے ہمسائے میں ایک یہودی رہتا تھا مسلمانوں کے ساتھ اس کا اچھا سلوک نہ تھا۔ کسی ضرورت کی وجہ سے اس نے اپنا مکان بیچنے کا ارادہ کیا۔ جو بھی گاہک آتا وہ اس سے دو ہزار دینار طلب کرتا مکان تقریباً ایک ہزار دینار کا تھا مگر گاہک واپس چلا جاتا۔

اسی طرح ایک گاہک آیا اس نے مکان دیکھا قیمت پوچھی یہودی نے اس سے دو ہزار مانگے گاہک نے کہا کسی سے بھی پوچھ لو کہ تمہارا مکان ایک ہزار (1000) دینار سے زیادہ کا نہیں ہے تم دو ہزار (2000) کس وجہ سے مانگتے ہو؟ یہودی نے تسلیم کیا کہ واقعی میرا مکان ایک ہزار ہی کا ہے مگر میں ایک ہزار عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی ہمسائیگی کا مانگ رہا ہوں کیونکہ اس جیسا ہمسایہ پورے شہر میں نہیں ہے۔ عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو یہودی کے پاس آئے اور کہا کہ تو میرے بارے میں یہ گمان رکھتا ہے: مگر افسوس ہے کہ مجھے تیرے حالات کی خبر نہ ہوئی اور تجھے مکان بیچنا پڑا۔ میں روز قیامت اپنے پیغمبر کو کیا منہ دکھاؤں گا کہ تیرے ہمسائے میں ایک شخص کے حالات اتنے خراب ہوئے کہ اسے اپنا مکان بیچنا پڑا اور وہ تمہارے بارے میں اتنا اچھا گمان رکھتا تھا مگر تو نے اس کی خبر نہ لی۔ دو ہزار دینار اس یہودی کو دیئے کہ اپنی ضرورت پوری کر اور کہا کہ جب تک تمہارے حالات بہتر نہیں ہوتے تمہیں ماہانہ خرچہ ملتا رہے گا۔

یہی وہ نیک لوگ تھے جن کی وجہ سے اسلام پھیلا، قرآن ان جیسے انسان پیدا کرنا چاہتا ہے۔ وہ لوگ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے اس کی طرف سورۃ الشوریٰ میں اشارہ کیا ہے:

"یہی وہ انعام ہے جس کی خدا اپنے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں اور نیک

عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے۔ کہہ دو: کہ میں اس کا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ تم اپنے قرابت داروں سے اچھا اور محبت والا سلوک کرو۔ جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں ثواب بڑھائیں گے بیشک اللہ بخشنے والا قدردان ہے۔"

غور کریں اللہ تعالیٰ اپنی اتنی نعمتوں اور جنت کے انعامات کے عوض صرف قرابت داروں سے اچھے سلوک کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس تعلق کو کہاں تک بڑھا دیا ہے اس کے لئے سورۃ النساء کی درج ذیل آیت کا مطالعہ کریں ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ﴾ [4/النساء:36]

"اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسائیوں، پاس بیٹھنے والوں اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کے ساتھ احسان کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور تکبر کرنے والوں شیخی خوروں کو پسند نہیں کرتا۔"

یہ بہت جامع آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے جو کچھ چاہتا ہے وہ اس آیت میں سمو دیا ہے۔ یہ صرف قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ ایک ایک آیت میں کتابوں کا علم جمع کر دیتا ہے، سب سے پہلے تو توحید کا مطالبہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو! اس کے بعد درجہ بدرجہ تمام تعلق والوں سے اچھا سلوک کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس حکم کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کس طرح نبھایا اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ جا رہے تھے قافلے میں ایک مجوسی بھی ہم سفر تھا جب اس مجوسی کا راستہ الگ ہونے لگا تو دور تک اسے چھوڑنے کیلئے گئے ساتھیوں نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ جن سے تھوڑی دیر کا بھی ساتھ ہو اس کا بھی حق ہوتا ہے۔

اگر ہم ان تعلیمات پر عمل کریں تو یہ زمین جنت کا نمونہ بن سکتی ہے اللہ ہمیں ان احکامات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

شریعت کے اصول اور کفار سے دوستی کا حکم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [5/المائدہ:51]

"اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے ان کو دوست بنائے گا وہ انہیں میں سے ہوگا بے شک خدا ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

دین میں ایک بہت بڑا فتنہ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں کسی اور کی بات کو ترجیح دی جائے۔ حالانکہ دین نام ہی قرآن اور نبی اکی احادیث صحیحہ کا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے (آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) لیکن اس قبر والے کی ہر بات کو ماننا ضروری ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور اس نے آپ سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا؟ آپ نے جواب دیا: حج تمتع کرنا درست ہے۔ اس نے کہا: آپ کے والد تو اس سے منع کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: وحی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر حج تمتع کا حکم دیا تھا۔

دہلی میں شاہ اسماعیل شہید اور ان کے مخالفین کے درمیان مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ شاہ صاحب اور ان کے ساتھی کہتے تھے کہ دین تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور قرآن مجید کا نام ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے اسے رد بھی کیا جاسکتا ہے۔ جب کہ آپ کے مخالفین کہتے تھے بزرگوں کی باتیں بھی دین ہیں۔ مناظرہ میں شاہ صاحب نے بڑے دلائل سے یہ بات ثابت کی مگر جب آپ کے مخالفین سے کوئی دلیل نہ بن پائی تو انہوں نے کہا کہ آپ کے تایا شاہ عبدالعزیز یہ کہتے ہیں تو اس وقت شاہ اسماعیل تو خاموش ہو گئے لیکن مولانا عبدالحی جو شاہ صاحب کے داماد بھی تھے انہوں نے جواب دیا کہ شاہ عبدالعزیز کی بات قرآن یا حدیث تو نہیں ہے۔ دلیل صرف قرآن و

حدیث سے ہی ہو سکتی ہے۔ آج کل بھی لوگ کہتے ہیں: فلاں عالم نے فلاں بات کہی ہے۔ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ کے حوالے دیتے ہیں کہ وہ اتنے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے یہ بات لکھی ہے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کی بھی بات خواہ وہ کتنا ہی عالم ہو رد کی جا سکتی ہے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں رد کر دیا تھا کیونکہ کلمہ ہم نے نبی کا پڑھا ہے۔

روزنامہ جنگ میں جاوید چوہدری صاحب نے علمائے دین کے حقوق کے بارے میں کالم لکھا کہ مجھے ایک دوست نے ڈاکٹر حمید اللہ کی تقریر بھیجی (جو انہوں نے نواز شریف کی دعوت پر کی تھی) اور اس میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے ڈاکٹر صاحب سے سوال کیا کہ قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ﴾

"اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو اپنا ولی نہ بناؤ" [5/المائدہ:51]

تو ولی کا کیا معنیٰ ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا میرے خیال میں ولی کا معنیٰ حاکم ہے یعنی یہود و نصاریٰ کو اپنا حاکم نہ بناؤ کیونکہ یہاں دوست کا لفظ نہیں ہے۔ پھر کالم نویس لکھتے ہیں کہ اب علماء کو غور کرنا چاہئے کہ ڈاکٹر حمید اللہ کتنے بڑے عالم ہیں اور انہوں نے اتنی کتابیں لکھی ہیں اور اتنی زبانوں کے ماہر تھے اس لئے ان کی بات کسی معمولی انسان کی بات نہیں ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب کی بات بالکل غلط ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں دوست کا لفظ نہیں ہے بلکہ ولی کا لفظ ہے دوست عربی زبان کا نہیں بلکہ فارسی کا لفظ ہے اس لئے وہ قرآن مجید میں کیسے استعمال ہو سکتا تھا قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عربی لغت میں ولی کا معنیٰ دوست اور صدیق ہی سب سے پہلے آتا ہے باقی معنی بعد میں آتے ہیں اس کے لئے آپ کوئی سی بھی لغت دیکھ سکتے ہیں۔ تیسری بات یہ کہ مسلمان کب یہود و نصاریٰ کو حاکم بناتے تھے جس سے منع کیا گیا ہے بلکہ وہ تو دوست بناتے تھے تا کہ مشکل میں یہ ہمارے کام آ سکیں اور مسلمان تو کسی حد تک یہود و نصاریٰ کو دوست بناتے ہیں لیکن یہود اور عیسائی تو ایک دوسرے کے دشمن تھے اور ایک دوسرے کو مسجد اقصیٰ میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے پھر وہ ایک دوسرے کو حاکم تو کجا دوست بھی نہیں مانتے تھے ولی کا معنیٰ ہے حاکم بنانا اور تولّی کے آگے جب عن نہ آئے تو اس کا معنیٰ سوائے دوست بنانے کے اور کوئی نہیں آتا۔

قرآن مجید نے جگہ جگہ یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع کیا ہے، سورۃ البقرۃ، سورۃ

النساء اور سورۃ المائدہ وغیرہ آپ پڑھ سکتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا:

((اَیُّ شَیْءٍ اَوْسَطُ الْاِسْلَامِ))

"اسلام کا سب سے اونچا مقام کونسا ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ))

"اللہ کے لیے محبت کرنا اور اللہ کے لیے نفرت کرنا۔ یہ اسلام کا سب سے بلند مقام ہے۔" [1]

اگر کوئی شخص کسی کو برا کہے یا اس کے دوست احباب وغیرہ سے دشمنی رکھے تو وہ ایسے شخص کو کیسے اپنا دوست بنا سکتا ہے اور یہود و نصاریٰ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہیں اور آپ کی شان میں گستاخی کریں تو مسلمان ان کے ساتھ کیسے دوستی کر سکتا ہے۔

دشمن تین قسم کے ہوتے ہیں

(1) وہ جو آپ سے دشمنی رکھے۔

(2) وہ جو آپ کے دوست سے دشمنی رکھے۔

(3) اور وہ جو آپ کے دشمن سے دوستی رکھے وہ بھی آپ کا دشمن ہے۔

دوستی کی اقسام

دوستی کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔

(1) موالات (2) مدارات (3) مواسات

(1) موالات: کسی سے دلی طور پر دوستی رکھنا اس کو اچھا جاننا اس سے محبت کرنا۔ یہ کفار سے بالکل حرام ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں

(2) مدارات: یعنی ظاہری طور پر اچھا سلوک کرنا اگر کوئی کافر بھی آپ کے پاس آئے تو اس کی عزت کریں اور کھانا وغیرہ دیں۔ یہ جائز ہے۔

(3) مواسات: یعنی کسی سے ہمدردی کرنا کسی کی مدد کرنا، امداد کرنا یہ ذمی کافر جو آپ کے ملک میں آپ کی رعایا بن کر رہتے ہیں ان کیلئے جائز ہے اور کافر جو حربی ہیں یعنی کسی دوسرے کافر ملک میں رہتے ہیں جس سے آپ کی جنگ ہے ان کیلئے حرام ہے وہ بھوکے مرتے ہیں تو مر جائیں

[1] مشکوۃ مترجم مولانا صادق خلیل باب الحب فی اللہ ومن اللہ: 4/140، ح:5014،

آپ ان کی مدد نہیں کر سکتے۔

دوسرا کالم خورشید ندیم نے لکھا ہے یہ جاوید غامدی کا ساتھی ہے۔ اس نے لکھا کہ قرآن وحدیث میں آتا ہے کہ یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ صرف اس دور میں ناجائز تھا اب یہ جائز ہے یہ وقتی مسئلہ تھا جس سے قرآن مجید نے منع کیا تھا اب یہ جائز ہے۔ یہ بالکل غلط تاویل ہے۔ قرآن مجید میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو کہ یہ وقتی معاملہ تھا اس سے تو قرآن مجید کے احکام کھیل بن جائیں گے۔ جو جس مسئلہ کو چاہے گا یہ کہہ کر رد کر دے گا کہ یہ وقتی معاملہ تھا۔ یہ لوگ بدیانت ہیں نہ کھل کر قرآن مجید کو مانتے ہیں اور نہ کھل کر انکار کرتے ہیں۔

ان سے تو بہاء اللہ ہی بہتر ہے جس نے کھل کر کہہ دیا کہ قرآن مجید ایک صدی کے لئے آیا تھا اور وہ مدت اب گزر چکی ہے۔ لہٰذا اس کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ اب نئی شریعت کی ضرورت ہے اور اس نے نئی شریعت پیش کی جس میں سود کو جائز قرار دیا اور پردہ اور جہاد وغیرہ کو ناجائز قرار دیا۔ اس نے مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح صرف نبوت نہیں چلائی کہ باقی سب کام اسلام کے مطابق صرف نبوت کا دعویٰ کیا بلکہ پوری شریعت دی اس نے تو کھل کر کہہ دیا کہ قرآن مجید کی میعاد اب ختم ہو چکی ہے لیکن بعض لوگ ماننے کے باوجود اس کا انکار کرتے ہیں اور ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

دوسری دلیل یہ دی جاتی ہے کہ قرآن مجید کے مطابق رسول قتل نہیں ہوتے نبی قتل ہو سکتے ہیں رسول کو میدان جنگ میں شکست بھی نہیں ہو سکتی ہے اور لکھا کہ قرآن مجید نے کہا:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ [9/التوبہ:5]

''تم مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی پاؤ۔''

یہود ونصاریٰ کے علاوہ ہندو بھی مشرک ہیں لہٰذا انہیں بھی قتل کرو۔

یہ صرف دھوکہ دہی ہے قرآن مجید نے خود رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر کیا ہے قرآن مجید میں ہے

﴿اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ [2/البقرۃ:87]

''جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ شریعت لایا جو تمہیں پسند نہ تھی تو تم نے

تکبر کیا اور ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو تم نے قتل کیا۔''

﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ط قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ [3/آل عمران:183]

''اے نبی فرما دو! تمہارے پاس رسول واضح نشانیاں اور جو تم نے مطالبہ کیا تھا لے کر آئے تھے تو تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔''

﴿كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ﴾ [5/المائدہ:70]

''جب کبھی رسول ان کے پاس وہ شریعت لے کر آیا جو ان کی خواہشات کے خلاف تھی تو انہوں نے ایک فریق کو جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کیا۔''

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ط وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ ط فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا﴾ [3/آل عمران:144]

''اور محمد (ﷺ) اس کے سوا کیا ہیں کہ ایک رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دئے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے اور یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا۔''

متذکرہ بالا مقامات پر رسول کے قتل ہونے کا ذکر صراحت کیساتھ ہے اور آخری آیت میں بھی رسول کے قتل ہونے کو تسلیم کیا گیا ہے کہ رسول بھی قتل ہو سکتا ہے۔ دوسری دلیل کہ قرآن مجید نے مشرکین کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے تو اس حکم کی وجہ سے جتنے مشرک مثلاً عیسائی، یہودی، ہندو وغیرہ سب کو قتل کر دیا جائے حالانکہ یہ دلیل بھی غلط ہے۔ قرآن مجید کی اس پوری آیت کو پڑھا جائے تو خود بخود پتہ چل جاتا ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے، قرآن مجید میں ہے:

﴿اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ...... اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ

اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾

[9/التوبہ:4]

''اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی...... ہاں مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے صلح و امن کا معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے ایفائے عہد میں کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں تو ان کے ساتھ جو معاہدہ ہے اسے اس کی مدت مقررہ تک پورا کرو کیونکہ متقیوں کو اللہ پسند کرتا ہے۔''

یہ آیت صاف بتاتی ہے جو لوگ اپنے عہد پر برقرار رہیں ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا وہ اس قتل کے حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ قرآن مجید نے قتل کا حکم ان لوگوں کے لئے دیا تھا جو اپنے عہد کو بار بار توڑتے ہیں اور جس نے ایک آدھ بار عہد کر کے توڑ دیا ہو، وہ بھی اگر مسلمانوں سے پناہ مانگے تو کا قرآن مجید اسے پناہ دینے کا حکم دیتا ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ﴾ [9/التوبہ:6]

''اے پیغمبر مشرکین میں سے کوئی پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ اچھی طرح کلام الٰہی سن لے پھر اسے اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس وجہ سے کہ وہ لوگ علم دین نہیں رکھتے۔''

یہ آیت ان لوگوں کیلئے ہے جنہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی۔ اگر ان میں سے بھی کوئی شخص دین کو سمجھنے کے لئے مسلمانوں سے پناہ مانگے تو مسلمان اس کو پناہ دیں گے حتیٰ کہ وہ اچھی طرح اسلام کو سمجھ لے۔ اگلی آیت بھی اس کی مزید وضاحت کرتی ہے کہ یہ آیات ان لوگوں کیلئے ہیں جنہوں نے اپنا عہد توڑا اور جو لوگ اپنے عہد پر قائم رہے ان کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ وہ تو امن میں ہیں انہیں قتل کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہی نہیں ہے۔ جو لوگ مسلمانوں سے معاہدہ پر قائم ہیں ان کیلئے قرآن مجید حکم دیتا ہے:

﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ج فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ

فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ [9/التوبہ:7]

''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان مشرکین کا عہد اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ کیا تھا اور انہوں نے اسے نہیں توڑا تو جب تک وہ تمہارے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہیں تم بھی ان کے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہو کیونکہ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔''

اللہ ہر جگہ عہد قائم رکھنے والوں سے درگزر کا حکم دے رہا ہے۔ قریش جو مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اللہ نے ان کے ساتھ بھی معاہدہ قائم رکھنے کا حکم دیا ہے اور چار مہینے کی شرط نہیں لگائی گئی بلکہ فرمایا گیا جب تک وہ اپنے معاہدہ پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو اور یہ معاہدہ دس سال کے لئے تھا، لیکن قریش نے خود اس معاہدہ کو توڑ دیا اس لئے مسلمانوں نے بھی معاہدہ ختم کر دیا تو جو لوگ معاہد ہوں اور اپنے عہد پر قائم ہوں۔ یہ چار ماہ کی مدت ان کیلئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو بار بار معاہدہ کر کے اس کو توڑ دیں قرآن مجید نے ان کو بھی فوراً قتل کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ چار ماہ تک ان کو مہلت دی گئی ہے کہ وہ اپنا رویہ درست کر لیں، ورنہ ان کے خلاف کاروائی ہوگی اور صرف قتل کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ قید کرنے کا حکم بھی ساتھ ہی دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾

''پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو اور انہیں گرفتار کرو اور ان کا محاصرہ کرو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔''

[9/التوبہ:5]

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں یہی لکھا ہے۔

پھر کالم نویس لکھتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن لوگوں کو جزیرہ عرب میں برقرار رکھا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں نکال دیا تھا اور یہ سیاسی فیصلہ تھا جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی نے بھی لکھا۔ یہ بھی غلط دلیل ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے سیاسی وجہ سے ان کو نہیں نکالا تھا بلکہ اس وجہ سے نکالا تھا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نکالنے کا حکم دیا تھا۔

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے الاحادیث الصحیحۃ میں من آخر ما تکلم النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھتے ہیں:

"اخرجوا الیہود من اہل نجران والحجاز من جزیرۃ العرب واشرار الناس الذین اتخذوا قبور انبیائہم مساجد"

"یہود کو خواہ وہ نجران کے ہوں یا حجاز کے جزیرۃ العرب سے ان کو نکال دو اور بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا اور وفود کیساتھ اچھا سلوک کرنا۔

"لان عشت لاخرجن الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب"

"اگر میں زندہ رہا تو یہود اور نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا اور عرب میں سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نہیں رہے گا۔"

علی رضی اللہ عنہ نے جب مالک الاشتر کو مصر کا گورنر بنایا اس وقت ایک حکم نامہ لکھ دیا اس میں لکھا تھا مصر میں دو ہی قسم کے لوگ ہوں گے مسلمان ہوں گے یا ذمی ہوں گے۔

سورۃ التوبۃ کی تشریح کردی گئی اور احادیث بھی بیان کردی گئیں اور جو غلط استدلال کیا گیا ہے اس کا رد بھی کر دیا گیا ہے تاکہ اگر ہم عملی طور پر کچھ کر نہیں سکتے تو کم از کم ذہن میں تو اسلامی تعلیمات محفوظ رہیں اور ذہنی طور پر ہم اسلامی تعلیمات سے آشنا رہیں اور کسی وقت اللہ نے موقع دیا تو ہم اسلام کے پرچم کو بلند کریں گے۔ ان شاء اللہ

مناجات ابراہیم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِىْ وَبَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِىْ فَاِنَّهٗ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ عَصَانِىْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ رَبَّنَآ اِنِّىْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِىْ وَمَا نُعْلِنُ ○ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ وَهَبَ لِىْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○ رَبِّ اجْعَلْنِىْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ○ رَبَّنَا اغْفِرْ لِىْ وَلِوَالِدَىَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴾ [14/ابراھیم:35,41]

"اور یاد کریں جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنائیے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے دور کریں کہ ہم بتوں کی عبادت کریں۔ اے میرے پروردگار! بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے پس جو شخص میرا تابعدار بنا بلاشبہ وہ مجھ سے ہے اور جس کسی نے میری نافرمانی کی پس بے شک تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے ہمارے پروردگار! بے شک میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو ایسی وادی میں آباد کیا ہے جو زراعت کے قابل نہیں تیرے گھر کے نزدیک جو محترم ہے، اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز قائم کریں پس کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب رغبت کرنے والے بنادے اور انہیں پھلوں سے رزق عطا کرتا کہ وہ شکریہ ادا کریں۔ اے ہمارے پروردگار! بلاشبہ تو جانتا ہے جو ہم پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے

ہیں اور اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ تمام حمد و ثنا اللہ کیلئے ہے جس نے مجھے باوجود بڑھاپے کے اسماعیل اور اسحٰق عطا کیے بے شک میرا پروردگار دعا کو سننے والا ہے۔ اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد کو بھی، اے ہمارے پروردگار! میری دعا کو قبول فرما۔ اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے والدین اور ایمان والوں کو معاف فرما جس دن محاسبہ قائم ہوگا۔''

قرآن پاک ایسی دلنشین کتاب ہے کہ اس کا ہر مضمون پڑھنے والے کو اپنی طرف کھینچتا ہے کسی شاعر کا یہ شعر بہت حسب حال ہے۔

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد اینجا است

شاعر اپنے محبوب سے کہتا ہے کہ سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں تک جہاں بھی نظر ڈالتا ہوں وہاں کا جلوہ اور کرشمہ اپنی طرف کھینچتا ہے کہ یہیں کے ہو رہو۔ ایسا ہی معاملہ قرآن پاک کا ہے کہ اس کی کسی آیت کو پڑھیں وہی دعوت فکر و نظر دیتی ہے۔

مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عظیم پیغام کے بارے میں بالکل درست فرمایا ہے۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی

ہم پریشان ہو جاتے ہیں کہ حالات بہت خراب ہو گئے ہیں اور بظاہر اتنا گھپ اندھیرا ہے کہ آدمی یہ سمجھتا ہے کہ یہاں روشنی نہیں ہو سکتی ایسے ہی حالات اس وقت دنیا کے تھے جب رسول اللہ اس دنیا میں تشریف لائے۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

کہا جاتا ہے کہ کیمیا اگر تانبے سے مس کر جائے وہ سونا بن جاتا ہے یہ بات کوئی یقینی نہیں ہے۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا نسخہ کیمیا لے کر آئے جس نے واقعتاً مٹی کو سونا بنا دیا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ معجزہ کر دکھایا۔ ظلم اور جبر کا ایسا دریا بہہ رہا تھا جدھر نظر جاتی دنیا میں فتنہ فساد پھیلا ہوا تھا۔ عقیدے اور عمل خراب اور اخلاق دگرگوں تھے۔ انسان حیوانوں سے

بدتر ہو گیا تھا۔ مگر جب اللہ کے رسول انے صفا کے پہاڑ پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے لوگو! اللہ کو ایک مانو اور اسی کی عبادت کرو۔ یہ سن کر مکہ کی وادی میں طوفان آ گیا۔ تمام تیروں کا رخ اس پاک ہستی کی طرف ہو گیا جس کو وہ خود صادق اور امین کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس جور و ستم میں آپ ثابت قدم رہے۔ انتہا کے دکھ اور تکلیفیں برداشت کیں۔ حتیٰ کہ اپنا وطن بھی چھوڑنا پڑا مگر آپ کے پائے جنبش میں ذرا سی بھی لغزش نہیں آئی۔ آج تک دنیا میں جو بھی نیکی اور بھلائی نظر آ رہی ہے وہ آپ کے طفیل ہے۔

بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

اس دنیا میں جو تھوڑی سی روشنی نظر آتی ہے یا دنیا میں کوئی بھی اچھائی ہے وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور ہے یا لوگ آہستہ آہستہ اس طرف جا رہے ہیں ورنہ دنیا میں کہیں بھی روشنی نہ تھی اس دنیا میں اتنا گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا جسے ختم کرنا کسی چراغ کے بس میں نہ تھا۔ اس کے لئے ایک آفتاب عالم تاب چاہیے تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی آفتاب ثابت ہوئے۔ انہوں نے اس دنیا میں اندھیرے کو ختم کر کے روشنی پھیلا دی اور یہ معجزہ انہوں نے قرآن کے ذریعے دکھایا۔

مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کفار کا یہ پروپیگنڈہ انتہائی لغو ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مکہ میں کہاں تلوار چلاتے: وہاں تو سب دشمن تھے ان کو کس نے اسلام میں داخل کیا وہاں نہ کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہی کوئی اور ذرائع نشر و اشاعت تھے۔ اس وقت صرف قرآن ہی تھا جو آپ کی زبان پر تھا، آپ کے دل میں تھا، قرآن آپ کے اندر رچ بس گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجسم قرآن تھے، جو بھی آپ کی زبان پاک سے اس معجز نما کلام کو سنتا، آپ کا گرویدہ ہو جاتا، اسی قرآن نے عمر جیسے دشمن اور سخت دل انسان کو بدل دیا۔ بڑے بڑے غازی اور پکے مجرموں کو ہلا کر رکھ دیا۔

قرآن پاک میں بہت سی جگہوں پر ابراہیم علیہ السلام کا حال بیان کیا گیا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم تمام مذاہب میں یکساں قابل احترام تھے۔ مشرکین مکہ ان کی اولاد ہونے کے دعویدار

تھے۔ یہود و نصاریٰ بھی انہیں اپنا جدامجد سمجھتے ہوئے ان پر فخر کرتے تھے۔ مکہ والوں کے لئے سب سے قابل فخر بات یہ تھی کہ خانہ کعبہ جس کے وہ لوگ متولی تھے حضرت ابراہیم کا تعمیر کردہ تھا۔ یہ تینوں قومیں ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کی دعویدار تھیں جب قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا جوان کے باطل عقیدوں کو رد کرتا تھا تو وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے۔

ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے وہاں ان کا باپ انتہائی معزز حیثیت کا مالک تھا مگر جب آپ نے ان کے غلط عقائد کا رد کیا تو آپ کو آگ میں ڈال دیا گیا۔ عراق سے شام گئے وہاں سے مصر گئے پھر عرب کے اس اجاڑ اور بیاباں مقام پر اپنے بیٹے اور بیوی کو لا کر چھوڑ گئے اور یہ ساری مصیبتیں اور دکھ کیوں جھیلے صرف اس لئے کہ جب انہوں نے اپنے باپ کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا تو باپ سے کہا کہ تو ایسی چیزوں کو کیوں پوجتا ہے جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ ہی تجھے کوئی نفع پہنچائے۔

سورۃ الانعام میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ سے کہا:

''اے باپ کیا تو بتوں کو معبود ٹھہراتا ہے؟ ذرا شک نہیں کہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔'' (6/الانعام:74)

جب یہ باتیں قرآن مجید میں بیان ہوئیں تو مشرکین مکہ کے پاس ان کا اور تو کوئی جواب نہ تھا۔ ہر کوئی یہ کہتا: کہ میں نے اپنے باپ دادا کو یہی کرتے دیکھا ہے۔ اللہ نے کہا: اپنے باپ دادا کے طریقوں کو چھوڑ دو جو نہ تو نبی تھے اور نہ ہی ان کے پاس کوئی ہدایت تھی وہ تو گمراہ تھے بلکہ اس باپ کی طرف چلو جو ہادی ملت ہے اور اس کے بارے میں اللہ نے اعلان کر دیا کہ ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔

سورہ آل عمران میں یہ ایسی دلیل تھی جس کا جواب ان کے پاس نہ تھا۔ وہ یہ بات جانتے تھے کہ بت ابراہیم علیہ السلام نے توڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ وہ بت توڑنے کے جرم میں آگ میں ڈالے گئے اور تم نے اس کے گھر کو صنم کدہ بنا دیا تم ہرگز اس کے وارث کہلانے کے لائق نہیں وہ بت شکن تھا اور تم بت پرست ہو۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں فرما دیا: کہ تم اس گھر کے متولی ہونے کے حق دار نہیں ہو بلکہ اس کے جائز وارث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنین ہیں۔

اللہ مومنوں کو حکم دیتا ہے:

''جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو اگر وہ توبہ کر لیں نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کو چھوڑ دو۔'' [9/التوبة:5]

اس گھر پر قبضہ کرنے والوں کا حق ہے کہ یہاں توحید کا جھنڈا لہرائیں اور بت پرستی کا خاتمہ کر دیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت اللہ کو بتوں سے پاک کر دیا اور پہلے سال جب مسلمانوں نے حضرت ابوبکر صدیق کی امارت میں فتح مکہ کے بعد حج کیا تو مشرکین نے بھی ان کے ساتھ حج کیا تو اس موقعہ پر علی رضی اللہ عنہ نے میدان عرفات میں سورۃ التوبہ کی ان آیات کا اعلان کیا جن میں مشرکین کے لئے بیت اللہ میں آنے کی ممانعت کر دی گئی۔

''مومنو! مشرک تو پلید ہیں اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔ اگر تم کو مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا تو اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا بے شک خدا سب کچھ جانتا اور حکمت والا ہے۔'' [9/التوبة:28]

اس کے اگلے برس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاکھوں فرزندان توحید کے ساتھ حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا اس موقعہ پر کوئی بھی مشرک موجود نہ تھا۔ یہ ذلت اس لئے انکا مقدر بنی کہ انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کا انکار کیا حالانکہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے تمام عرب میں انہیں عزت و تکریم کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ عرب میں ان دنوں راستے محفوظ نہ تھے۔

بنو غفار کے ڈاکو تجارتی قافلوں کو لوٹتے تھے مگر جب قافلے میں قریش کا کوئی آدمی ہوتا اور کہہ دیتا کہ میں حرم شریف کا رہنے والا ہوں تو ڈاکو اسے چھوڑ دیتے تھے ان کے احترام میں اپنی تلواریں نیام میں کر لیتے تھے اسی وجہ سے تمام قافلے اہل مکہ میں سے کسی کو معاوضہ دے کر اپنے ساتھ لے جاتے ڈاکو اس قافلے سے کوئی تعرض نہ کرتے تھے جس کے ساتھ اہل حرم میں سے کوئی شخص ہوتا۔

سورۂ قریش میں اسی طرف اشارہ ہے کہ تم گرمیوں اور سردیوں میں شام اور یمن کی طرف سفر کرتے ہو تو راستوں میں تمہیں کوئی خوف نہیں ہوتا اور تمہارے قافلے امن سے گزر جاتے ہیں لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس نعمت کے شکر میں اس گھر کے مالک کی عبادت کرو۔ اللہ نے انہیں احساس دلایا کہ تمہیں جس کی وجہ سے یہ سیادت اور عزت و تکریم حاصل ہے تم لوگوں نے اسی ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اس نے تو بت خانہ توڑا تھا اور تم نے اس کے بنائے ہوئے

گھر میں بت خانہ بنا دیا۔

قرآن پاک میں سورۂ ابراہیم کا چھٹا رکوع ابراہیم علیہ السلام کی دعا پر مشتمل ہے جو کہ اس مضمون کے شروع میں دیا گیا ہے یعنی:

''اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو لوگوں کے لئے امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی پوجا سے بچائے رکھ۔ اے میرے رب انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو میدان مکہ میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت و ادب والے گھر کے پاس بسایا ہے، اے پروردگار! تا کہ یہ نماز پڑھیں۔ تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تا کہ تیرا شکر کریں۔ اے پروردگار جو بات ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے اور اللہ سے کوئی بات مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو بڑی عمر میں اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام دیئے۔ بے شک میرا پروردگار سننے والا ہے۔ اے میرے پروردگار میری دعا قبول فرما اے پروردگار حساب کتاب کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کی مغفرت فرمائیو۔

[ابراهيم/9: 35,41]

اس میں آٹھ دفعہ ابراہیم علیہ السلام نے رَبَّنَا کہا یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ پیغمبروں کی اکثر دعائیں اَللّٰھُمَّ سے شروع نہیں ہوتیں جیسے: ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا ﴾

جو آدمی ایک سانس میں دس مرتبہ کہے: یَارَبِّی یَارَبِّی ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' اس کے بعد مانگنے کے لئے اور کیا باقی رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسم اعظم ہے یہ سب سے بڑا نام ہے۔ اس کے نزدیک ترین رب ہے۔ باقی جو نام ہیں وہ اس کے صفاتی نام ہیں مگر رب اللہ کے بالکل قریب ہے۔ رب کے معنی ہی پر غور کریں کہ نقش سے نکال کر ہر چیز کو کمال تک پہنچا دیا ہر وقت خبر گیر رہنا اپنی مخلوق کی ہر حاجت پوری کرنی، اس کو کہتے ہیں ربوبیت۔ اللہ تعالیٰ اگر ایک لمحہ کے لئے ربوبیت چھوڑ دے تو ہر چیز فنا ہو جائے۔

جب ربنا کہیں تو وہ کرم یاد آ جاتا ہے جو ماں کے شکم سے لے کر ہر لمحہ ہمارے ساتھ رہتا ہے ماں کے شکم میں جب مانگنے کے لائق ہی نہ تھے تو اس وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی تمام حاجات پوری کرتا تھا اور پیدا ہونے کے بعد دودھ کو ذریعہ پرورش بنایا۔ اس طرح ہر وقت اور ہر لمحے میری ضروریات کا خیال رکھا اس کے علاوہ کوئی اور در ہے جسے بندہ پکارے۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب اس شہر کو امن والی جگہ بنا دے کیونکہ امن انسان کی پہلی ضرورت ہے جہاں بھی انسان بستا ہے وہاں اگر امن نہ ہو تو اس کا جینا دوبھر ہو جاتا ہے۔ ہر لمحے خوف کا شکار رہتا ہے کہ نہ جانے اگلے ہی لمحے کیا ہو جائے۔

آپ ذرا پاکستان کے حالات پر نظر دوڑائیں کہ یہاں امن و امان کی صورت حال درست نہ ہونے کی وجہ سے لوگ کتنے پریشان ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اے رب! اس کو امن والا شہر بنا دے! تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرما لیا اور یہاں امن کا ایسا بندوبست کیا کہ یہاں باپ کا قاتل بھی نظر آ جائے تو لوگ اس سے صرف نظر کر لیتے تھے۔ انسان تو انسان ہے۔ اس کی حدود میں آئے ہوئے جانور کے شکار کی بھی ممانعت کر دی۔

اللہ تعالیٰ کے دین نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہاں سائے میں کوئی جانور بیٹھا ہو تو اس سائے کے نزدیک نہیں جانا! مبادا وہ جانور ڈر کر اٹھ نہ جائے۔ اگر کوئی جرم کر کے اس کی حدود میں آ جائے تو اسے بھی سزا نہ دو۔ ہاں! اگر بار بار جرم کا ارتکاب کرے تو اسے سزا دو البتہ! اگر باہر سے کوئی آ جائے تو اس کا کھانا پینا بند کر دو تا کہ وہ وہاں سے نکل جائے۔

اللہ تعالیٰ نے صرف اس شہر کو ہی حرمت نہیں بخشی بلکہ اس سے بڑھ کر چار مہینوں کو بھی حرام بنا دیا تا کہ اس شہر میں حج کے لئے آنے والوں کے لئے راستے پر امن ہو جائیں۔ کفر کے زمانے میں بھی ان چار مہینوں کا احترام کیا جاتا تھا ڈاکو اور چور ان مہینوں میں جرائم چھوڑ دیتے۔ سالوں سے جاری لڑائیاں بند کر دی جاتیں۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے پناہ مانگی کہ یا اللہ مجھے اور میری اولاد کو شرک کی لعنت سے محفوظ رکھنا! شرک انتہائی خطرناک بیماری ہے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ میں سب گناہ معاف کر دوں گا مگر شرک معاف نہیں کروں گا۔

شرک سب سے پہلی بیماری ہے جس میں کوئی بھی امت گرفتار ہوتی ہے وہ خواہ بت پرستی کی

شکل میں ہو یا قبروں کے ذریعے یا تصویریں بنا کر کی جائے۔ شرک ہی سے باقی تمام گناہ جنم لیتے ہیں کہ جو مرضی گناہ کرلو! فلاں قبر والا یا فلاں پیر تمہیں بچالے گا کہ اللہ کے دربار میں وہ ہمارے سفارشی ہیں۔ ان کو راضی کرنا بھی بہت آسان ہے کہ ہر ماہ ختم دلا دیا قبر پر سال بعد دیگ چڑھا دی پیر صاحب راضی ہو گئے۔

روزانہ پانچ دفعہ نماز پڑھیں، ہر سال روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، حلال کمائیں اس مصیبت میں کون پھنسے۔ ہم ہر کام شاٹ کٹ ڈھونڈتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا وقت جب قریب آیا تو ان کو سب سے بڑی پریشانی یہی تھی حالانکہ اس وقت بیماری کا بہت غلبہ تھا مگر اس حالت میں بھی ان کا دھیان اپنی امت کی طرف لگا ہوا تھا۔ بار بار فرماتے: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو! انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تم لوگ یہ گناہ مت کرنا۔ یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں یہ الفاظ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعرات سے سوموار تک بار بار دہراتے رہے۔

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے التجا کی:

”اے رب انہوں (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ سو جس نے میرا کہا مانا وہ میرا ہے جس نے میری نافرمانی کی تو تو بخشنے والا ہے اے رب! میں نے اپنی اولاد میدان مکہ میں جہاں کوئی کھیتی نہیں، تیرے عزت و ادب والے گھر کے پاس اس لیے لابسائی ہے۔ تاکہ لوگ نمازیں پڑھیں تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے تاکہ تیرا شکر کریں۔“ [14/ابراھیم: 36,37]

کعبہ کی مثال روشنی کے اس مینار (لائٹ ٹاور) کی مانند ہے جو سمندر میں ایسی جگہ بنائے جاتے ہیں جہاں سمندر کی تہہ میں بڑی بڑی چٹانیں ہوتی ہیں جن سے ٹکرا کر جہاز پاش پاش ہو جاتے ہیں یہ مینار دور ہی سے کپتانوں کو خبردار کر دیتے ہیں تاکہ کپتان جہاز کا راستہ بدل کر درست سمت ڈال سکے۔

خدا گواہ ہے کعبہ بھی ایسا ہی مینار ہے۔ اگر کوئی شخص گمراہ ہونا چاہتا ہے تو اسے بتاتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی مالک ہے۔ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا تاکہ ہمارا دھیان ہر وقت اپنے خالق حقیقی کی طرف رہے۔ صرف نماز پڑھنے کا حکم نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔

ہم اپنے گھر والوں کو نماز پڑھائیں، محلے والوں کو اس کی ترغیب دیں حکومت کی یہ سب سے پہلی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی مملکت میں نماز کا بندوبست کرے۔ پورے ملک میں کوئی شخص بے نماز نہ ہو۔ اذان ہو تو تمام کاروبار حیات رک جائے۔ بازار بند ہو جائیں گاڑیاں کھڑی ہو جائیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کہ میں انہیں اس لئے یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں تاکہ تیرے گھر میں رونق رہے۔ اب یہاں اجاڑ نہ رہے۔ جس طرح پرندہ اوپر سے نیچے کی طرف آتا ہے اسی طرح خلق خدا کے دل ایسے کر دیئے کہ وہ مکہ کی طرف لگے رہیں کہ بے قرار ہو کر مکہ کی طرف دوڑیں۔ اللہ نے ان کی یہ دعا بھی قبول کر لی۔

پہلے صرف عرب کے لوگ آتے تھے۔ مگر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد جیسے جیسے اسلام پھیلا ساری دنیا کے لوگ یہاں آنے لگے۔ لوگوں کا تانتا بندھ گیا ہے سارا سال افغانستان سے لے کر تیونس تک نہ صرف عالم اسلام سے بلکہ یورپ اور امریکہ سے لوگ جوق در جوق مکہ کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ کوئی پیدل، کوئی سمندر کے راستے، کوئی ہوائی جہاز کے ذریعے آ رہا ہے۔

حج کے موقعہ پر تو ایسا لگتا ہے کہ دریاؤں کے بند ٹوٹ گئے ہیں۔ عشاق قافلہ در قافلہ محبوب سے ملاقات کے لئے دوڑے چلے آتے ہیں۔ دل واقعی ایسے ہو گئے ہیں کہ اسی طرف جھکے ہوئے ہیں اور یہ تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ صرف ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا اثر ہے کہ ایسے گئے گزرے دور میں لوگ اتنا وقت نکال کر کثیر رقم خرچ کر کے اتنا پر مشقت سفر اختیار کرتے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں فرمایا: کہ مکہ اللہ نے ایسا بنا دیا کہ جیسے کبوتر اپنے گھونسلے کی طرف آتا ہے۔ یا پیاسا جانور کنوئیں کی طرف جاتا ہے اس طرح ایمان والے مکہ کی طرف جاتے ہیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو نہ تو کسی بیماری نے روکا نہ کسی حاکم نے منع کیا اور وہ مکہ نہیں گیا وہ ایسا ہے جیسے یہود و نصاریٰ، مگر جس کے دل میں ایمان ہے مگر اس کے پاس مال و دولت نہیں ہے اس کا دل ادھر ہی لگا ہوا ہے وہ بے چین ہو کر روتا ہے کہ پروانے شمع کے گرد طواف کر رہے ہیں اور میں محروم ہوں۔ جو وہاں پہنچ جاتے ہیں وہ اپنی قسمت پر نازاں ہیں اور اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہیں: کہ مولا تیری مہربانی ہے کہ ہم تیرے در پر حاضر ہیں۔ اس کے بعد دعا کی کہ یا اللہ! یہ بنجر زمین ہے ان کو میوے عطا فرما اور اللہ نے اسی طرح قبول فرمایا: کہ دنیا جہان کی نعمتیں وہاں دستیاب ہیں۔ ہر قسم کے اناج پھل دودھ دہی سب تازہ ہر وقت ملتا ہے۔ حالانکہ سارا سال ہی وہاں رش رہتا ہے مگر حج کے دوران تو کروڑوں کا اجتماع ہوتا ہے مگر محال ہے کسی چیز کی وہاں

قلت ہو جائے۔ حضرت ابراہیم نے ان سب دعاؤں کے مانگنے کا مقصد بھی بیان کر دیا تا کہ تیرے شکر گزار ہوں۔ شکر کا جذبہ دل میں اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اللہ کی نعمتوں کا احساس دل میں جاگزیں ہو۔ جب بندے کو یہ احساس ہوگا مولا کی کتنی مہربانی ہے کہ اس نے بن مانگے اتنی نعمتیں عطا کیں اور انسان کی تمام ضرورتیں بن مانگے پوری کر دیں۔ جب ان نعمتوں کا احساس ہوگا تو دینے والے کو یاد کرے گا اس سے محبت پیدا ہوگی اس کے سامنے جھک جائے گا یہی شکر ہے شکر کے بغیر دین نامکمل ہے۔

’’اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ’’اے رب جو بات ہم چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے اور اللہ پاک سے کوئی چیز مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔‘‘ [14/ابراھیم:38]

’’یعنی جو مانگ رہا ہوں اور جو میرے دل میں ہو، یا اللہ! تو سب سے واقف ہے زمینوں اور آسمانوں میں جو بھی پوشیدہ ہے تجھے سب کی خبر ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے: ’’یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے بڑھاپے میں مجھے اسماعیل اور اسحاق بخشے بے شک میرا رب سننے والا ہے۔‘‘ [14/ابراہیم:39]

ابراہیم علیہ السلام بوڑھے ہو چکے تھے بال ان کے سفید ہو گئے تھے۔ تورات میں ہے کہ چھیاسی (86) برس کے تھے جب اماں ہاجرہ سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تورات میں ہے کہ اس وقت ان کی پہلی بیوی حضرت سارہ بہت ناراض ہوئیں میری سوکن کو بیٹا دے دیا تم کیسے نبی ہو کہ میں نے تیری خاطر اتنی تکلیفیں برداشت کیں۔ اپنے وطن سے ہجرت کی اور میرے لئے اپنے رب سے بیٹا نہیں لے سکے۔

ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ تو کافروں کو اولاد دیتا ہے مجھے بھی یہ نعمت عطا فرما! حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تیرہ (13) سال بعد اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے جب فرشتے اسحاق علیہ السلام کی بشارت دینے کیلئے انسانی شکل میں آئے تو ابراہیم علیہ السلام نے گوشت بھون کر ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے کہا: کہ ہم فرشتے ہیں ہم اس سے پاک ہیں۔ اس سے ان لوگوں کے اس باطل عقیدے کی نفی ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی حاضر ناظر ہوتا ہے۔ اسے تمام باتوں کا علم ہوتا ہے اس وقت فرشتے ان کے سامنے بیٹھے تھے مگر وہ انہیں پہچان نہ سکے اور ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پہلے کھانے کا

اس لئے نہیں پوچھا کہ یہ آداب میزبانی کے خلاف تھا کہ مبادا مہمان تکلف میں انکار نہ کریں۔

جب مہمانوں نے بتایا کہ ہم فرشتے ہیں اور تجھے اسحاق کی بشارت دینے کے لئے آئے ہیں۔ اماں سارہ دروازے پر کھڑی سن رہی تھیں وہ ہنس دیں اور ماتھے پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں: کہ کیا میرے بیٹا پیدا ہوگا جبکہ! میں بوڑھی ہو چکی ہوں اور میرا خاوند بھی بوڑھا ہے تو فرشتوں نے کہا کہ تجھ پر اور تیرے خاوند پر اللہ کی رحمت ہے اور اللہ کے لئے یہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہم یعقوب علیہ السلام کی بھی بشارت دیتے ہیں۔

اس کے بعد فرشتوں نے کہا کہ ہم تیرے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو تباہ کرنے جا رہے ہیں کیونکہ اس کی قوم کی گمراہیاں حد سے گزر گئیں ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے ہم اسی لئے آئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام بہت نرم دل تھے تین بستیوں کی تباہی کا سن کر لرز گئے۔ اللہ سے کہا: کہ یا اللہ! تو مہربان ہے ان کے حال پر رحم فرما! اللہ پاک نے کہا کہ اگر ان میں پچاس (50) مومن نکل آئیں تو میں عذاب ٹال دوں گا آپ نے کہا کہ اگر دس (10) کم ہوئے تو اللہ نے کہا کہ میں پھر بھی معاف کردوں گا اسی طرح دس دس کر کے تعداد گھٹتی رہی اور بات دس افراد پر آ کر ختم ہوئی مگر بدقسمتی سے لوط علیہ السلام کی برسوں کی تبلیغ کے بعد دس مومن بھی نہ نکل سکے اس کے بعد اللہ نے اپنا عذاب نازل کیا اور سب کفار کو نیست و نابود کر دیا۔

اس بشارت کے بعد اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے یہاں ابراہیم علیہ السلام نے اس نعمت کی تکمیل پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد فرمایا: بے شک میرا رب دعاؤں کو سننے والا ہے۔ اکثر لوگ یہ شکوہ کرتے رہتے ہیں کہ ہم مانگتے ہیں مگر اللہ قبول نہیں کرتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا دعا مانگنا ہی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سن لی ہے ورنہ اللہ مانگنے کی توفیق ہی نہ دیتا۔

جب ہم رکوع سے اٹھنے کے بعد سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ جس نے حمد بیان کی اس کی اللہ نے سن لی۔ بلکہ یہاں مطلب قبول کرنا ہے ہمارا کام صرف مانگنا ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہم ڈکٹیشن شروع کر دیں کہ جو مانگ رہے ہیں وہی دو اور جس طرح مانگا ہے اسی طرح دو! یہ طریقہ درست نہیں ہے کیونکہ ہمیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ جو ہم مانگ رہے ہیں وہ ہمارے لئے خیر ہے یا شر ہے۔ یہ اللہ ہی فیصلہ کر سکتا ہے ہمارا کام صرف التجا کرنا ہے۔ اللہ حکیم ہے، علیم ہے، رحیم ہے وہ جو بھی ہمارے لئے درست ہوگا وہی کرے گا۔ یہ عقدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حل کیا ہے آپ نے فرمایا: بندہ مومن جو بھی دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی ہیں مگر

اس کے تین طریقے ہیں یا تو بندہ جو بھی دعا کرتا ہے فوراً قبول ہو جاتی ہے پھر ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو مانگتا ہے وہ اسے نہیں ملتا مگر اس کے عوض اس پر آئی ہوئی کوئی مصیبت اس سے دور کردی جاتی ہے۔ اب یہ بندے کو پتہ نہیں چلتا کہ کونسی آفت آئی تھی جو اس کی دعا کی برکت سے ٹال دی گئی۔

دعا کی قبولیت کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کے لئے ان دعاؤں کو روک لیتا ہے۔ قیامت والے دن کہے گا یہ تمہاری دعائیں ہیں جو دنیا میں قبول نہیں ہوئیں اس کے عوض تمہیں جنت عطا کی جاتی ہے یا تمہارے درجے بلند کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمایا جن کی دعائیں اس دنیا میں قبول ہوئیں تھیں وہ اس دن روئیں گے کہ ہماری دعائیں دنیا میں ہی کیوں قبول ہوگئیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ:

"اے رب مجھے ایسی توفیق عنائت کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی
یہ توفیق بخش دے! اے پروردگار میری دعا قبول فرما۔" [14/ابراھیم:40]

نبی ہو کر یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ میرے رب مجھے ایسا نمازی بنا دے جس کی نماز میں کوئی خامی نہ ہو۔ نہ صرف مجھے نمازی بنا بلکہ میری آنے والی نسل کو بھی اس کی توفیق دینا۔ اس کے بعد فرمایا: کہ اے میرے رب میری دعا قبول فرما! یہاں خلیل علیہ السلام نے تَقَبَّل کہا کہ میری نماز اور دعا اس قابل تو نہیں مگر تو اپنے فضل اور مہربانی سے اسے قبول کرلے۔ ذرا غور کریں اللہ تعالیٰ کا اتنا جلیل القدر پیغمبر کس عاجزی اور انکساری کا اظہار کر رہا ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک جنگل میں دو میاں بیوی رہتے تھے وہ بہت غریب اور مسکین تھے۔ بیوی نے اپنے میاں سے کہا: کہ تو کوئی تحفہ لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کر شاید وہ خوش ہو کر کوئی انعام دیدے۔ انہیں کوئی اور چیز نہ ملی بارش کا پانی ایک نشیبی جگہ کھڑا تھا اس کا مٹکا بھرا اور بغداد میں خلیفہ کے محل میں لے کر گیا تو علم ہوا کہ بادشاہ تو دریا کی سیر کے لئے گیا ہوا ہے وہ غریب دریا کی طرف گیا دیکھا تو تاحد نظر پانی ہی پانی ہے بادشاہ کی کشتی دریا کے درمیان میں تھی اس نے اتنا پانی دیکھا تو شرمندہ ہو گیا کہ میں اتنی دور سے اتنا سا پانی لے کر آیا ہوں بادشاہ کے اردگرد اتنا شفاف پانی بہہ رہا ہے میرے گندے پانی کی اس کے سامنے

کیا حیثیت ہے وہ اسی شرمندگی اور بے بسی کے عالم میں کھڑا تھا کہ بادشاہ کی نظر اس پر پڑ گئی بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلایا اور پریشانی کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ امیر المؤمنین میں تو اتنی دور سے آپ کے لئے پانی کا تحفہ لے کر آیا تھا کہ کیا معلوم آپ کو پانی ملتا ہے یا نہیں! مگر یہاں آ کر دیکھا کہ یہاں تو دریا بہہ رہا ہے میں اس بات پر شرمندہ ہوں۔

امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ اس کا مٹکا دریا میں انڈیل دو اور اسے موتیوں سے بھر دو! یہ نہ دیکھو کہ کیا لایا ہے؟ یہ دیکھو کس جذبے اور خلوص سے لایا ہے۔ یہی بات حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہی: کہ یا اللہ! میں اس لائق تو نہیں مگر تو بہت مہربان ہے اپنے فضل اور رحمت سے قبول فرما۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ کعبہ کے دروازے پر ایک آدمی رو رو کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کر رہا ہے۔ میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا: میں یہ نہیں کہتا کہ میری نیکیاں قبول فرما! میرے پاس کون سی نیکیاں ہیں میں تو صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ تو اپنے فضل اور مہربانی سے میرے گناہوں پر معافی کا قلم پھیر دے! شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اتنے بڑے ولی ہو کر وہ اللہ سے التجا کر رہے ہیں۔

ابراھیم علیہ السلام نے آخر میں اپنے لئے اپنے ماں باپ کے لئے اور تمام مومنوں کے لئے مغفرت کی دعا کی:

"اے پروردگار روز حساب مجھے میرے والدین کو اور تمام مومنوں کی
مغفرت فرمائیو۔" [14/ابراھیم:41]

اللہ تعالیٰ کے نبی کو احساس ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا تمام لوگ اس میں اپنے حسابات لے کر حاضر ہوں گے سب کا عمل نامہ ان کے سامنے ہوگا اس وقت کے لئے ہمیں تیاری کرنی چاہئے۔ ابراھیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انتہائی برگزیدہ اور چنے ہوئے فرد تھے۔ بلکہ قرآن کہتا ہے: کہ ابراھیم علیہ السلام ایک فرد نہ تھے بلکہ پوری امت تھے جو کچھ انہوں نے کر دیا کوئی مائی کا لال ایسا کرسکتا ہے؟۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جنہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گورنر بنا کر یمن بھیجا وہاں انہوں نے فجر کی نماز میں انہی آیات کی تلاوت کی: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ ایک اعرابی ان کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا تھا اس نے ابراھیم علیہ السلام کی اتنی تعریف سنی تو وہ رہ نہ سکا کہہ اٹھا: ((امہ ابراھیم)) "جس ماں نے ابراھیم کو جنم دیا خدا اس کی آنکھیں ٹھنڈی کردے! اللہ ہمیں توفیق دے ہم قرآن

پڑھیں: اسے سمجھیں! اور اس پر عمل کریں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ٹھیک کہا ہے

شکوہ سنج گردش دوراں شدی

خوار از مجبوری قرآں شدی

جب لوگ اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں کہ مسلمان کیوں تباہ ہو گئے؟ تو کہتے ہیں: قسمت کا لکھا تھا۔ یہ درست نہیں۔ بلکہ ہمیں یہ دن اس لیے دیکھنا پڑا کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہ وہ کتاب ہے جس نے لوگوں کی زندگیوں کو بدل دیا۔ مگر ہم اس میں سے مناظرے کیلئے آیتیں ڈھونڈتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

✿✿✿

سیرت حضرت یوسف علیہ السلام

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴾ [12/ یوسف: 23,24]

''اور جس عورت کے گھر میں وہ تھا وہ اس پر ڈورے ڈالنے لگی اور ایک روز دروازے بند کر کے بولی آ جا! یوسف نے کہا خدا کی پناہ میرے رب نے مجھے اچھی منزلت بخشی (اور میں یہ کام کروں!) ایسے ظالم کبھی فلاح نہیں پایا کرتے وہ اس کی طرف بڑھی اور یوسف بھی اس کی طرف بڑھتا اگر اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتا۔ اس لیے ایسا ہوا تا کہ ہم اس سے بدی اور بے حیائی کو دور کر دیں۔ درحقیقت وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا۔''

انسان کے دو دشمن ایسے ہیں جو ہر وقت اس کو اپنے جال میں پھنسانے اور راہ حق سے ہٹانے کے لئے مصروف عمل ہیں اور ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرتا جب وہ اپنی کوشش سے انسان کو بھٹکانے سے باز آتے ہوں بلکہ وہ ہر وقت نئی نئی چالوں اور حیلوں سے انسان کی گمراہی کا سامان کرتے رہتے ہیں۔ ایک شیطان اور دوسرا انسان کا اپنا نفس ہے۔

شیطان نے تو اللہ تعالیٰ کو قسم کھا کر کہا تھا:

﴿ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [38/ص: 82]

''میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا۔''

اور ان کو سیدھے راستے سے ہٹا کر دوزخ کی طرف لے جاؤں گا۔ ان کے آگے سے بھی آؤں گا پیچھے سے بھی، دائیں اور بائیں سے بھی آؤں گا، اور اے اللہ تعالیٰ تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ شیطان ہر وقت حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے اور نئے نئے طریقے اور چالیں اپناتا رہتا ہے تا کہ مخلوق خدا کو جنت کے راستے سے پھسلا کر دوزخ کے راستے پر چلا دے۔ قرآن مجید

میں اسی لئے اللہ نے فرمایا:

﴿وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ﴾

"جب بھی شیطان کوئی وسوسہ ڈالے فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

[7/الاعراف: 200]

اللہ کی پناہ کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ ہر قسم کے شر سے بچنے کے لئے بہترین ٹھکانہ ہے انسان شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ وہ آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہر طرف سے حملہ کرتا ہے اور نظر نہ آنے کی وجہ سے اس کے داؤ کا ہمیں پتہ نہیں چل سکتا۔ اگر ہم خود شیطان کا مقابلہ شروع کر دیں تو وہ ہمیں شکست دیدے گا کیونکہ اس کی چالیں اتنی خفیہ اور پوشیدہ ہیں کہ ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔ اگر پتہ چل بھی جائے تو وہ ایسے طریقے سے گمراہ کرتا ہے کہ انسان اس کے داؤ میں پھنس جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے شیطان سے بچنے کا طریقہ یہ بتایا کہ ہم اللہ کی پناہ مانگیں اور اس کی طرف رجوع کریں۔ شیطان اللہ کا چھوڑا ہوا کتا ہے اگر ہم اس کا مقابلہ شروع کر دیں تو یہ ہمیں چیر پھاڑ دے گا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: مجھ سے پناہ مانگو میں خود اس کو پٹہ ڈال دوں گا۔ دوسرا انسان کا دشمن خود انسان کا نفس ہے۔ وہ انسان کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے اور ہر وقت اسے بدی کا حکم دیتا رہتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ نے نفس کے بارے میں بھی یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ﴾

"بے شک نفس تو انسان کو برائی پر ہی اکساتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب ہی رحم کرے۔"

[12/ یوسف: 53]

یعنی انسان اللہ کی پناہ میں آجائے (اَمَّارَہ) مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنیٰ ہے کہ وہ بہت زیادہ حکم دیتا ہے۔ ہر وقت برائی کا حکم دیتا رہتا ہے۔ نفس بھی انسان کو برائی کا حکم دیتا رہتا ہے اور اس سے بھی کوئی انسان بچ نہیں سکتا۔ کتنا ہی ولی اور نیک ہو وہ بھی نفس کے شر سے بچ نہیں سکتا۔ اسی لئے یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ﴾

"مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے۔"

اور بندہ اس کی پناہ مانگے۔ اور اللہ اس کو اپنی پناہ میں لے لے۔ قرآن مجید کی آخری دو

سورتیں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس اسی مقصد کے لئے نازل ہوئیں کہ انسان خود تو ان دشمنوں سے بچ نہیں سکتا اس لئے وہ اللہ کی پناہ مانگے۔ انہیں معوذتین کہا جاتا ہے جن کا معنیٰ ہے: پناہ دینے والی۔ اور ان سے بہتر اور کوئی دعا نہیں ہے جس سے انسان اللہ کی پناہ مانگے۔ اللہ کی ایسی صفات ان میں بیان کی گئی ہیں کہ انسان جس چیز کا بھی طالب ہے ہر وہ صفت ان میں پائی جاتی ہے۔

﴿قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾

"میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی۔"

رب وہ ہے جو انسان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ جس چیز کی بھی انسان کو جس وقت بھی ضرورت پڑ سکتی ہے اس نے پہلے سے اس کا انتظام کیا ہوتا ہے۔ انسان کو سانس لینے کے لئے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے، بھوک مٹانے کے لئے کھانے کی ضرورت ہوتی ہے پیاس بجھانے کے لئے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ الغرض جس چیز کی بھی ضرورت ہوتی ہے وہ اسے مہیا کرتا ہے۔ کسی سے مانگ کر نہیں بلکہ وہ خود اس کا مالک ہے پھر فرمایا:

﴿مَلِکِ النَّاسِ﴾

"وہ لوگوں کا بادشاہ ہے۔"

ہر چیز کا وہ مالک ہے لوگ اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ وہ جس حال میں جس کو رکھنا چاہے اسی میں رکھتا ہے۔ کوئی اس کے سامنے دم نہیں مار سکتا وہ غریبی میں رکھے یا امیری میں کسی کی مجال نہیں کہ اس کے سامنے بول سکے۔ پھر جب وہ انسان کی ہر ضرورت پوری کرتا ہے تو انسان اس کے سامنے جھک جاتا ہے اور اسے اپنا معبود بنا لیتا ہے۔

﴿اِلٰہِ النَّاسِ﴾

"وہ لوگوں کا معبود ہے۔"

انسان شوق سے اس کے سامنے جھکتا ہے اور اسی سے ہر قسم کی دعا کرتا ہے اور اسی کی پرستش کرتا ہے وہی اس کا الہ اور معبود ہے جسے وہ پکارتا ہے۔ سلطان نصر بن احمد نے جب نیشاپور کو فتح کیا اور دربار لگایا اور دربار میں قاری سے کہا قرآن مجید کی تلاوت کرو! قاری نے تلاوت کی اور پڑھا:

﴿لِمَنِ الۡمُلۡکُ الۡیَوۡمَ﴾

"قیامت کے دن اللہ پوچھے گا: آج کس کی بادشاہی ہے؟"

پھر خود ہی جواب دے گا:

﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾

''آج اللہ اکیلے کی بادشاہی ہے جو قہار ہے۔''

اسی وقت بادشاہ تخت سے اٹھا اور اپنا تاج اتار کر مٹی پر رکھ دیا اور کہنے لگا: اے اللہ بادشاہی تیری ہی ہے ہم تو محض پتلے ہیں جنہیں کچھ مدت کے لئے اس بادشاہی پر لگا دیا جاتا ہے۔

﴿ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴾

''جو چھپ کر وسوسے ڈالتا ہے۔''

بس یونہی دل میں خیال ڈال دیتا ہے کہ اس چیز میں بہت فائدہ ہے حالانکہ اس میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ وسوسے ڈالتا ہے غیر محرم کو دیکھنا کونسا بڑا جرم ہے اس میں کتنا مزا آتا ہے تو بھی دیکھ! بانڈ خریدنے میں کون سی قباحت ہے اگر نکل آیا تو منٹوں میں اتنا امیر ہو جائے گا جس کا تو تصور بھی نہیں کرسکتا! اور اسی طرح کے یہ وسوسے وہ دلوں میں ڈالتا ہے۔

﴿ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴾ وہ صرف وسوسہ ڈال سکتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا۔ لیکن اس کے وسوسے اتنے باریک اور لطیف ہوتے ہیں کہ انسان اللہ کی پناہ میں آئے بغیر اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ کتا ہے! جس کا مقابلہ انسان نہیں کرسکتا مالک ہی اس سے بچا سکتا ہے۔

سرِ چشمہ شاید بہ بستن بہ میل
چوں پر شد نہ شاید گزشتن بہ پیل

وسوسہ کی مثال ایسے ہے: جیسے نہر میں جب شگاف ہوتا ہے تو شروع میں وہ معمولی سا سوراخ ہوتا ہے جسے آسانی سے بند کیا جاسکتا ہے لیکن جب (اس کو بند نہیں کیا جاتا تو پھر) وہ بڑا شگاف بن جاتا ہے پھر اس میں ہاتھی بھی کھڑا کر دیا جائے تو اس کو بھی بہا کر لے جائے۔ وسوسہ بھی پہلے معمولی خیال ہوتا ہے جسے بآسانی جھٹکا جاسکتا ہے لیکن جب انسان اس کی پروا نہیں کرتا تو پھر وسوسہ بڑھتا رہتا ہے اور وہ خیال اور وسوسہ دل میں جم جاتا ہے تو پھر وہ وسوسہ ارادہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان پھر اس کی کوشش کرتا ہے کہ وہ برائی کا کام کرے اگر اس میں طاقت ہو تو وہ برائی کر لیتا ہے۔

پھر یہاں بھی شیطان انسان کو نہیں چھوڑتا بلکہ وہ اسے کئی طرح سے گناہ کی ترغیب دیتا

رہتا ہے اور کہتا ہے: کہ صغیرہ گناہ ہی تو ہے اس کی تو کوئی بات نہیں۔ اور جب انسان کبیرہ گناہ شروع کر دیتا ہے تو پھر وہ کہتا: کوئی بات نہیں اگر گناہ کر لئے ہیں تو توبہ کر لینا! اور انسان جب توبہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا ہے: کہ ابھی تو ایک کیا ہے اور بھی کر لو اکٹھی توبہ کر لینا! اس طرح انسان کو اپنے جال میں پھنسائے رکھتا ہے اور انسان گناہ کرتا چلا جاتا ہے۔ اور پھر جب کبھی اسے توبہ کا خیال آتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالتا ہے کہ ابھی بڑی زندگی پڑی ہے۔ موت سے پہلے پہلے توبہ کر لینا اور یوں انسان شیطان کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: انسان کا دل صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ جب وہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نکتہ اس کے دل پر پڑ جاتا ہے اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ صاف ہو جاتا ہے اور اگر توبہ نہیں کرتا تو وہ قائم رہتا ہے اور پھر جب انسان گناہ کرتا رہتا ہے تو دل پر سیاہ نکتے پڑتے رہتے ہیں حتیٰ کہ دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر آپ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی:

﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ [83/ مطففین: 14]

''بے شک جو کچھ انہوں نے کمایا اس کی وجہ سے ان کے دل پر زنگ لگ گیا ہے۔'' [1]

اس طرح شیطان اپنے وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور بندوں کو سیدھی راہ سے روکتا ہے اور ان کے برے اعمال کو اچھے کر کے دکھاتا ہے قرآن مجید نے بھی بار بار اس بات کی وضاحت کی ہے:

﴿ زَيَّنَ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ ﴾

''شیطان انسانوں کو ان کے برے اعمال خوبصورت کر کے دکھاتا ہے اور انہیں اللہ کے راستے سے روکتا ہے۔'' [27/نمل: 24]

اللہ نے ہر انسان کو نیکی اور بدی کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے اور ہر انسان کے اندر ایک ضمیر رکھ دیا ہے جو انسان کو اچھے اور برے میں تمیز کر دیتا ہے اور ہر انسان خواہ وہ پڑھا لکھا ہو یا ان پڑھ اسے اپنے اندر محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا:

﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴾

''اور قسم ہے جان کی اور جس نے اسے درست کیا۔ اللہ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کی پہچان ڈال دی ہے۔'' [91/الشمس: 7,8]

[1] المطففین: 14، تفسیر ابن کثیر: 4/486،

ہر انسان نیکی اور بدی کو جانتا ہے۔ لھم کہتے ہیں منہ کے ذریعے کسی چیز کو حلق میں ڈال دینا۔ جس طرح قطرے منہ میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور پیٹ میں پہنچ جاتے ہیں اسی طرح اللہ ﷻ نے انسان کی فطرت میں نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت ڈال دی ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ لوگ مجھ سے دیانتداری کا برتاؤ کریں اگرچہ وہ خود دوسروں سے بددیانتی سے پیش آتا ہو۔ یعنی ہر شخص یہ چیز اپنی فطرت میں محسوس کرتا ہے۔ پھر اللہ ﷻ نے اس کی مزید تاکید کے لئے رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں۔

شیخ اکبر ابن عربی لکھتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیطان کی ملاقات ہوئی فرشتے بھی موجود تھے۔ شیطان نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ لوگوں کو نیکی کی راہ دکھا اور بتا سکتے ہیں اس پر لوگوں کو چلا نہیں سکتے! اس کام میں ہم دونوں برابر ہیں۔ آپ نیکی کی طرف بلاتے ہیں اور میں برائی کی طرف بلاتا ہوں۔ باقی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ قیامت کے دن شیطان یہی کہے گا، ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم﴾ [14/ ابراھیم: 22]

''شیطان قیامت کے دن کہے گا: مجھ میں تم پر کوئی زور نہ تھا کہ میں تمہیں بدی پر چلا سکوں۔ میں نے تو تم کو گمراہی اور باطل کی طرف بلایا تو تم نے جلدی سے اور بے دلیل میرا کہنا مان لیا۔ تو آج مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ہی ملامت کرو۔''

شیطان میں کوئی طاقت نہیں کہ وہ انسان کو پکڑ کر بدی کے راستے پر ڈال دے۔ وہ صرف وسوسہ اور خیال ڈال سکتا ہے اس سے آگے کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے وسوسے اتنے خطرناک ہیں کہ انسان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لئے اللہ ﷻ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے فرمایا:

''اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِيْ طَاعَةِ اللهِ''

''مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے اللہ ﷻ کی اطاعت میں۔''

یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہر قسم کے فتنے نظر آتے ہیں جن کا مقابلہ حضرت یوسف نے کیا اندر سے نفس اور باہر سے زلیخا اور زنان مصر آپ کو فتنے میں مبتلاء کرنے میں مصروف تھیں لیکن

آپ نے اللہ کی پناہ مانگی اور ہر قسم کے خطرات سے اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔

یوسف علیہ السلام کے دو قسم کے امتحان ہوئے ایک حسد کا تھا۔ بھائیوں نے آپ سے حسد کیا اور آپ کو کنویں میں پھینک دیا اور قافلہ والوں نے آپ کو بیچ دیا۔ اور دوسرا امتحان محبت کا تھا کہ زلیخا آپ کے حسن کی وجہ سے آپ سے متاثر ہوئی اور اس نے آپ سے غلط حرکت کا مطالبہ کیا۔ لیکن آپ نے اللہ کی پناہ مانگی جس کی وجہ سے اس گناہ سے بچ گئے۔ اور اللہ ﷻ کی طرف سے یہ حکم تھا آپ نے اپنا تعارف بھی نہیں کرایا اگر آپ چاہتے تو بتا سکتے تھے کہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیٹا ہوں! لیکن آپ نے نہیں بتایا اور دوسری طرف یعقوب علیہ السلام کو بھی صبر کرنے کا حکم تھا۔ ورنہ جب بیٹوں نے کہا: کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا ہے اور آپ نے اسے غلط سمجھا تو آپ اسی وقت یوسف علیہ السلام کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے لیکن آپ کو اللہ ﷻ کی طرف سے صبر کا حکم تھا اور یہ آپ کا امتحان تھا۔ اور پھر جب یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ بن گئے اور آپ کے بھائی غلہ لینے گئے اور آپ نے ان کو پہچان لیا تو اس وقت بھی اگر آپ چاہتے تو یعقوب علیہ السلام کو اطلاع بھیج سکتے تھے۔ لیکن ابھی دونوں حضرات کا امتحان ختم نہیں ہوا تھا اس لئے یوسف علیہ السلام نے کوئی خط وغیرہ نہیں بھیجا اور جب اللہ کا حکم ہوا تب یوسف علیہ السلام نے اطلاع بھیجی اور یعقوب علیہ السلام کو بھی مصر بلا لیا۔

اور دوسرا امتحان محبت اور عشق کا تھا کہ زلیخا آپ کے حسن سے متاثر تھی اور وہ اپنی محبت کے ڈورے یوسف علیہ السلام پر ڈالتی تھی۔ لیکن یوسف علیہ السلام اس کی خواہش کو پورا کرنے سے باز رہے اور یہ بات کوئی ایک دو دن کی نہیں تھی بلکہ وہ مسلسل آپ کو پھسلا رہی تھی۔ قرآن مجید نے وضاحت کی ہے:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ﴾ [12/یوسف: 23]

''اور وہ عورت مسلسل آپ کو پھسلا رہی تھی جس کے گھر میں آپ تھے۔''

قرآن مجید نے راودت کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا معنیٰ ہے وہ بہت مدت سے آپ کو پھسلا رہی تھی۔ اور قرآن مجید نے کہا: ''جس کے گھر میں آپ رہتے تھے'' یعنی ہر وقت آپ خطرے میں تھے۔ عزیز عدالت میں چلا جاتا اور پیچھے یہ گھر میں اکیلے رہ جاتے تھے اور یہ امتحان بھی بہت سخت تھا۔ اگر آپ کہیں اور جگہ رہتے ہوتے تو پھر اور بات تھی لیکن آپ جس گھر میں رہتے تھے وہیں آپ کو اس امتحان کا سامنا تھا۔

ایک دن زلیخا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور اس نے دروازے بند کر لئے اور حضرت

یوسف علیہ السلام کو دعوت بدی دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ [12/یوسف:23]

''اور اس نے دروازے خوب اچھی طرح بند کر لئے اور کہا اے یوسف اب آ جا۔''

قرآن مجید نے غلقت الابواب کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی خوب اچھی طرح دروازے بند کر لئے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سات دروازے تھے اور ان کو تالہ لگا لیا لیکن یہ بات قرآن وحدیث سے ثابت نہیں۔ اس لئے ہم اتنی بات مانتے ہیں جو قرآن یا صحیح حدیث میں آتی ہے۔ اس وقت حضرت یوسف نے کیا جواب دیا؟

﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾

''میں اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔''

﴿اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ [12/یوسف:23]

''وہ یعنی اللہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا۔''

کیونکہ

﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ [12/یوسف:23]

''ظالم لوگ فلاح نہیں پا سکتے۔''

قرآن مجید نے نیک لوگوں کا یہی وصف بیان کیا ہے کہ جب انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیش آتا ہے تو وہ اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور یوں اللہ پاک انہیں شیطان کے داؤ سے محفوظ رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ [7/الاعراف:201]

''جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کے دل میں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور دل کی آنکھیں کھول کر دیکھنے لگتے ہیں۔''

اور جب یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے دعوت گناہ دی تو اسی وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی تو اللہ نے انہیں اس سے بچا لیا:

﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾

''اور اس عورت نے آپ سے بدی کا ارادہ کیا اور اگر آپ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتے تو آپ بھی ارادہ کر لیتے۔'' [12/یوسف:24]

آپ نے چونکہ اللہ کی دلیل دیکھ لی تھی جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے کہ آپ نے فرمایا: معاذ اللہ! اس لئے آپ نے ارادہ نہ کیا، لیکن بدقسمتی سے ہماری تفاسیر میں بہت سی غلط روایات درج ہو گئی ہیں۔ کچھ لکھتے ہیں کہ آپ نے یعقوب علیہ السلام کو کھڑے پایا اور انہوں نے آپ کو اس فعل بد سے منع کیا۔ کچھ نے لکھا آپ نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا اور کچھ نے لکھا آپ نے یہ آیت دیوار پر لکھی ہوئی دیکھی:

﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ [17/الاسراء:32]

''زنا کے قریب نہ جاؤ کیونکہ یہ بہت بڑی برائی ہے۔''

ان میں سے کوئی بات بھی صحیح سند سے ثابت نہیں اور دوسری طرف یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی غلط روایات کتب تفاسیر میں لکھی ہیں۔ لکھا ہے: یوسف علیہ السلام برہنہ ہو گئے تھے اور زلیخا بھی برہنہ ہو گئی تھی اور آپ فعل بد کرنے لگے تھے کہ پھر آپ کو یہ نشانیاں نظر آئیں اور آپ اس سے باز آ گئے۔ اور یہاں تک بھی لکھا ہے کہ پھر بھی آپ باز نہ آئے یہاں تک کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور آپ کی شہوت انگلیوں کے ذریعے نکل گئی اور پھر آپ باز آئے۔

یہ بالکل من گھڑت اور جھوٹی روایات ہیں۔ جن کا کوئی سر پیر نہیں ان کے بارے میں علامہ آلوسی روح المعانی میں لکھتے ہیں: امام رازی نے ان تمام روایات کو بالکل جھوٹ قرار دیا ہے اور نشانی سے مراد اللہ کی عطا کی ہوئی بصیرت اور توفیق تھی جس کا ذکر آپ نے معاذ اللہ کہہ کر کیا۔

جو لوگ اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ انہیں گناہوں سے بچا لیتا ہے اور جو لوگ اپنے نفس پر اعتماد کرتے ہیں اور اللہ کی پناہ نہیں مانگتے تو پھر وہ شیطان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا اس نے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے جس پر طرح طرح کے بیل بوٹے اور چمک دمک تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت شیطان سے پوچھا: اے ابلیس تیری

سب سے بڑی چال کون سی ہوتی ہے جس سے تو انسان کو گمراہ کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا: جب کوئی اللہ کی بجائے اپنے نفس پر اعتماد کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے گناہ کو چھوٹا خیال کرتا ہے اور اپنی نیکیوں پر فخر شروع کر دیتا ہے تو میں اس پر مکمل قابو پا لیتا ہوں اور اس پر میری گرفت مضبوط ہو جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے اللہ کی پناہ مانگنے کی دعائیں سکھائی ہیں اور ان دعاؤں سے ہم اللہ کی پناہ مانگ سکتے ہیں۔ آپ کی ایک دعا ہے:

"اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوا فَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِی طَرْفَةَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ"

"اے اللہ! میں تیری رحمت کی امید رکھتا ہوں ایک لمحے کے لئے بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کرنا اور میرے تمام کام درست کر دے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔"

"اَللّٰھُمَّ آتِ نَفْسِی تَقْوَاھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلَاھَا"

"اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا کر اسے پاک کر دے! بے شک تو سب سے بہتر اس کا پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا مالک اور آقا ہے۔"

جب یوسف علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تو اللہ نے انہیں محفوظ رکھا۔"

"کَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ"

[12/یوسف:24]

"تا کہ ہم آپ سے برائی اور بدی کو پھیر دیں بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔"

المخلص کی دو قرأتیں ہیں مُخْلِصِیْنَ اور مُخْلَصِیْنَ، مُخْلِص کا معنیٰ ہے اخلاص والے اور مُخْلَص کا معنی ہے چنے ہوئے منتخب اور دونوں درست ہیں جب ابتداء میں انسان کوشش کرتا ہے تو وہ مخلص ہوتا ہے یعنی کوشش اور محنت کرتا ہے اور پھر جب اس سطح سے گزر جاتا ہے تو وہ مخلَص ہو جاتا ہے یعنی پھر اسے منتخب کر لیا جاتا ہے وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ بن جاتا ہے پھر جو برگزیدہ ہوتے ہیں وہ شیطان سے بھی محفوظ رہتے ہیں۔ شیطان نے خود کہا: اے اللہ! میں

تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا:

"اِلَّا عِبَادَكَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ"

"مگر تیرے منتخب بندوں کو میں گمراہ نہیں کر سکوں گا۔"

یہ یوسف علیہ السلام کی خصوصیت نہیں ہے کہ اللہ نے انہیں بدی سے بچا لیا بلکہ تمام لوگوں کیلئے ہے جو بدی سے بچنا چاہیں۔ جیسے یونس علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

"ہم نے یونس (علیہ السلام) کی دعا قبول کی اور انہیں غم سے نجات دی اسی طرح ہم مومنوں کو بھی نجات دیں گے۔" [21/الانبیاء:88]

نفس انسان کو ہر وقت برائی کا حکم دیتا رہتا ہے اسی لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم نفس کی ایک بات مان لو تو وہ پھر دوسری بات کا حکم دینا شروع کر دیتا ہے اور اسی طرح پھر حکم دیتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا شروع میں ہی جب نفس برائی کا حکم دے، تو اسی وقت اس کام سے باز آ جاؤ تو وہ پھر دوسری برائی کا حکم نہیں دے گا۔ اور نفس کے فتنہ سے وہی بچتا ہے جس پر اللہ رحم فرماتا ہے۔ اسی لئے یوسف علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ﴾

"اور میں اپنے نفس کو برائی سے بری قرار نہیں دیتا کیونکہ نفس انسان کو برائی کی ترغیب دیتا ہی رہتا ہے مگر میرا رب رحم کرے تو آدمی برائی سے بچ جاتا ہے۔" [12/یوسف:53]

شیطان کس کس طرح سے انسان کو گمراہ کرتا ہے اس کی چالیں اتنی باریک ہیں کہ انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ہر شخص کو وہ اس کی پسندیدہ اور محبوب چیزوں سے گمراہ کرتا ہے کسی کو محبت کے ذریعے کسی کو لالچ کے ذریعے کسی کو دولت کے ذریعے اور کسی کو عبادت کے ذریعے، بچتا اس سے وہی ہے جو اللہ کی پناہ میں آ جاتا ہے۔

ایک عابد کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بہت عبادت گزار تھا۔ شیطانوں نے اس کو گمراہ کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کسی طرح بھی ان کے داؤ میں نہ آیا تو ابلیس نے شیطانوں کو بلایا اور کہنے لگا: کہ یہ آدمی ہے جسے تم گمراہ نہیں کر سکے اس کو گمراہ کرنے کا کوئی طریقہ نکالو! کسی نے کہا

کہ میں اسے دولت کے ذریعے گمراہ کروں گا۔ کسی نے کہا: میں اسے عورت کے ذریعے گمراہ کروں گا۔ کسی نے کہا: کہ میں اسے لالچ سے گمراہ کروں گا شیطان کہنے لگا: وہ ان تمام چیزوں سے گمراہ نہیں ہوگا۔

ایک شیطان کہنے لگا: میں اسے عبادت کے ذریعے گمراہ کروں گا۔ تو وہ کہنے لگا ہاں! عبادت کے ذریعے یہ گمراہ ہوسکتا ہے۔ وہ شیطان عابد کی شکل میں اس کے پاس گیا اور اس کے پاس جا کر نماز شروع کردی اور نماز میں اتنی آہ وزاری کی کہ وہ عابد دیکھ کر حیران رہ گیا اور اتنی لمبی نماز پڑھی کہ وہ دیکھتا رہ گیا۔ جب اس شیطان نے جو بظاہر عابد تھا اپنی نماز ختم کی تو وہ عابد اس سے پوچھنے لگا اے اللہ کے نیک بندے تو نے ایسی عبادت کہاں سے سیکھی؟ وہ کہنے لگا: میں نے اللہ کی بہت نافرمانی کی ہے اور اسی لئے اب میں پشیمان ہوں اور اپنے گناہوں کی رو رو کر اللہ سے معافی مانگتا ہوں یہ عبادت انہی کو نصیب ہوتی ہے جنہوں نے اللہ کی نافرمانی کی ہوتی ہے۔ اگر تم ایسی نماز پڑھنا چاہتے ہو تو پہلے کوئی گناہ کرو پھر اللہ سے معافی مانگو تو تب تمہیں ایسی نماز نصیب ہوگی۔ عابد نے پوچھا کون سا گناہ کروں؟

شیطان کہنے لگا: فلاں محلے میں فلاں عورت رہتی ہے رات اس کے ساتھ بسر کرو عابد نے کہا: کہ میرے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ شیطان نے دو درہم اسے دیئے وہ عابد اس عورت کے پاس گیا۔ عورت نے پوچھا: حضرت جی! آپ یہاں کیا کرنے آئے ہیں؟ یہ جگہ تو آپ جیسوں کے لئے نہیں ہے۔ وہ کہنے لگا میں یہاں رات بسر کرنے آیا ہوں اور یہ دو درہم ہیں۔ وہ عورت کہنے لگی آپ کو کسی نے غلط جگہ پر بھیج دیا ہے پہلے مجھے بات تو بتائیں۔

وہ عابد کہنے لگا: میرے پاس ایک نیک آدمی آیا تھا اور پھر سارا قصہ بیان کیا اور کہنے لگا میں بھی گناہ کرنے آیا ہوں تا کہ پھر توبہ کروں اور ویسی ہی نماز پڑھوں وہ عورت کہنے لگی: وہ عابد نہیں شیطان تھا۔ اس نے تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں کیا معلوم اس کے بعد تم توبہ کر بھی سکو گے یا نہیں۔ اگر تم اس گناہ میں پھنس گئے اور پھر تمہیں یہ گناہ اچھا لگنے لگا اور تم گناہ کرتے چلے گئے تو پھر کیا ہوگا؟ لہٰذا ابھی پلٹ جاؤ چنانچہ عابد واپس پلٹ آیا۔

اسی رات اس عورت کا انتقال ہوگیا۔ لوگوں نے اس عورت کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اللہ نے اس وقت کے نبی کو حکم دیا کہ اس عورت کے کفن دفن کا انتظام کرو کیونکہ اس نے میرے ایک بندے کو گمراہ ہونے سے بچایا ہے۔ تو جو لوگ اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ پاک

انہیں ہر قسم کے گناہوں اور آلودگیوں سے بچا لیتا ہے اور پھر خود ہی ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴾ [12/یوسف: 25,29]

"اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے اور عورت نے ان کا کرتہ پیچھے سے پکڑ کر جو کھینچا تو پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاوند مل گیا۔ عورت بولی کہ جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے یوسف نے کہا اسی نے مجھ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ اس تنازعہ پر اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا ہے اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے جب اس کا کرتا دیکھا تو پیچھے سے پھٹا تھا۔ تب اس نے زلیخا سے کہا کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے بھاری ہوتے ہیں۔ یوسف! اس بات کا خیال نہ کر اور اے زلیخا تو اپنے گناہوں کی بخشش مانگ۔ بے شک خطا تیری ہی ہے۔"

یوسف علیہ السلام کو اللہ نے یہ شرف عطا فرمایا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"الكريم ابن الكريم ابن الكريم ابن الكريم يوسف بن يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم"

"کریم بن کریم بن کریم بن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن

ابراہیم ہیں۔"

[12/یوسف:24]

اللہ نے یوسف علیہ السلام کی چار پشتوں تک نبوت جاری فرمائی خود بھی نبی آپ کے باپ یعقوب علیہ السلام بھی نبی آپ کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام بھی نبی اور آپ کے پردادا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی نبی ہیں۔

ایک دفعہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص اسماء بن خارجہ آیا اس نے کہا: میں کریم لوگوں کا بیٹا ہوں تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کریم لوگوں کے بیٹے نہیں ہو وہ تو یوسف علیہ السلام تھے۔

ایک شخص عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میرا خاندان بہترین لوگوں پر مشتمل ہے میرے باپ دادا بہت عظیم تھے حضرت عمر نے کہا میں تمہارے آباؤ اجداد کو جانتا ہوں وہ سب گمراہ تھے اور جہنم میں گئے بہترین خاندان یوسف علیہ السلام کا تھا تم اشرار کی اولاد ہو اور وہ اخیار کی اولاد تھے۔

یوسف علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید نے بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے بعض عیسائی کہتے ہیں قرآن مجید نے یہ واقعہ بیان کیا ہے تو کون سی بڑی بات ہے یہی واقعہ تو کتاب مقدس میں بھی آتا ہے اور اس میں یہ تمام واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن اگر قرآن مجید اور کتاب مقدس میں اس واقعہ کا تقابل کریں تو قرآن مجید واضح اور شفاف طریقے سے اس کو بیان کرتا ہے اور ہر جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پاک قرار دیتا ہے اور ہر تہمت سے آپ کو بری قرار دیتا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں کتاب مقدس صرف ایک سیدھا سادا واقعہ بیان کرتی ہے اور اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام کا کردار بھی ایک عام آدمی جیسا تھا جس شخص نے قرآن مجید اور کتاب مقدس دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جان سکتا ہے کہ قرآن مجید کیسے حکیمانہ اور شفاف طریقے سے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرتا ہے۔ کہ یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے پھسلایا اور آپ نے اللہ کی پناہ مانگی اور بھاگ پڑے اور آپ کا کرتا پیچھے سے زلیخا نے کھینچا اور وہ پھٹ گیا اور دروازے پر عزیز مل گیا اور پھر فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچی ہے اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف سچا ہے کرتا دیکھ کر یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی ظاہر ہوگئی اور سب مان گئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پاکدامن ہیں۔

اس کے مقابلے میں کتاب مقدس میں ہے کہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا یوسف علیہ السلام بھاگے تو زلیخا نے آپ کا کرتہ پکڑ لیا اور یوسف علیہ السلام کا کرتا اتر کر زلیخا کے پاس چلا

گیا اور زلیخا نے آپ کا کرتا رکھ لیا اور جب عزیز عدالت سے واپس آیا تو اس کو کرتا دکھایا اور کہا کہ یوسف (علیہ السلام) مجھ سے بدی کرنا چاہتا تھا میں نے اسے روکا اور وہ اپنا کرتا چھوڑ کر بھاگ گیا عزیز کہنے لگا تو درست کہتی ہے وہ بدکردار شخص ہے۔

کتاب مقدس کی رو سے مجرم یوسف علیہ السلام ہی بنتے ہیں اور ان کے کرتے کے پھٹنے کا ذکر نہیں اور نہ ہی فیصلہ کرنے والے کا کوئی ذکر ہے۔

زنان مصر

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ مصر کی عورتوں کو پتہ چلا کہ زلیخا اپنے غلام پر عاشق ہوگئی ہے تو زلیخا نے عورتوں کو دعوت دی اور تکیئے لگا دیئے اور پھل اور چھریاں پکڑا دیں اور یوسف علیہ السلام کو بلایا تو جب انہوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگیں:

﴿فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ [12/یوسف:31]

"جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب حسن ان پر ایسا چھا گیا کہ پھل تراشتے تراشتے اپنے ہاتھ کاٹ لئے بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ یہ حُسن! یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔"

یہ ان عورتوں کی چال تھی اور قرآن مجید نے اسے ﴿كَيْدَهُنَّ﴾ کہا ہے یعنی ان عورتوں کی چال تا کہ یوسف علیہ السلام ان کی طرف مائل ہوں اور اس وقت یوسف علیہ السلام نے دعا کی:

﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ﴾

"یوسف نے کہا اے اللہ مجھے جس طرف یہ عورتیں بلاتی ہیں اس سے جیل زیادہ پسند ہے۔" [12/یوسف:33]

سب عورتیں یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف بلا رہیں تھیں لیکن یوسف علیہ السلام پھر بھی ان کے داؤ میں نہیں آئے اور فعل بد سے جیل کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس سے یوسف علیہ السلام کی سیرت کی بلندی اور شرافت ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں کتاب مقدس اس واقعہ کا ذکر ہی نہیں کرتی۔

جیل سے رہائی

قرآن مجید ذکر کرتا ہے جب بادشاہ کو خواب آیا تو بادشاہ نے خواب کی تعبیر پوچھی سب

نے کہا: ہمیں اس کی تعبیر معلوم نہیں تو یوسف علیہ السلام کے ساتھی نے جو جیل سے رہا ہو کر آیا تھا کہا کہ میں معلوم کر کے اس کی تعبیر بتا تا ہوں۔ تو جب اس نے خواب کی تعبیر یوسف علیہ السلام سے معلوم کر کے بادشاہ کو بتائی تو بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو بلایا لیکن یوسف علیہ السلام نے جیل سے نکلنے سے انکار کر دیا اور کہا جب تک عورتوں والا معاملہ صاف نہیں ہوتا میں جیل سے باہر نہیں نکلوں گا۔ بادشاہ نے عورتوں سے تحقیق چاہی انہوں نے کہا یوسف (علیہ السلام) سچا ہے ہم ہی اسے پھسلانا چاہتی تھیں اس وقت زلیخا نے بھی شہادت دی کہ یوسف (علیہ السلام) پاکدامن ہے میں نے ہی اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ جب یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی سب پر ظاہر ہوگئی تب یوسف علیہ السلام جیل سے باہر آئے۔

اس کے مقابلہ میں کتاب مقدس میں یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کے اظہار کا کوئی ذکر نہیں ہے اور اس میں صرف اتنا ہے کہ جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو بلایا تو آپ نے حجامت بنوائی اور بادشاہ کے دربار میں چلے گئے۔

ان واقعات کے تقابل سے پتہ چل جاتا ہے کہ قرآن مجید جگہ جگہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا ذکر کرتا ہے اور ہر جگہ یوسف علیہ السلام کے کردار کی بلندی ظاہر ہوتی ہے جب کہ کتاب مقدس صرف واقعہ بیان کرتی ہے اس سے بھی قرآن مجید کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن مجید جگہ جگہ انبیاء علیہم السلام کی عظمت بیان کرتا ہے اور ان پر جو جو تہمتیں بدبختوں نے لگائی ہیں ان کی برأت کرتا ہے۔ ہر عیب اور تہمت سے ان کا دامن پاک کرتا ہے۔ قرآن مجید ہی اب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے جس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ آپ خود قرآن مجید اور دوسرے صحائف کا مطالعہ کر کے اس کو جان سکتے ہیں اس سے آپ پر قرآن مجید کی عظمت آشکار ہوگی۔

جب یوسف علیہ السلام کو زلیخا نے برائی کی دعوت دی تو آپ دروازے کی طرف بھاگے زلیخا نے پیچھے سے کرتا پکڑا تو وہ پھٹ گیا۔ دروازے پر عزیز مل گیا اسی وقت زلیخا نے اپنا پینترا بدلا اور کہنے لگی یہ مجھ سے بدی کرنا چاہتا تھا اور عزیز کو غصہ دلانے کے لئے کہا:

﴿قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾

[12/یوسف:25]

”تو عورت بولی جو شخص تمہاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کر دیا جائے یا اسے دکھ کا عذاب دیا جائے۔“

یوسف علیہ السلام زلیخا کی یہ بات سن کر حیران رہ گئے کہ پہلے یہ خود مجھے برائی کی دعوت دیتی تھی لیکن الٹا الزام مجھ پر لگا دیا۔ آپ نے اسی وقت کہا:

﴿قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ﴾

[12/یوسف:26]

”حضرت یوسف نے کہا اسی نے مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔“

بات الجھ گئی زلیخا کہتی ہے یوسف مجھ سے برائی کا ارادہ رکھتا تھا اور یوسف علیہ السلام کہنے لگے کہ یہ عورت مجھے برائی کی دعوت دیتی تھی۔ پھر اس وقت فیصلہ کیا ہوا:

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

[12/یوسف:27]

”اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے فیصلہ کیا کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو یہ عورت جھوٹی اور وہ یوسف (علیہ السلام) سچا ہے۔“

یہ فیصلہ زلیخا کے خاندان کے ایک بزرگ نے دیا تھا جو عزیز کے ساتھ کچہری میں بیٹھا کرتا تھا۔ اس کے پاس مقدمات آتے تھے اور وہ فیصلے کرتا تھا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے پر الزام لگایا تو اس نے کہا جب دونوں انکاری ہیں تو پھر قرائن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے اور موقع محل دیکھ کر اس نے فیصلہ دیا کہ کرتا دیکھا جائے۔ اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف (علیہ السلام) جھوٹا اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف علیہ السلام سچے ہیں۔

﴿فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾

[12/یوسف:28]

”جب اس نے کرتا دیکھا تو پیچھے سے پھٹا تھا تب اس نے زلیخا سے کہا کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے بھاری ہوتے ہیں۔“

جب بات ظاہر ہوگئی کہ یوسف علیہ السلام کا کوئی قصور نہ تھا اور وہ پاک دامن تھا قصور زلیخا ہی کا تھا تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے کہا

﴿يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾

[12/یوسف:28]

”یوسف اس بات کا خیال نہ کر۔“

اور دوسری طرف زلیخا سے کہا:

﴿وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ﴾ [12/یوسف:29]

''زلیخا تو اپنے گناہوں کی بخشش مانگ بے شک خطا تیری ہی تھی۔''

کچھ لوگوں نے لکھا ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی وہ بڑا آدمی نہیں تھا بلکہ ایک بچہ تھا جس نے یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دی تھی۔ یہ بات غلط ہے۔ اگر وہ بچہ ہوتا تو پھر اتنا لمبا بیان دینے کی اور قرائن کی ضرورت ہی نہ تھی بچہ صرف یہ کہہ دیتا کہ یوسف سچا ہے اور اس پر فیصلہ ہو جاتا۔ پھر کرتا دیکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی جب کہ قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ اس نے قرائن سے فیصلہ کیا کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہے تو پھر زلیخا سچی ہے اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو یوسف سچا ہے اور پھر کرتا دیکھا گیا تو سب کو یقین آ گیا کہ یوسف علیہ السلام سچا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی تجربہ کار جج تھا جس نے فیصلہ کیا۔ بچے کے بولنے والی بات غلط ہے۔

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جھولے میں صرف تین (3) بچوں نے کلام کیا ہے۔ [1]

(1) ایک عیسیٰ علیہ السلام نے (2) دوسری جریج کے بارے میں بچے نے گواہی دی اور (3) تیسری ایک بچے نے جب وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا تو گھوڑے پر سوار ایک شخص گزرا، ماں نے کہا اے اللہ! میرے بچے کو اس شخص جیسا بنانا بچہ کہنے لگا: اے اللہ تعالیٰ مجھے اس جیسا نہ بنا! پھر ایک لونڈی گزری جسے لوگ مار رہے تھے اور کھینچ کر لے جا رہے تھے ماں نے کہا: اے اللہ میرے بیٹے کو ایسا نہ بنانا بچہ کہنے لگا اے اللہ تعالیٰ مجھے اس جیسا بنانا۔ ماں نے کہا: میں نے کہا تجھے اللہ اس شخص جیسا بنائے تو، تو نے کہا اے اللہ تعالیٰ مجھے اس جیسا نہ بنانا۔ اور میں نے کہا اللہ تعالیٰ تجھے اس لونڈی جیسا نہ بنائے تو نے کہا: مجھے اس لونڈی جیسا بنانا بچہ کہنے لگا وہ شخص ظالم تھا اور وہ لونڈی بے گناہ تھی لوگ اسے کہتے تھے کہ تو نے زنا کیا ہے حالانکہ اس نے زنا نہیں کیا تھا وہ مظلوم تھی اس لئے میں نے دعا کی اے اللہ مجھے اس جیسا بنانا''

جریج کا واقعہ یہ ہے کہ جریج ایک عبادت گزار شخص تھا اور اپنی عبادت گاہ میں اللہ کی عبادت کرتا تھا ایک دن اس کی ماں اسے ملنے کے لیے آئی۔ اس نے جریج کو آواز دی۔ جریج نماز

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاۃ ص:1118، ح:6509، صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ:922/2، ح:5199،

پڑھ رہے تھے انہوں نے جواب نہ دیا۔ اس نے اپنے دل میں کہا اے اللہ تعالیٰ! میں کیا کروں؟ نماز پڑھ رہا ہوں اور امی بھی بلا رہی ہے۔ آپ نماز پڑھتے رہے اور ماں کو کوئی جواب نہ دیا دوسرے دن پھر آپ کی والدہ آئی پھر اس نے آواز دی لیکن آپ اس وقت بھی نماز پڑھتے رہے اور ماں سے ملاقات نہ کی۔ اس وقت والدہ نے بددعا کی اے اللہ تعالیٰ اس کو موت نہ آئے جب تک یہ بدکار عورت کا چہرہ نہ دیکھ لے اور واپس لوٹ گئی۔ چنانچہ ایک بدکار عورت تھی وہ جریج کے پاس آئی، اپنے ساتھ بدکاری کی طرف مائل کرنا چاہا لیکن حضرت جریج نے اس عورت کو جھڑک دیا۔

وہ عورت باہر جنگل میں گئی وہاں ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا اس سے بدکاری کرائی جس سے حاملہ ہو گئی۔ جب بچہ پیدا ہوا تو لوگوں نے پوچھا یہ بچہ کس کا ہے۔ تو اس نے کہا جریج کا لوگ جریج کے پاس گئے اس کا عبادت خانہ گرا دیا اور اسے مارنے لگے جریج نے پوچھا کیا ہوا کچھ بات تو بتاؤ لوگ کہنے لگے تو نے عورت سے بدکاری کی ہے۔

جریج سمجھ گیا کہ یہ میری والدہ کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ اس نے کہا میرے پاس عورت اور بچے کو لے کر آؤ۔ جب وہ لے کر آئے تو جریج نے نماز پڑھی اور پھر بچے کے سر پر ہاتھ رکھا اور پوچھا تمہارا باپ کون ہے اس بچے نے جواب دیا فلاں چرواہا میرا باپ ہے۔ تب لوگوں پر جریج کی عظمت ظاہر ہوئی۔ انہوں نے جریج سے کہا ہم تمہارا عبادت خانہ سونے کا بنا دیتے ہیں جریج نے کہا نہیں مجھے مٹی کا ہی بنا دو۔

یہ تین بچے تھے جو جھولے میں بولے۔ لیکن ہمارے لوگوں کو شوق ہوا کہ کوئی اور بھی بچے تلاش کیے جائیں جنہوں نے جھولے میں کلام کیا ہو۔ کچھ نے سات کا اور کچھ نے گیارہ بچوں کا ذکر کیا جنہوں نے جھولے میں کلام کیا حالانکہ حدیث میں وضاحت تھی کہ جھولے میں صرف تین بچوں نے کلام کیا۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی جس نے گواہی دی تھی وہ بھی بچہ تھا۔

اور جو عورت فرعون کی بیٹی کی کنگھی کرتی تھی اس کا بھی بچہ بولا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ ماشطہ فرعون کی بیٹی کی کنگھی کیا کرتی تھی ایک دن کنگھی نیچے گر گئی اس نے بسم اللہ پڑھی اور کنگھی اٹھا لی فرعون کی بیٹی بولی اللہ کون ہے جس کا تو نے نام لیا ہے! ماشطہ نے کہا: وہ تیرا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔ بنت فرعون کہنے لگی کیا تو میرے باپ فرعون کو اپنا رب نہیں مانتی! اس نے کہا:

نہیں! اس نے کہا: کہ اس عقیدہ سے باز آجا! ورنہ میں اپنے باپ کو بتا دوں گی وہ کہنے لگی:
میں اس عقیدہ سے باز نہیں آسکتی۔ تب اس نے فرعون کو بتا دیا۔ فرعون نے لوہے کی دیگ
کو آگ پر گرم کیا جب وہ سرخ ہوگئی تو کہا: کہ مجھے رب مان لو ورنہ میں تیرے بیٹوں کو آگ میں
پھینک دوں گا! وہ کہنے لگی: میں تجھے رب نہیں مانتی تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرلے۔ اس نے ماشطہ
کے ایک بیٹے کو آگ میں پھینک دیا۔ دوسرے کو پھینکتے وقت اس نے پھر پوچھا وہ اپنے موقف پر
قائم رہی۔ فرعون نے اسی طرح اس کے تمام بیٹے آگ میں پھینک دیئے۔ جب آخری بچے کو
آگ میں پھینکنے لگے تو ماں ہچکچائی! لیکن بچہ بولا: ماں تو حق پر ہے اپنے موقف پر قائم رہو! تو فرعون
نے اسے بھی آگ میں پھینک دیا کہتے ہیں یہ بچہ بھی بولا، لیکن یہ واقعات غلط ہیں اور صحیح حدیث
سے ثابت نہیں ہیں۔

صحیح مسلم میں حدیث آتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے پہلی امتوں میں ایک
بادشاہ تھا اس بادشاہ کا ایک جادوگر تھا اور بادشاہ سمجھتا تھا کہ میری یہ بادشاہی اس جادوگر کی وجہ سے
چل رہی ہے۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو وہ بادشاہ سے کہنے لگا کہ میں اب بوڑھا ہوگیا ہوں
لہٰذا مجھے کوئی لڑکا مہیا کیا جائے جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکا منتخب کیا اور اس نے
جادوگر سے جادو سیکھنا شروع کردیا۔ چنانچہ وہ جادو سیکھتا رہا۔

جس راستے سے وہ لڑکا گزرتا تھا وہاں ایک راہب رہتا تھا۔ ایک دن وہ لڑکا راہب کے
پاس بیٹھ گیا تو اس کی باتیں اسے پسند آئیں اب وہ لڑکا ہر روز راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی
باتیں سنتا رہتا اور جادوگر کے پاس دیر سے پہنچتا۔ جادوگر دیر سے آنے کی وجہ سے اسے مارتا اور گھر
والے بھی اسے دیر سے آنے کی وجہ سے مارتے۔ اس لڑکے نے اس کی شکایت راہب سے کی۔
راہب کہنے لگا جب تو جادوگر کے پاس جائے تو اسے کہنا کہ گھر والوں نے دیر کردی اور گھر والوں
سے کہا کر کہ جادوگر نے دیر کردی۔ وہ لڑکا اسی طرح جادوگر کو بھی دیر سے آنے کی وجہ بتاتا رہا اور گھر
والوں کو بھی بتاتا رہا۔

ایک دن وہ جادوگر کے پاس جا رہا تھا راستے میں اس نے دیکھا ایک بہت بڑا جانور بیٹھا
ہے اس نے راستہ بند کر رکھا تھا ادھر والے ادھر نہیں جاسکتے تھے اور ادھر والے ادھر نہیں آسکتے تھے
اس لڑکے نے کہا آج میں دیکھ لوں گا کہ جادوگر سچا ہے یا راہب، اس نے کوئی چیز اٹھائی اور کہا اے
اللہ اگر راہب کا دین تیرے نزدیک جادوگر کے دین سے بہتر ہے تو یہ جانور اس چیز سے مر جائے

اس نے وہ چیز جانور کے ماری اور وہ جانور مر گیا اور لوگوں کے لئے راستہ کھل گیا۔

وہ لڑکا راہب کے پاس گیا اور اسے واقعہ بتایا راہب نے کہا آج تو مجھ سے بازی لے گیا
ہے۔ اب تیری آزمائش ہوگی اگر تیری آزمائش ہو اور تجھے تکلیف پہنچائی جائے تو میرے متعلق نہ
بتانا چنانچہ اس لڑکے کے پاس لوگ آنے لگے وہ اللہ سے دعا کرتا اور وہ ٹھیک ہوجاتے برص والے
مادر زاد اندھے اور بیمار ٹھیک ہوجاتے، اس کی شہرت عام ہوگئی۔ بادشاہ کا ایک نابینا وزیر تھا وہ بھی اس
کے پاس گیا اور لڑکے سے کہا مجھے ٹھیک کردو! تو لڑکا اس سے کہنے لگا میں ٹھیک نہیں کرتا بلکہ میرا اللہ
ٹھیک کرتا ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لے آئے تو میں تیرے لئے دعا کروں گا تو وہ تجھے ٹھیک کردے گا
چنانچہ وہ ایمان لے آیا لڑکے نے اس کے لئے دعا کی وہ ٹھیک ہوگیا جب وہ بادشاہ کے دربار میں گیا
بادشاہ نے دیکھا کہ اب وہ بینا ہے اس نے پوچھا تیری بینائی کیسے آگئی۔ اس نے کہا: میرے رب
نے مجھے بینائی عطا کی ہے اس نے کہا میں ہی تیرا رب ہوں۔ وہ کہنے لگا میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔

بادشاہ نے اسے قید کرلیا اور اسے تکلیفیں دینی شروع کردیں اس نے تکلیفوں کی وجہ سے
بتا دیا کہ مجھے فلاں لڑکے نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کی دعوت دی اور اس کی دعا کی وجہ سے میری بینائی
درست ہوئی۔ اس لڑکے کو بھی پکڑ لیا گیا۔ بادشاہ نے اس سے کہا اب تو اچھا جادوگر بن گیا ہے جس
کی وجہ سے تو لوگوں کی بیماریاں دور کرتا ہے۔ لڑکا کہنے لگا یہ جادو کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ یہ سب
کچھ میرا رب کرتا ہے۔ بادشاہ نے کہا میرے علاوہ بھی تمہارا کوئی رب ہے لڑکا کہنے لگا میرا اور تمہارا
رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے اس لڑکے کو بھی قید کردیا اور اسے اذیت دینی شروع کردی حتیٰ کہ لڑکے
نے راہب کے متعلق بتا دیا اس راہب کو بھی پکڑ لیا گیا ان تینوں کو تکلیفیں دینی شروع کردیں اور
انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان چھوڑنے کو کہا گیا۔ انہوں نے کہا بادشاہ تو جو کچھ کرسکتا ہے کرلے ہم اللہ تعالیٰ پر
ایمان نہیں چھوڑ سکتے۔

بادشاہ نے کہا ان تینوں کو الگ الگ طریقے سے قتل کردیا جائے راہب کو پکڑ کر اس کے سر
میں آرا چلا دیا گیا اور اس کے دو ٹکڑے ہوگئے وزیر کو بھی کسی دوسرے طریقے سے قتل کردیا گیا۔ بادشاہ
نے کہا اس لڑکے کو پہاڑ کی کسی اونچی چوٹی پر لے جاؤ اگر یہ ایمان سے باز آجائے تو واپس لے آنا ورنہ
اسے چوٹی سے نیچے گرا دینا چنانچہ کچھ سپاہی اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے اور اسے ایمان چھوڑنے کو کہا
لڑکے نے انکار کردیا وہ اسے گرانے لگے تو لڑکے نے دعا کی:

"اللهم اکفینهم ما شئت"

"اے اللہ ﷻ جیسے تو چاہے ان کے مقابلہ میں مجھے کافی ہو جا۔"

پہاڑ کو زلزلہ آیا اور سب سپاہی پہاڑ سے نیچے گر کر ہلاک ہو گئے اور وہ لڑکا بچ گیا وہ لڑکا واپس بادشاہ کے پاس آیا بادشاہ نے پوچھا: سپاہیوں کا کیا ہوا؟ لڑکا کہنے لگا: میرے اللہ ﷻ نے ان کو ہلاک کر دیا، بادشاہ نے پھر سپاہیوں سے کہا کہ اس لڑکے کو کشتی میں دریا کے درمیان لے جاؤ اگر یہ ایمان سے باز نہ آئے تو اسے دریا میں پھینک دینا سپاہی لڑکے کو لے کر گئے انہوں نے ایمان چھوڑنے کو کہا لڑکے نے انکار کر دیا۔ وہ دریا میں پھینکنے لگے لڑکے نے پھر دعا کی:

"اللهم اکفینهم ما شئت"

"اے اللہ جیسے تو چاہے ان کے مقابلہ میں مجھے کافی ہو جا۔"

اسی وقت دریا میں طوفان آیا سپاہی غرق ہو گئے اور لڑکا بچ گیا وہ پھر بادشاہ کے پاس آیا بادشاہ نے پھر پوچھا؟ سپاہیوں کا کیا ہوا! لڑکا کہنے لگا: میرے اللہ ﷻ نے سب کو ہلاک کر دیا، بادشاہ نے پھر اور سپاہیوں کو لڑکے کو ہلاک کرنے کا حکم دیا۔ لڑکا کہنے لگا: تو مجھے قتل نہیں کر سکتا صرف اسی طریقے سے قتل کر سکتا ہے جو میں تجھے بتاؤں بادشاہ نے پوچھا وہ کونسا ہے؟ لڑکا کہنے لگا ایک میدان میں لوگوں کو جمع کر اور ان کے سامنے مجھے کھجور کے ساتھ باندھ اور میرے تھیلے سے ایک تیر لے اور یہ کہہ کر مجھے تیر مار، میں اس لڑکے کے رب کے نام سے اسے تیر مارتا ہوں۔ اس طرح تو مجھے قتل کر سکتا ہے۔

بادشاہ نے لوگوں کو جمع کیا۔ لڑکے کو کھجور کے ساتھ باندھا اور ایک تیر لیکر کہا! میں اس لڑکے کے رب کے نام سے تیر مارتا ہوں پھر تیر چلایا۔ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا اور وہ لڑکا شہید ہو گیا۔ سب لوگ اللہ ﷻ پر ایمان لے آئے بادشاہ کو سپاہیوں نے بتایا کہ جس چیز سے تو ڈرتا تھا وہی ہوئی! سب لوگ ایمان لے آئے ہیں بادشاہ نے خندق کھودنے اور اس میں آگ جلانے کا حکم دیا جب یہ سب کچھ ہو گیا بادشاہ نے حکم دیا جو اللہ کو چھوڑ کر مجھ پر ایمان لے آئیں اسے چھوڑ دینا باقی سب کو آگ میں پھینک دینا اسی طرح کیا گیا جو بادشاہ پر ایمان لاتا اسے چھوڑ دیتے اور جو انکار کرتا آگ میں پھینک دیتے۔ اسی طرح وہ کرتے رہے۔

حتیٰ کہ ایک عورت کی باری آئی اس کے ساتھ ایک بچہ تھا جب بچے کو آگ میں پھینکنے

لگے ماں ہچکچائی! اس وقت بچہ بولا: ماں! ہچکچاؤ نہیں تو حق پر ہے۔ انہوں نے اسے بھی آگ میں پھینک دیا۔" [1]

اس واقعہ میں آتا ہے کہ بچہ بولا اور یہ حدیث صحیح بھی ہے اس حدیث پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس میں بھی بچہ بولا اور حدیث میں ذکر ہے کہ صرف تین بچے جھولے میں بولے تو پھر اس حدیث کا کیا جواب ہے؟ اس حدیث میں بچے کا ذکر ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ جھولے میں تھا بلکہ وہ بڑا ہو چکا تھا اور دوسری حدیث میں صرف جھولے والے بچوں کا ذکر ہے کہ صرف تین بچوں نے جھولے میں کلام کیا اس کے علاوہ جو بچے بڑے ہو چکے ہوں ان کا حدیث میں ذکر نہیں ہے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جھولے میں صرف تین بچے بولے ہیں جس کا حدیث میں ذکر ہے، ایک اور حدیث جو صحیح مسلم میں ہے اس میں بھی بچے کے بولنے کا ذکر آتا ہے لیکن وہ جھولے میں نہیں تھا۔ اس کی عمر زیادہ تھی وہ اس حدیث کے خلاف نہیں اس کے علاوہ جن بچوں کا ذکر کیا جاتا ہے وہ سب ضعیف روایات اور موضوع ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام مریم علیہا السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن میں بولے ہیں یہ روایات ضعیف اور موضوع ہیں۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری [3] میں لکھتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں مبارک الیمامۃ بھی بچپن میں بولے ہیں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابۃ [4] میں یہی واقعہ لکھا ہے: کہ" جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج پر گئے تو یمامۃ کے وفد سے آپ کی ملاقات ہوئی ان میں ایک آدمی کے پاس ایک بچہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا: آپ اللہ کے رسول ہیں!

لیکن وہ بچہ بھی بچپن میں نہیں بولا اس کے بعد خود حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: معرض نے یہ قصہ سنایا ہے وہ اور اس کا استاذ مجہول ہیں لیکن فتح الباری میں اس واقعہ کے بعد کوئی تنقید نہیں کی اور اس کو غلط قرار دینا بھول گئے۔

قرآن کریم ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے اور حدیث اس کی تفسیر ہے جو صحیح سند سے ثابت

....

[1] صحیح مسلم

[2] سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ: 2/271، 880

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم: 6/480،

[4] ص: 8128،

ہو جائے اس میں کوئی اشکال نہیں اگر آپ قرآن مجید اور دوسری یہود و نصاریٰ کی کتب کا مطالعہ کریں تو آپ کو قرآن مجید سراسر حکمت کا سرچشمہ نظر آئے گا اس کے مقابلے میں دوسری کتب میں غیر ضروری باتیں تو درج ہوں گی لیکن جو واقعہ کی اصل جان ہوگی وہ ان میں درج نہیں اس لئے ہر مدرسہ میں یہ اہتمام ہونا چاہئے کہ جہاں قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے وہاں تورات و انجیل پڑھائی جائے تاکہ طلبہ پر قرآن مجید کی عظمت ظاہر ہو۔

عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے: ''وہ تورات کا ایک ورق لے کر آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھا آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور آپ نے ناراضگی کا اظہار کیا'' یہ روایت ضعیف ہے۔

جب تک حق و باطل آمنے سامنے نہ ہو حق کی عظمت ظاہر نہیں ہو سکتی یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اس وقت ہمارے پاس قرآن مجید موجود ہے جو ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے اس میں ہر چیز کا ذکر صاف اور شفاف طریقے سے موجود ہے اور یہود نے جو خرافات دین کے نام پر پیش کی تھیں قرآن مجید نے ان سب کی صفائی کر دی اللہ پاک ہم سب کو قرآن مجید سے تعلق قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

''مسلمانوں میں جو جلیل القدر اور عالی مرتبت شخصیتیں گزری ہیں ان میں سرفہرست ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن عثمان تھا۔ ان کا تعلق قریش کی شاخ بنو تمیم سے تھا۔ آٹھویں پشت پر ان کا سلسلہ نسب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ اسلام لانے سے قبل ہی ان کا شمار قریش کے لائق احترام لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ بلند اخلاق، نہایت عاقل، معاملہ فہم اور نرم مزاج تھے۔ خون بہا اور دیتوں کے تمام مقدمات ان کے سامنے پیش ہوتے اور ان کے فیصلے قریش کے لئے قابل قبول ہوتے تھے۔ سخاوت، جود و مروت، ہمدردی ان کی شخصیت کا حصہ تھیں۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اہل مکہ شراب کے عادی تھے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی شراب نہیں پی۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل ہے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو اسلام کے لئے وقف کر دیا اور تیئیس (23) سال تک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ انتہائی جاں نثاری کے ساتھ نبھایا۔ جب اسلام قبول کیا تو ان کا شمار مکّہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنی دولت کو اسلام کے لئے وقف کر دیا۔

بلال رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ جیسے غلاموں نے اسلام قبول کیا تو ان کے مالکوں نے ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ انہیں تپتے ہوئے پتھروں پر لٹایا جاتا اور زدو کوب کیا جاتا۔ ایسے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا۔ انہی خدمات کی بناء پر آپ کا شمار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتہائی قریبی ساتھیوں میں ہوتا ہے۔ آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشیر خاص تھے۔ آپ نے اپنے آپ کو اسلام کے قلب میں کس طرح ڈھالا اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔

ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا کوئی ہے جس نے آج (نفلی) روزہ رکھا ہو؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میں نے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کوئی ہے جس نے آج کسی جنازے میں شرکت کی ہو؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میں نے۔ آپ نے پوچھا کوئی ہے جس نے آج مسکین کو کھانا کھلایا ہو؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یارسول اللہ! میں نے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

پوچھا کوئی ہے: جس نے آج کسی مریض کی عیادت کی ہو؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یارسول اللہ! میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ نیکیاں اکٹھی ہو جائیں وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا جس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اتنا خیال رکھا ہو اس کے جنت میں داخلے میں شک ہو سکتا ہے؟۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جو شخص کوئی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا وہ بہشت کے دروازے سے یوں بلایا جائے گا: فرشتے کہیں گے اللہ کے بندے ادھر آ! یہ دروازہ بہت اچھا ہے۔ [1]

اس طرح زیادہ نوافل پڑھنے والے نماز کے دروازے سے، مجاہد جہاد کے دروازے سے، اور جو روزہ دار ہوگا وہ روزے کے دروازے سے جس کا نام ریان ہے بلائے جائیں گے یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جو کوئی ایک ہی دروازے سے بلایا جائے گا اسے بھی تکلیف نہ ہوگی لیکن یارسول اللہ! کوئی ایسا بھی ہوگا جو تمام دروازوں سے بلایا جائے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نَعَمْ وَاَرْجُو اَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ يَا اَبَابَكْرٍ''

''آپ نے فرمایا: ہاں! ابوبکر مجھے امید ہے کہ تم انہی لوگوں میں ہوگے۔''

ایسا بلند اور عظیم المرتبت انسان جس کے بارے میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے دنوں میں ارشاد فرمایا:

''فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبَا بَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهٗ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابَ اَبِيْ بَكْرٍ''

''رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سب لوگوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان مال و دولت اور صحبت کی رو سے مجھ پر زیادہ ہے اور اگر میں اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا البتہ اسلام کا بھائی چارہ اور محبت ان سے ہے۔ دیکھو! مسجد میں سب کے دروازے بند کر دیئے جائیں صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے۔ [2]

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر بعد النبی ص:751، ح:3666،
[2] صحیح بخاری کتاب المناقب باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدوا الابواب الا باب ابی بکر ص:748، ح:3654،

یہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ہے کہ انہوں نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت اپنے ایسے ساتھی کو خراج تحسین پیش کیا جس نے رفاقت کا حق ادا کر دیا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ باتیں سن کر رو پڑے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ یہ تو اللہ کی مہربانی ہے کہ اس نے مجھے اپنے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ رموز خودی میں فرماتے ہیں:

آں امن الناس مولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما

ہمارے آقا اور مولا پر سب سے زیادہ احسان جس شخص کے ہیں وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں انہیں سب سے پہلے اسلام کی دعوت قبول کرنے کا شرف حاصل ہے۔

ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے وہ ناراض نظر آ رہے تھے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لگتا ہے تمہارے صاحب کسی سے لڑ کر آئے ہیں اس موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ان اللہ بعثنی الیکم فقلتم کذبت وقال ابوبکر صدق وواسانی بنفسه وماله فهل انتم تارکوا لی صاحبی مرتین فما اوذی بعدها''

''لوگو! اللہ نے مجھ کو تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا لیکن تم نے مجھے جھوٹا کہا ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنے مال و جان سے میرا ساتھ دیا تم میرے دوست کو ستانا چھوڑتے ہو یا نہیں؟'' آپ کے اس ارشاد کے بعد کسی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں ستایا۔'' [1]

ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے ابوبکر عمر عثمان رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اتنے میں پہاڑ کو جنبش ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''احد ٹھہر جا!''

((فَاِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيْقٌ وَشَهِيْدَانِ)) [2]

''تم پر نبی کھڑا ہے یا صدیق یا دو شہداء کھڑے ہیں۔''

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص:750، 3661،
[2] صحیح بخاری کتاب المناقب باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص:753، ح:3675، 3676،

بدقسمتی سے اب لوگوں نے تاریخ پڑھنا چھوڑ دی ہے۔ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ ہمارے اسلاف میں کیسے کیسے گوہر بے بہا پیدا ہوئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت اور کسب فیض سے وہ شرف انسانی کے ایسے پیکر میں ڈھل گئے کہ قیامت تک کے لئے ان کی شخصیت مشعل راہ ہے۔ انہوں نے خلافت راشدہ کے ذریعے حکومت کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود ان کی عظمت گہنائی نہیں۔ انہوں نے مسند حکومت پر بیٹھ کر فقیری کا ایسا اسوۂ قائم کیا کہ وہ مسلمانوں کے اجتماعی شعور کا حصہ بن گیا۔ آج بھی لوگوں کی یہی خواہش ہے کہ خلافت راشدہ کا زریں دور واپس آئے کہ ایک عام آدمی عمر بن خطاب جیسے باجروت حکمران کو کہہ سکے کہ اگر تم راہ راست سے ہٹ گئے تو ہم تمہیں تلوار سے سیدھا کر دیں گے۔

چیست تاریخ اے زخود بیگانہٴ
داستانے قصہٴ افسانہٴ

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تاریخ کوئی افسانہ یا داستان نہیں بلکہ وہ ہمیں قوموں کے عروج وزوال اور اتار چڑھاؤ سے آگاہ کرتی ہے کہ کون سے کاموں سے قومیں عروج حاصل کرتی ہیں اور کن بدعملیوں سے تنزل اور پستی کا شکار ہوتی ہیں۔ یہ سبق فراموش کر دئے جانے والا نہیں ہے کہ ہم نے تاریخ کے کس موڑ پر کیسے ٹھوکر کھائی تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کے بہت سے حصے میں تاریخ بیان کی ہے قرآن پاک نیک یا بد لوگوں کے واقعات سے بھرا پڑا ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے موقعہ پر مدینہ آنے سے پہلے چار دن قبا میں قیام کیا تھا۔ وہیں آپ نے اسلام کی سب سے پہلی مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد کے بارے میں آپ نے فرمایا جو شخص اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھے اسے بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کا ثواب ملے گا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہفتے وہاں تشریف لے جاتے اور وہاں رہنے والے قبیلہ بنی عمر بن عوف کے لوگوں میں کچھ وقت گزارتے جو بنی خزرج کی ایک شاخ تھی۔

ایک دن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ بنی عمر کے دو گروہوں میں جھگڑا ہو گیا ہے۔ آپ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان میں صلح کرانے کیلئے گئے اور حضرت بلال سے کہہ گئے کہ اگر میں لیٹ ہو جاؤں تو ابوبکر سے کہنا: کہ نماز پڑھا دیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہاں دیر ہو گئی۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ نماز پڑھائیں! رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا حکم دے گئے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی۔ اتنی دیر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تشریف لے آئے۔ پیچھے سے لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متوجہ کرنے کے لئے اللہ اکبر کہا: مگر حضرت ابوبکر صدیق خشوع وخضوع سے نماز پڑھاتے تھے اس لئے انہیں خبر نہ ہوئی۔

جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی صف میں پہنچے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں۔ آپ پیچھے ہٹنے لگے تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ کیا کہ نماز پڑھاتے رہیں۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ کر پہلی صف میں کھڑے ہو گئے۔ وہیں کھڑے ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ یا اللہ تیرا مجھ پر کتنا فضل اور رحمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اتنا اکرام بخش رہے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی نماز کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے تمہیں اشارہ نہیں کیا تھا کہ امامت جاری رکھو پھر تم پیچھے کیوں ہٹ گئے؟۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا مجال کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہوں اور وہ آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے! یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت کا ایک نمونہ تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود انہیں اعزاز بخش رہے تھے لیکن انہوں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام میں آگے کھڑے ہونا گوارا نہ کیا۔ [1]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ساتھیوں کی عظمت اور شان بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جس صحابی نے بھی اسلام کی ترویج اور ترقی میں جتنا حصہ لیا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی صلاحیت اور کارگزاری کا اتنا ہی اجر اسے لوٹا دیا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث مبارکہ میں **شیخین** رضی اللہ عنہما کی عظمت بیان کی ہے اسے پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے "**ابوبکر عمر سید اکھول اهل الجنة من الاولین والاخرین الا النبیین والمرسلین**" "ابوبکر وعمر جنت میں نبیوں اور رسولوں کے علاوہ تمام ادھیڑ عمر لوگوں کے سردار ہیں اگلی امتوں اور قیامت تک آنے والے لوگوں میں جتنے بھی لوگ جنت میں جائیں گے ان کے سردار ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما ہوں گے۔" [2]

اسی طرح نوجوانوں کے سردار حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو قرار دیا۔ یہ عظمت اور بلند مرتبہ انہیں

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الاذان باب من دخل لیوم الناس فجاء الامام الاول:167/2، حدیث:684،

[2] صحیح الجامع الصغیر :71/1، سلسلة الاحادیث الصحیحة ح:824، مشکوٰۃ مترجم صادق خلیل باب مناقب ابی بکر وعمر:181/5، ح:6059،

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی وجہ سے ملا۔ دین کا مغز اور خلاصہ یہی ہے کہ آدمی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دل وجان سے زیادہ عزیز رکھے۔ قیامت کے روز کسی کے دل میں جس قدر رسول اللہ سے محبت ہوگی اسے اتنا ہی بلند مرتبہ ملے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے پوچھا تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس شخص نے کہا کچھ نہیں۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: بس تو قیامت کے دن ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت کرتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ جواب سن کر ہم اتنا خوش ہوئے کہ ویسے خوش ہم کبھی نہیں ہوئے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں مجھے امید ہے کہ اس محبت کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا، گو میں ان جیسے عمل نہیں کر سکا۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب مسلمانوں کے خلیفہ منتخب ہو گئے تو حسب سابق تجارت کرتے رہے۔ مگر خلافت کی ذمہ داریاں بڑھیں تو اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کہ آپ تجارت کو ترک کر دیں! بیت المال سے آپ کا وظیفہ مقرر کر دیتے ہیں۔ وہ وظیفہ اتنا کم تھا کہ اس سے بمشکل گزر اوقات ہو سکتی تھی۔ اس کے باوجود اس بات کا خیال تھا کہ بیت المال کی بہت رقم مجھ پر خرچ ہو رہی ہے۔ ایک دن اپنی بیوی سے کہا کیا حلوہ تیار ہو سکتا ہے بیوی نے کہا اگر میں کچھ کفایت کروں تو چند دن بعد اتنی رقم جمع ہو جائے گی کہ حلوہ تیار ہو سکے۔ انہوں نے کہا جس دن روزینے میں سے اتنی رقم جمع ہو جائے کہ حلوہ تیار ہو سکے اس دن مجھے بتانا۔ بیوی نے روز پیسہ پیسہ بچا کر کئی دن بعد کہا اتنی رقم جمع ہوگئی ہے کہ حلوہ تیار ہو سکتا ہے۔ آپ نے بیوی سے وہ رقم لے کر بیت المال میں جمع کرا دی اور آئندہ کے لئے سیکرٹری کو ہدایت کر دی کہ میرا وظیفہ کم کر دیا جائے۔

وفات کے وقت ڈھائی سال کے وظیفہ کا حساب کیا تو تقریباً ہزار درہم۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہدایت کی کہ میری وفات کے بعد ہزار درہم ایک اونٹنی ایک غلام ایک پیالہ اور چادر بیت المال کی ملکیت ہے۔ یہ عمر کو واپس کر دیا جائے جب یہ رقم اور سامان عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا تو عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا: اے ابوبکر! تو نے بعد میں آنے والے خلفاء کو مشکل میں ڈال دیا۔ پوری انسانی تاریخ میں ایسی مثال مشکل سے ملے گی۔ ورنہ لوگ حکمران بن کر عیش کرتے ہیں۔ ڈھائی سال کا کل وظیفہ ہزار درہم بنا۔ ملوکیت کے دور میں اس سے زیادہ رقم مسلمان حکمران ایک دن میں اپنے اوپر

خرچ کر دیتے تھے۔

صحابی رسول معیقب دوسی رضی اللہ عنہ آپ کے منشی تھے۔ سارا حساب کتاب وہی رکھتے تھے۔ وفات کے وقت ان کو بلایا اور پوچھا کہ جو خرچ تم کرتے ہو اس میں سے کوئی رقم میری طرف تو نہیں نکلتی۔ اس نے بتایا کہ بیس درہم آپ کی طرف نکلتے ہیں، میں نے معاف کئے آپ نے فرمایا: کہ نہیں تم بیس درہم لے لو! میں دنیا سے کسی کا احسان لے کر نہیں جانا چاہتا۔

وفات کے وقت بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جو چادریں میرے اوپر ہیں انہیں دھو کر ایک اور چادر ساتھ ملا کر مجھے کفن پہنا دینا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ابا جان! ہم اتنے تنگدست نہیں کہ نیا کفن نہ خرید سکیں۔ فرمایا: بیٹی! ایسا نہ کرنا۔ کفن تو چند دن بعد خون اور پیپ سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ نئے کپڑے پہننے کا زیادہ حق زندہ شخص کو ہے۔

ایک اور بات جس کی وضاحت ضروری ہے۔ مؤرخین نے عمر رضی اللہ عنہ کی جانشینی کے مسئلے کو بہت اختصار سے بیان کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا تھا بعد میں یزید کی جانشینی کیلیے بھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کو بطور مثال بیان کیا گیا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اسلام کے لئے عمر رضی اللہ عنہ کی خدمات سے انکار نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا تو مسلمانوں کو تقویت ملی۔ آپ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی ساتھیوں اور مشیروں میں سے تھے۔ اور دوسری بات یہ کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی کوئی رشتہ داری نہ تھی۔

الامامۃ والسیاسۃ میں ابو محمد عبداللہ بن قتیبہ دینوری لکھتے ہیں وفات کے وقت حضرت ابوبکر اپنے جانشین کے بارے میں بہت متفکر تھے انہیں اس بات کا خدشہ تھا کہ ان کی وفات کے بعد خلافت کا سلسلہ وجہ نزاع نہ بن جائے جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد انصار اور مہاجرین میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ نزاع سے بچنے کے لئے ابوبکر کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتے تھے۔ یہ معاملہ چونکہ بہت اہم تھا اس لئے آپ نے مہاجرین اور انصار میں سے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ اگر آپ مجھ پر یہ ذمہ داری ڈالنا چاہتے ہیں تو میں کسی اچھے آدمی کو منتخب کروں گا ورنہ یہ ذمہ داری قبول کر لو کہ میرے بعد کسی موزوں شخص کو منتخب کر لو گے۔ ان سب نے جواب دیا کہ ہم نے ساری زندگی آپ کی دیانت اور امانت پر بھروسہ کیا ہے اس لئے یہ ذمہ داری بھی آپ پوری کریں۔ جس شخص کو بھی آپ نامزد کریں گے اسے ہم دل و جان سے قبول کریں گے۔ اس کے بعد آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔ اس کے لئے جو وصیت

لکھوائی اس کا آغاز اس بات سے کیا۔

یہ وہ وصیت ہے جو ابو بکر بن ابو قحافہ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت لکھوائی یہ وقت ہے جب بڑے سے بڑا منکر بھی ایمان لے آتا ہے اور جھوٹے سے جھوٹا شخص بھی سچ بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میں اپنے بعد عمر بن الخطاب کو تمہارا خلیفہ مقرر کرتا ہوں تم اس کی اطاعت کرو۔ آپ نے مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا۔ خود بالا خانے پر تشریف لے گئے ان کی اہلیہ اسماء بن عمیس رضی اللہ عنہا نے انہیں تھام رکھا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرنے کے بعد فرمایا:

لوگو! میں نے عمر بن الخطاب کو تمہارا خلیفہ نامزد کیا ہے اپنے علم اور بصیرت کی بناء پر مجھے یہ انتخاب درست معلوم ہوا۔ اگر اس نے عدل کیا تو میرا اس کے بارے میں یہی گمان اور یقین ہے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو قیامت کے دن ہر شخص اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہوگا تم اسے قبول کرو گے؟ تمام لوگوں نے بیک زبان جواب دیا ہم نے قبول کیا اور ہم اس کی اطاعت کریں گے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ انتخاب کتنا بابرکت ثابت ہوا تمام لوگ اس کے معترف ہیں۔ [1]

اس لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے تین شخص ایسے ہیں جن کا اندازہ غلط نہیں ہوا۔ پہلے عزیز مصر جب یوسف علیہ السلام کو خرید کر لایا تو اپنی بیوی سے کہا کہ اس کی اچھی تعلیم وتربیت کرنا جوان ہو کر یہ ہمارے لئے بھلائی کا سبب ہوگا۔ اس کی فراست نے اسے دھوکا نہیں دیا اس کا خیال درست ثابت ہوا۔ اور اس گھرانے کیلئے عزت اور سرخروئی کا باعث بنا۔ دوسرا وہ لڑکی جس نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ حضرت موسیٰ کو اپنے پاس رکھ لیں۔ [2]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا چار عورتیں سب سے افضل ہیں۔ ان میں آسیہ، مریم بنت عمران، خدیجہ رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ [3]

اور تیسرے ابو بکر رضی اللہ عنہ جنہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے بعد فرمایا کہ میرا گمان اور یقین ہے کہ یہ انتخاب مسلمانوں کے لئے بھلائی کا باعث ہوگا۔ آپ کا اندازہ بھی درست ثابت ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دس سالہ دور خلافت مسلمانوں کے لئے عزت اور غلبے کا زمانہ تھا۔ ان کے دور میں مسلمانوں کو جو عروج اور دبدبہ ملا پھر کبھی کسی کو حاصل نہ ہوا۔ امید ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی حصہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دین کی کتنی سمجھ بوجھ دی

[1] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ
[2] مستدرک للحاکم: 346/2،
[3] فتح الباری کتاب مناقب الانصار: 135/4،

تھی، اس کا اندازہ نماز جنازہ کی اس دعا سے ہوتا ہے جو وہ جنازے میں پڑھا کرتے تھے۔ یہ دعا انتہائی مختصر ہونے کے باوجود اتنی جامع ہے کہ اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنی حکمت اور فراست دی تھی۔

"اللهم عبدك اسلمه الاهل والآل و العشيرة والذنب عظيم وانت الغفور الرحيم"

"یا اللہ تیرا یہ عاجز بندہ جس کا ساتھ اس کے گھر والوں اور رشتہ داروں نے چھوڑ دیا اس شخص نے زندگی میں بہت گناہ کیے ہیں اور تو بخشنے والا مہربان ہے۔"

حالانکہ اس دعا میں یہ نہیں کہا کہ اسے بخش دے، صرف اللہ کی صفات کہ وہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے، کہہ دیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی امیر آدمی کے پاس جا کر کوئی سائل کہہ دے کہ تو بہت سخی ہے اگر اس کی یہ صفت درست ہوئی تو وہ سمجھ جائے گا کہ یہ شخص مجھ سے کوئی امداد چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات تو حقیقی اور اس کی ذات کا لازمہ ہیں۔ اس کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ کہ وہ پکارنے والے پر رحم نہیں کرے گا، کفر ہے؟ حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں جو دعا کی:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾

[21/الانبیاء:87]

"تیرے سوا کوئی حاجت روا نہیں تو پاک اور بے عیب ہے میں قصوروار ہوں۔"

اس میں یونس علیہ السلام نے اللہ کی حاجت روائی کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ تو پاک اور بے عیب ہے۔ میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا ہے۔ اس میں یہ نہیں کہا کہ میری مشکل حل کر اور مجھے مچھلی کے پیٹ سے نکال۔ اسی طرح ایوب علیہ السلام نے بھی یہی کہا کہ یا اللہ بیماری نے بہت تنگ کیا ہے اور تو سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بوقت وفات اپنی بیوی اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو بلایا اور وصیت کی کہ مجھے غسل تو نے دینا ہے عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہ تمہاری مدد کرے گا۔ انہوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو غسل دیا۔ سردی کے دن تھے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے نفلی روزہ بھی رکھا ہوا تھا۔ غسل کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: کہ میں نے غسل دیا ہے سردی بہت ہے اور میرا روزہ بھی ہے کیا مجھ پر غسل فرض ہے؟ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ "جو میت کو غسل دے بعد میں خود غسل

کرے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا یہ غسل فرض نہیں ہے۔ صرف مستحب ہے صرف وضو کر لے۔

وقت وفات عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس تھیں انہوں نے باپ کی حالت نزع دیکھ کر حاتم کا یہ شعر پڑھا

نعیک ما یغنی الثراء عن الفتی
اذا حشرت یوما وضاق بها صدر

''جب نزع کی کیفیت ہوتی ہے اور سانس نہ آنے کی وجہ سے سینہ گھٹنے لگتا ہے تو دولت انسان کے کام نہیں آتی۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا شعر کی بجائے قرآن کی یہ آیت پڑھو:

﴿وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ﴾

''موت کی بے ہوشی سچ مچ آ گئی ہے یہی وہ حالت ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔''

[50ق:19]

اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ساتھیوں رضی اللہ عنہم پر دعا ہے کہ اللہ ہم سب کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا عشق رسول عطا فرمائے۔ آمین

''ہم نے انسان کو بہت اچھی ساخت میں پیدا کیا ہے مگر اس نے اپنے آپ کو پستی میں ڈال دیا مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کیلئے بے انتہا اجر ہے۔''

سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کے بت توڑنے کے واقعہ کے بارے میں جانتے ہیں کہ انہوں نے بت خانے میں جا کر تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ سے توحید کا نکتہ بیان کیا ہے۔

صنم کدہ ہے جہاں مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

اس میں ابراہیم علیہ السلام کو علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے ورنہ ہر شخص کے سامنے بت خانہ موجود ہے۔ بلکہ یہ ساری دنیا ہی بت کدہ ہے۔ کہیں دولت واقتدار کے بت ہیں۔ کہیں رسم و رواج کے بت ہیں اور کہیں برادری کے بت ہیں۔ مومن وہی ہے جو ان تمام بتوں کو اپنے پاؤں تلے روند کر اللہ کے احکام کو مانتا ہے۔ جو ان بتوں سے اپنا دامن بچا کر اپنے قلب سلیم کے ساتھ اللہ کے دربار میں حاضر ہو جائے گا، وہی کامیاب ہے۔ اگر ہم اپنے اردگرد دیکھیں تو زیادہ لوگ اس صنم کدے میں گرفتار نظر آئیں گے ابراہیم علیہ السلام کی طرح خالص اللہ کی بندگی کرنے والے بہت کم ہیں۔

لَآ اِلٰـــہ کا نچوڑ اور خلاصہ یہی ہے کہ بندہ اپنی زندگی اس طرح گزارے۔ جب وہ اللہ عزوجل کی عدالت میں پیش ہو۔ جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: کہ وہاں کسی کی سفارش کام دے گی نہ اس کا مال ودولت فائدہ دے سکے گا۔ خدا کو صرف بے داغ دل درکار ہے جس میں اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کی محبت نہ ہو۔ دنیا سے بھی محبت وہی کارآمد ہوگی جو اللہ کی رضا کے لئے ہوگی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ

کفِ خاکے کہ دارم ، از محبت کیمیا سازم
کہ فردا چُورسَم پیشِ تو ، ازمن ارمغاں خواہی

یاالٰہی! تو نے مجھے جومشت خاک دی تھی میں محبت کے ذریعے اسے سونا بنا رہا ہوں تا کہ کل جب میں تیرے دربار میں حاضری دوں اور تو مجھ سے تحفہ مانگے تو میں تیرے سامنے قلب سلیم پیش کرسکوں اور کہہ سکوں کہ تیری دنیا بہت لبھانے والی تھی مگر میں نے اپنا دل تیری طرف لگائے رکھا

دل باکسے نہ باختہ ، بادو جہاں نہ ساختہ
من بے حضورِ تورسم ، روزِ شمار ایں چنیں

اس دنیا میں اللہ نے جو قدر و منزلت انسان کو عطا کی وہ اس نے نہیں پہچانی، یہ چاند پر پہنچ گیا، سمندر کی گہرائی ناپ لی، زمین کے خزانے اس نے ڈھونڈ لئے مگر اس نے اپنے آپ کو دریافت نہیں کیا کہ مالک نے اس میں کیا کچھ رکھا ہے۔ اللہ کے بعد سب سے زیادہ شان اور رتبہ انسان کا ہے یہ ملائکہ کا مسجود ہے۔ مگر انسان اپنے سے اعلیٰ یعنی اللہ کو چھوڑ کر ادنیٰ کی تلاش میں سرگرداں ہے انسان کا شرف اور قدر و منزلت یہ ہے کہ وہ اللہ کو تلاش کر لے۔ باقی تمام کائنات اسی کے لئے ہے۔

زمین ہے تیرے لئے آسمان ہے تیرے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

سورج چاند ستارے اس کے لئے پیدا کئے گئے۔ زمین اس کے لئے بنائی گئی اس کے لئے کھیتیاں اگائیں چار پائے اس کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے مگر انسان کو اس لئے بنایا گیا کہ وہ اپنے مالک کی بندگی کرے۔ اگر قرآن پاک کا مطالعہ کریں یا تاریخ انسانیت پڑھیں تو بہت کم لوگ اس معیار کے مطابق پورے اترتے ہیں۔ جو لوگ اس معیار کے مطابق پائے گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہرت دوام بخشی اور وہ زندہ جاوید ہو گئے۔

انہی جلیل القدر اور نامور ہستیوں میں ایک شخصیت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بھی ہے۔ وہ انسانیت کے گلِ سرسبد تھے۔ انہوں نے اپنے زہد و تقویٰ سے وہ مقام حاصل کیا جو پیغمبروں کے بعد بہت کم ہستیوں کو حاصل ہوا۔ ان کا وجود اسلام کے لئے ایسا حصار اور قلعہ تھا کہ ان کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی فتنے نے سر نہیں اٹھایا۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اسلام کی مثال ایسے تھی

جیسے کوئی شخص اپنے وطن کی طرف آ رہا ہے جوں جوں وقت گزرتا وہ اپنے وطن کے نزدیک ہوتا جا رہا ہے۔ مگر جب سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا اس وقت سے یوں ہے کہ اس مسافر نے منہ پھیر لیا ہے اور اس کا ہر قدم اپنے وطن سے دور ہوتا گیا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔ بعد میں مسلمانوں میں کئی بڑے آدمی پیدا ہوئے مگر وہ انصاف، سلطنت کا حسن انتظام اور امن وامان جو عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا پھر کبھی نصیب نہ ہوا۔ جب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی علی رضی اللہ عنہ آپ کے جنازے کے قریب آئے اور کہا ''صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْكَ'' ''کہ تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں'' اور پھر فرمایا: کہ مجھے کوئی شخص نظر نہیں آتا جس کے کارنامے اور اعمال حسنہ لے کر میں اللہ کے دربار میں پیش ہونا پسند کروں سوائے اس شخص کے جو کفن میں لپٹا ہوا ہے۔ [1]

علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کو یاد کر کے اکثر رویا کرتے تھے جب آپ سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں عمر (رضی اللہ عنہ) کی وفات پر اس لئے روتا ہوں کہ ان کی وفات سے اسلام میں ایسا رخنہ پیدا ہو گیا ہے جو کبھی پُر نہیں ہو سکتا۔ [2]

علی رضی اللہ عنہ کا نہج البلاغہ میں ایک خطبہ موجود ہے جس میں جناب امیر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ سید رضی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے یہ خطبات مرتب کئے ہیں اس میں مصلحت کے تحت حضرت عمر کا نام نہیں لیا بلکہ ''لِلّٰهِ بِلَادِ فُلَانٌ'' لکھ دیا ہے۔ ابن ابی الحدید جنہوں نے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے انہوں نے لکھا ہے لفظ (فلان) عمر رضی اللہ عنہ سے کنایہ ہے اور یہ کلمات انہی کی مدح وتوصیف میں کہے گئے ہیں ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ سید رضی کے تحریر کردہ نسخہ میں (فلان) کے نیچے انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا لفظ عمر (رضی اللہ عنہ) موجود تھا۔

علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لِلّٰهِ بِلَادِ فُلَانٍ فقد قم الاود وداو العمد خلف الفتنة واقام السنة ذهب نقی الثوب قليل العيب اصاب خيرها وسبق شرها ادى الى الله طاعته واتقاه بحقه رحل وتركهم فی طرق متشعبة لا يهتدى فيها الضال ولا يستيقن المهتدى))

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب، ابن ماجہ باب فضائل عمر رضی اللہ عنہ

[2] تاریخ الخلافۃ لابن الجوزی۔

''اس علاقہ کا کیا کہنا جس میں فلاں شخص (عمر رضی اللہ عنہ) پیدا ہوا اس کی کارکردگی کی جزا اللہ تعالیٰ دے۔ انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا تمام بیماریوں اور خرابیوں کا علاج کیا۔ فتنہ فساد کو پیچھے چھوڑ دیا۔ سنت کو قائم کیا۔ صاف ستھرے دامن اور کم عیبوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ بھلائیوں کو پالیا اور شر انگیزیوں سے آگے بڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق ادا کیا اور اس کا پورا پورا خوف بھی کھایا دنیا سے رخصت ہوئے اور لوگوں کو متفرق راستوں پر چھوڑ گئے جس میں گم کردہ راہ راستہ نہیں پا سکتا اور ہدایت یافتہ بھی یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔'' [1]

علی رضی اللہ عنہ کا حوالہ میں نے اس لئے دیا کہ بعض لوگوں نے یہ مشہور کر دیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے۔ زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ تھوڑا بہت اختلاف ہو جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ بھی جرم نہیں ٹھہراتا لیکن ان اختلافات میں ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ وہ ایک دوسرے کو مومن نہیں سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اگر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا علم ایک پلڑے میں اور تمام عرب قبائل کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو بھی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے علم کا پلڑا بھاری ہوگا۔ آپ کتاب الٰہی کے سب سے بڑے عالم اور دین کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔

خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک خواب ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ مجھے دودھ پیش کیا گیا میں نے اسے پیا جو بچا میں نے عمر (رضی اللہ عنہ) کو دیا۔ صحابہ نے اس کی تعبیر پوچھی تو فرمایا کہ یہ دین کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا اور میرے بعد شریعت اور حکمت عمر (رضی اللہ عنہ) کو دی ہے۔ [2]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ پچھلی امتوں میں کچھ لوگ ایسے تھے جو نبی نہیں تھے مگر اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرتا تھا وہ محدث اور متکلم تھے اگر میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوئے تو ان میں عمر (رضی اللہ عنہ) بھی ہوگا یہ بھی محدث اور متکلم ہے۔ [3]

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ کھڑے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے کسی نوجوان کے بارے میں فرمایا: یہ نوجوان بہت نیک ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ اس نوجوان کے پاس گئے اور کہا کہ تم

---

[1] نہج البلاغۃ خطبہ نمبر: 255،

[2] بخاری کتاب المناقب باب فضائل عمر رضی اللہ عنہ

[3] متفق علیہ

میرے لئے بخشش کی دعا کرو نوجوان نے شرمندہ ہو کر فرمایا: کہ آپ رسول ﷺ کے صحابی ہیں آپ کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ میں آپ کے لئے کیا دعا کروں مگر ابوذر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ تم میرے لئے دعا کرو اس اصرار پر نوجوان نے کہا: کہ حضور ماجرا کیا ہے! ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے بارے میں کہا ہے: کہ یہ نوجوان بہت نیک ہے۔ ہم نے رسول ﷺ کی زبان سے یہ ارشاد سنا ہے کہ اللہ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پہ حق رکھ دیا ہے۔ اللہ کے رسول نے یہ فرمادیا: کہ عمر رضی اللہ عنہ کی زبان حق کے سوا کچھ نہیں کہتی اور عمر رضی اللہ عنہ نے تمہاری تعریف کی ہے اس لئے میں تم سے بخشش کی دعا کروانا چاہتا ہوں۔ [1]

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شخصیت اتنی بے نظیر اور بے مثال ہے کہ قلم ان کے بارے میں لکھتے ہوئے نہیں تھکتا۔ اگر آپ کی سیرت اور سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو وہ ان خوش نصیب لوگوں میں نظر آتے ہیں جس طرح کے لوگ قرآن پاک بنانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے دنیا کو حقیر اور بے مایہ سمجھا۔

یہ مال و دولت دنیا ، یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ

اتنی فتوحات اور مال غنیمت دیکھ کر ان کے قدم ڈگمگائے نہ دنیا نے انہیں اپنی طرف کھینچا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جاہ و جلال کے آگے ہر لمحہ لرزہ براندام رہتے۔

عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا؟ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کیسے تھے تو انہوں نے فرمایا: کہ وہ اس خوف زدہ پرندے کی مانند تھے جسے ہر طرف جال نظر آتا ہو۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی حکومت کا جو نمونہ قائم کیا اس سلسلے میں بے شمار واقعات ہیں۔ میں ان میں سے چند واقعات اپنے اور آپ لوگوں کے ایمان کی تازگی کے لئے پیش کر رہا ہوں کہ اسلام کس طرح کے حکمران تیار کرنا چاہتا ہے۔

شاعر مشرق علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دل فقر ہے شاہی نہیں

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے غلام اسلم روایت کرتے ہیں ایک رات میں اور امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ وادی حرہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک جگہ آگ

[1] صحیح الجامع الصغیر: 1/358، ح:1736، مشکوۃ مترجم صادق خلیل: 6033،

جل رہی ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ لگتا ہے وہاں کوئی قافلہ ٹھہرا ہے آؤ ان کا حال دریافت کریں۔ ہم لوگ وہاں پہنچے تو دیکھا ایک عورت ہانڈی چولہے پر چڑھائے بیٹھی ہے اور ارد گرد اس کے بچے رو رہے ہیں۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے بچوں کے رونے کی وجہ دریافت کی؟ تو اس نے جواب دیا بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا چولہے پر کیا پک رہا ہے عورت نے کہا: ہانڈی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا رکھا ہے کہ بچوں کو بہلا سکوں شاید یہ روتے روتے سو جائیں۔

یہ سن کر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھے ساتھ لیا۔ ہم بیت المال پہنچے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے وہاں سے سامان خورد و نوش ایک بوری میں ڈالا اور مجھ (اسلم) سے کہا: اسے میری کمر پر لاد دو! اسلم نے کہا امیر المؤمنین! یہ بے ادبی ہوگی۔ یہ وزن میں اٹھا لیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا روز قیامت بھی تم میرا بوجھ اٹھاؤ گے؟ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے اس ذمہ داری کے بارے میں سوال کرے گا تو کیا تم جواب دو گے؟ اسلم نے کہا: امیر المؤمنین! وہاں تو ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: دنیا میں بھی یہ بوجھ مجھے ہی اٹھانے دو۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بوری اپنی کمر پر لادی اس عورت کے پاس پہنچے خود آگ جلائی۔

اسلم کا بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ آگ میں پھونکیں مار رہے تھے اور دھواں ان کی داڑھی میں سے نکل رہا تھا۔ کھانا تیار ہوا تو خود کپڑے کے ساتھ ہوا دے کر کھانا ٹھنڈا کیا۔ عورت بچوں کو کھانا کھلاتی جاتی اور کہتی جاتی: کہ امیر المؤمنین بننے کے تم حق دار تھے عمر نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بتایا کہ میں عمر ہوں۔ صرف یہ کہتے رہے اماں تو اچھی دعائیں کرتی رہ! عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے رخصت ہوئے اور کچھ دور جا کر بیٹھ گئے۔

اسلم نے کہا حضور! چلیں بہت رات بیت گئی ہے اب آرام کریں۔ صبح آپ کو اور بھی کام کرنے ہیں۔ مگر عمر (رضی اللہ عنہ) بیٹھے رہے۔ جب بچے پیٹ بھر کر کھیلنے لگے اور ماں کے ساتھ ہنسنے لگے۔ اسلم سے کہا: جس طرح میں نے انہیں روتے دیکھا تھا اسی طرح انہیں ہنستا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ اللہ کے دربار میں یہ کہہ سکوں کہ اگر میں نے بچوں کو بھوک سے روتے دیکھا تھا میں اس وقت تک سویا نہیں جب تک کہ انہیں ہنستے ہوئے نہیں دیکھ لیا۔

یہ تھا نمونہ اسلامی حکومت کا۔ اگر ہم آج مسلمانوں کے حکمرانوں کی طرف نظر دوڑائیں (اس وقت پچاس سے زائد مسلمانوں کے حکمران ہیں) دن رات ٹیلی ویژن پر یہ پروپیگنڈا ہے

کہ ہم عوام کے خادم ہیں۔ ہم اسلام کی ترویج چاہتے ہیں۔ کیا ایک حکمران بھی امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کا اسوۂ اور نمونہ پیش کر رہا ہے اگر ایسا نہیں تو ہم قطعاً مسلمان کہلوانے کے حق دار نہیں۔

انہی شب گردیوں میں آپ کو ایک ایسا گوہر تابدار مل گیا جس نے اسلامی تاریخ کو بقعہ نور بنا دیا، واقعہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کو دودھ میں پانی ملانے سے منع کرتے تھے ایک رات گشت کرتے ہوئے ایک دیوار کے پاس بیٹھ گئے۔ سنا کہ ایک عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی ہے۔ ''اٹھو! دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا دو!'' لڑکی نے کہا: اماں! تمہیں معلوم ہے کہ امیر المؤمنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کیا ہے۔ ماں نے کہا: یہاں کونسا امیر المؤمنین دیکھ رہے ہیں۔ بیٹی نے کہا: امیر المؤمنین نہیں دیکھ رہے مگر ان کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔

صبح ہوئی تو اپنے غلام اسلم کو بھیجا کہ پتہ کر کے آؤ کہ وہ لڑکی شادی شدہ ہے یا کنواری۔ اسلم نے آ کر بتایا: کہ وہ کنواری ہے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو بلایا ور ان سے کہا: تم میں سے اگر کوئی نکاح کرنا چاہتا ہے تو بتاؤ؟ میں نے ایک لڑکی تلاش کی ہے۔ آپ کے بیٹے عاصم نے کہا: کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں! عمر رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کے لئے پیغام بھیجا اور عاصم کا نکاح اس لڑکی سے کر دیا۔

عمر رضی اللہ عنہ کی اسی بہو کی بیٹی سے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے دور حکومت میں خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ انہوں نے خلیفہ بننے کے بعد جب بنی امیہ کے لوگوں سے وہ غصب شدہ جاگیریں واپس لینے کا اعلان کیا جو انہیں بغیر کسی استحقاق کے صرف خاندان بنو امیہ کا فرد ہونے کی وجہ سے ملی تھیں۔

تو بنی امیہ کے سرکردہ افراد نے ان کی پھوپھی فاطمہ کو آپ کے پاس بھیجا کہ عمر رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھاؤ کہ جو کچھ ماضی میں ہو چکا اسے نہ چھیڑے۔ آئندہ کے لئے جو چاہے اقدامات کرے۔ فاطمہ نے جا کر عمر رحمۃ اللہ علیہ سے کہا: کہ تم یہ جاگیریں واپس نہ لو اس سے تمہارے بزرگوں پر حرف آئے گا جنہوں نے یہ جاگیریں دی تھیں۔ مگر عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نہ مانے انہوں نے کہا: پھوپھی جان! اگر سابق خلفاء نے ایک سوئی بھی عوام کا حق غصب کر کے دی ہے تو میں اسے واپس لے کر رہوں گا۔ پھوپھی نے واپس آ کر زعماء بنو امیہ سے کہا: تمہیں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی پوتی کا رشتہ لانے سے پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ اب اگر عمر رحمۃ اللہ علیہ ننھیال پر گیا ہے تو تمہارا واویلا فضول ہے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک دن بازار کی طرف نکلے وہاں ایک جوان عورت ملی۔ وہ آپ کے

کپڑوں سے لپٹ گئی۔ لوگوں نے کہا: کہ بی بی! امیر المؤمنین کو چھوڑ دے! اس عورت نے کہا: کہ مجھے علم ہے کہ یہ امیر المؤمنین ہیں۔ مگر میں اپنی داستان انہیں سنانا چاہتی ہوں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے پوچھا! کیا کہنا چاہتی ہو؟ اس عورت نے کہا: میرا خاوند فوت ہو گیا ہے۔ اس نے کوئی زمین جائداد نہیں چھوڑی میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ مجھ میں اتنی بھی توفیق نہیں کہ بکری کا کھر ہی بچوں کو پکا کر کھلا سکوں اس نے کہا میں خفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں جو بیعۃ الرضوان میں شریک تھے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا سلسلہ نکل آیا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خوش آمدید! تمہارا آنا مبارک ہو۔ تم نے مجھ سے ایسا رشتہ جوڑا ہے جس سے بڑا تعلق کسی مسلمان کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کی بیٹی ہو اور تمہارا باپ صلح حدیبیہ میں شامل تھا اس سے بڑی تمہاری کوئی سفارش نہیں ہو سکتی۔

عمر رضی اللہ عنہ بیت المال گئے وہاں سے ایک اونٹ لیا۔ اس پر گندم اور ضروریات زندگی کی دوسری اشیاء اور کپڑے رکھے۔ اس کی نکیل اس عورت کے ہاتھ میں دی اور کہا کہ یہ سامان اپنے گھر لے جاؤ ابھی یہ سامان ختم نہیں ہوگا کہ عمر کی طرف سے اور سامان پہنچ جائے گا ایک شخص جو وہاں کھڑا تھا اس نے کہا امیر المؤمنین! آپ نے اس عورت کو اتنا کچھ دے دیا تھوڑا بہت دے کر رخصت کر دیتے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تیری ماں تجھے روئے اس عورت نے جو رشتہ مجھ سے بیان کیا کہ میں صحابی رسول کی بیٹی ہوں اور میرا باپ بیعۃ الرضوان میں شریک تھا۔ مومن کے لئے اس سے بڑا رشتہ کوئی نہیں۔ یہ رشتہ سن کر اگر میں اس کی امداد نہ کرتا تو مجھ سے برا کوئی شخص نہ ہوتا۔ یہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ بے سہارا افراد کے گزر بسر کا سامان کرے۔ مسلمان افراد تو ایک طرف غیر مسلم رعایا جو اسلامی حکومت میں ذمی ہوں ان کی بھی امداد کرے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ شام گئے بازار میں گھوم رہے تھے دیکھا کہ ایک بوڑھا ذمی بھیک مانگ رہا ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا تمہیں کیا مصیبت آن پڑی کہ تم بھیک مانگ رہے ہو؟ بوڑھے ذمی نے کہا: میں اب کام کاج کرنے کے قابل نہیں رہا مجھ پر جزیہ کی جو رقم لاگو ہے میں وہ ادا کرنے سے قاصر ہوں اس لئے بھیک مانگتا ہوں تاکہ جزیہ کی رقم ادا کر سکوں۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حاکم شہر کو طلب کیا اور کہا: جس شخص سے تم جوانی میں فائدہ اٹھاتے رہے ہو بڑھاپے میں اس کا خیال کرو۔ یہ کہہ کر اسے جزیہ سے بری الذمہ قرار دے دیا اور بیت المال سے

اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ یہ تھا اسلامی حکومت کا تصور۔ اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ کسی کو محسوس نہ ہونے دے کہ وہ تنہا یا لاوارث ہے۔

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا کوئی سرپرست نہ ہو اس کا سرپرست میں (اسلامی حکومت) ہوں حتیٰ اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو اس کی ادائیگی بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ [1]

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں مسلمانوں سے ان کے اپنے افراد خاندان کی نسبت زیادہ قریب ہوں سو ان میں سے جو وفات پاجائے اس کے قرض کی ادائیگی میرے ذمہ ہے [2]

نبی ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بعض امور کا نگران بنادے اور وہ لوگوں کی ضروریات سے بے پروائی برتے اللہ تعالیٰ اسکی ضرورتوں سے بے پروائی برتے گا۔ اور اس کی ضرورتوں اس کی شکایات اور اس کے مسائل کو حل نہیں فرماتا۔ [3]

اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ ملک میں جو بھی بے روزگار مفلس اور بے سہارا شخص ہو مسلمان اس کا نگران ہے۔ اس کی ضروریات پورا کرنا اور اس کے گھر تک پہنچانا خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو امام ضرورت مندوں محتاجوں اور مسکینوں پر اپنے دروازے بند کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات اور احتیاجات کے لئے آسمان کے دروازے بند کر لیتا ہے۔ [4]

رسول ﷺ نے اسلامی حکومت کا جو خاکہ پیش کیا تھا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے عملی طور پر نافذ کیا۔ وہ عوام الناس کے لئے شفیق باپ کی طرح تھے۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ کسی کو مشکل و مصیبت میں دیکھتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے اور اس وقت تک انہیں سکون نہ ملتا جب تک کہ اس کے دکھ کا مداوا نہ ہو جاتا۔

جب ان سے خلافت کے منصب کے بارے میں دریافت کیا گیا؟ تو فرمایا: خلیفہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ تمہاری دعائیں آسمان کی طرف جانے سے روکے۔ اس نرمی کے ساتھ ساتھ

....

[1] جامع ترمذی

[2] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب قول النبی ﷺ من ترک مالا فلاهله ص:1415، ح:6731، 2298، 2399، :4781، 5371،

[3] مشکوۃ مترجم صادق خلیل باب ماعلی الولاۃ من التیسیر :3/249، ح3728، ابوداود

[4] مشکوۃ مترجم صادق خلیل باب ماعلی الولاۃ من التیسیر :3/250، 3729،

انہوں نے سختی سے فتنوں کا سر بھی کچلا۔ اگر ان کے دور میں کسی فتنے نے سر اٹھایا تو انہوں نے ذرا نرمی نہیں کی اگر کسی گورنر نے عوام پر ذرا سختی کی وہ سراپا قہر بن گئے اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے جب تک کہ اس کا بدلہ لے کر انہیں نہ دیا۔

خلافت کی ذمہ داریوں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے احساس نے ان کی فطری سختی کو نرمی میں بدل دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ان کے دل میں اس حد تک جاگزیں تھا کہ جب وہ زخمی ہوئے تو ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی جب انہیں ذرا ہوش آیا تو لوگوں نے کہا امیر المؤمنین نماز! عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! ہاں جس شخص نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں آپ تین دن تک اسی حالت میں نماز پڑھتے رہے کہ خون آپ کے زخموں سے بہتا تھا۔ جان کنی کے عالم میں بھی حدود اللہ کا اتنا پاس تھا کہ ایک نوجوان کو دیکھا جو آپ کی عیادت کے لئے آرہا ہے اس کا تہبند زمین پر گھسٹ رہا ہے۔ اسی حالت میں اسے نصیحت کی کہ بیٹا اپنا تہبند اونچا کر لو! اس سے تمہارا کپڑا بھی صاف رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی بھی فرماں برداری ہوگی۔

انہوں نے آخری وقت میں بھی خلافت کی ذمہ داری کو نبھایا۔ خلیفہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ حدود اللہ کو نافذ کرے۔ اگر کہیں اللہ تعالیٰ کا حکم توڑا جا رہا ہو تو اسے قائم کرے۔ آپ کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ رسول ﷺ کے ساتھ دفن ہوں۔ انہوں نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ تم ام المؤمنین عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس جاؤ! انہیں میرا اسلام کہنا: اور انہیں کہنا :کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کی یہ خواہش ہے کہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ دفن ہو! خبردار امیر المؤمنین نہ کہنا ! کیونکہ اب میں مسلمانوں کا خلیفہ نہیں رہا۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس گئے تو دیکھا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) زار و قطار رو رہی ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے باپ کا پیغام دیا عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا میں نے وہ جگہ اپنے لئے رکھی تھی مگر میں عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر ترجیح دوں گی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ واپس آئے اور عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرا جنازہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے پاس لے جانا اور ایک دفعہ پھر اجازت لینا ہو سکتا ہے انہوں نے امیر المؤمنین کے منصب کا پاس کرتے ہوئے اجازت دی ہو۔

عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر لوگ اتنا روئے کہ اتنا وہ اپنے کسی عزیز رشتہ دار کی وفات پر بھی نہیں

روئے ہوں گے۔ وہ ایسا ہی دن تھا کہ اس دن رونا چاہئے تھے کیونکہ اسلام میں اس سے بڑی قیامت اور کوئی نہیں گزری۔ اس کے بعد ایسا بہترین دور پھر واپس نہیں آیا۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایسا روشن دور ختم ہو گیا جس کی ضیاء پاشیاں آج بھی محسوس کی جاسکتی ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ کی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی تھی کہ میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں دفن ہوں اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خواہش پوری کردی۔ عمر رضی اللہ عنہ کی قبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے پاس بنی جس طرح وہ اس دنیا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن ہوئے جنت میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں گے۔ اس کی پیشین گوئی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں کردی تھی۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں بہشت میں ہوں۔ وہاں میں نے ایک محل دیکھا اس میں ایک لڑکی وضو کر رہی تھی میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ فرشتوں نے کہا: کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا۔ میں نے چاہا: کہ اس محل کو اندر سے جا کر دیکھوں! مگر عمر! تمہاری غیرت مجھ کو یاد آ گئی۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ رو دیئے کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں آپ پر غیرت کروں گا؟۔

اللہ تعالیٰ نے جسے دنیا میں جنت کی بشارت دی اس کا خوف خدا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس اس حد تک تھا کہ اس کا ذرہ بھی ہمیں نصیب ہو جائے تو ہماری زندگیاں سنور جائیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی بشارتوں کے باوجود خوف خدا کی یہ حالت تھی کہ آخری وقت میں رو رہے تھے۔ ایک تنکا زمین سے اٹھایا فرمایا: کاش میری ماں مجھے جنم نہ دیتی! کاش میں یہ تنکا ہوتا! اگر میں روز قیامت برابر بھی چھوٹ جاؤں تو بہت غنیمت ہے جب وقتِ آخر آیا تو بیٹے سے کہنے لگے: (جس نے آپ کا سر اپنی ران پر رکھا تھا) بیٹا! میرا سر زمین پر رکھ دو! بیٹے نے کہا: کوئی بات نہیں! میری ران اور زمین میں کیا فرق ہے۔ کہنے لگے: نہیں تم میرا سر زمین پر رکھ دو! جب عبداللہ نے سر زمین پر رکھا تو آپ نے اپنا رخسار زمین کے ساتھ لگا دیا اور کہنے لگے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں اور میری ماں مارے گئے۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اتنے درجے بیان کئے اتنی نیکیاں بیان کیں کہ ان کے رفقاء اور ساتھی یہ تمنا کرتے تھے کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کے نامۂ اعمال کے ساتھ اپنے رب کے دربار میں پیش ہو سکیں، اس کے باوجود خوف خدا کا احساس آخری وقت تک انہیں تھا۔ یہی خوف خدا تھا جس نے تمام عمر انہیں راہ راست سے ہٹنے نہیں دیا اور وہ صراط مستقیم پر چلتے رہے۔

دنیا میں لوگوں کو راہ رست پر رکھنے کا کوئی نسخہ ایجاد نہیں ہوا۔ اگر ان کے دلوں میں یہ یقین نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ کا دربار لگے گا اور اس میں جو کچھ بھی کیا اس کی جواب دہی ہوگی۔ ابدی جنت یا ہمیشہ کے لئے دوزخ انسان کا ٹھکانا بنے گی۔